

سوسائٹی

پاک سوسائٹی

میرٹھ کا

امجد جاوید

ہمارے موجودہ معاشرے کی عکاس ایسی داستان ہے، جس میں منفرد کرداروں کی بنیاد کے ساتھ ساتھ
واردات عشق کا وہ بیان ہے، جس کی انت انسان کے لئے نا بھی بن سکتی ہے اور بتا بھی

عشق فنا ہے عشق بقا

مصنف : امجد جاوید

علم و عرفان پبلشرز

34- اردو بازار لاہور

فون 7232338-7352332-042

نوٹ:

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف (امجد جاوید) اور پبلشرز
(علم و عرفان) محفوظ ہیں۔ ادارہ علم و عرفان نے اردو زبان اور ادب کی ترویج کیلئے اس
کتاب کو kitaabghar.com پر شائع کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے، جس
کے لئے ہم اے بے حد ممنون ہیں۔

”..... کچھ اس داستان کے بارے میں“

”عشقِ فنا ہے، عشقِ بنا“..... اہل ہمارے موجودہ معاشرے کی عکاس ایسی داستان ہے، جس میں منفرد کرداروں کی بنیاد کے ساتھ، وارداتِ عشق کا وہ بیان ہے، جس کی منت انسان کے لئے فنا بھی بن سکتا ہے یا پھر بقا جیسے دائمی مقام پر قائم ہو جاتا ہے۔

یہ داستان اپنے جلو میں کئی پہلو رکھتی ہے، جس میں ایسے کردار ہیں، جو ہمارے آس پاس پھرتے ہیں، ہمارے درمیان سانس لیتے ہیں اور جن سے ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ملنے رہتے ہیں۔ انہی کرداروں سے وابستہ یہ داستان، نگہ دانہ، اس معاشرے کے بہت سارے اگلے راز ہمارے سامنے رکھتی ہے۔ جنہیں ہم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کرداروں اور ان اگلے رازوں کی پہچان ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اس داستان کا اچھا جاوید نے اپنے اس خاص منفرد اسلوب میں لکھا، جو انہی کا مصنف ہے، اور یہ طے ہے کہ وہ مکمل تحقیق کے بعد ہی کوئی تحریر منظر عام پر لاتے ہیں۔ ایسا اس لئے بھی ہے کہ جہاں وہ صاحبِ طرز ادیب ہیں، وہاں صحافیانہ رنگ بھی رکھتے ہیں۔ یوں ان کا اسلوب ”دو آتش“ ہے۔ اس داستان میں کچھ نازک معاملات کو چھوٹے ہوئے انہوں نے کمال مہارت سے اپنا پیغام دیا ہے کہ آج کل کا نوجوان، جس طرح اپنے آپ کو منوانے کے لئے جدوجہد کر رہا ہے، ایک واضح مقصد نہ ہونے کے باعث وہ کس راستے پر مش پڑتا ہے۔ معاشرے کے انہی خلیب و فراز اور اپنی ذات کی لٹی کر دینے والے حالات کی جانب نشاندہی کرتی اس داستان میں وہ اشارے موجود ہیں جن سے تمہیر سیرت کے ذریعے اعلیٰ انسانی اقدار کے مقامات تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اچھا جاوید نے یہ داستان بہت منفرد انداز میں لکھی ہے۔ جس میں تہہ در تہہ کھلتے راز، عشق کی انوکھی تشریح، انسانی نفسیات کے مختلف پہلو، سماجی مسائل کی نشاندہی، فلسفیانہ رنگ، زبان و بیان کی وہ سادگی کہ جس سے ہات سیدھی دل میں اتر جائے، اور تحریر کی وہ چاشنی جس سے قاری نہ صرف مستحکم ہوتا ہے بلکہ نئے آنے والے خیالات اسے سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس داستان میں قاری کے تصور کو تحریک دی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اچھا جاوید کی یہ داستان، ”عشقِ فنا ہے، عشقِ بنا“ اپنی سابقہ تحریروں کی مانند عوامی قبولیت کی سند ضرور حاصل کرے گی۔

(انشاد اللہ)

مکمل فرازا احمد

امجد جاوید کی زندہ تحریر

”عشقِ فنا ہے، عشقِ فنا“ میں عشق کا تاثر گہرا ہے۔ یہ معاشرے میں سسٹم کے شکار و بے کچھے افراد کی داستان ہے۔ اس جبر کی کہانی جس نے عام آدمی کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے۔ امجد جاوید کی درد مندی، مسائل کی تہہ تک پہنچ کر ان حوالہ کو بے نقاب کرتی ہے جو اس اختصار اور افراتفری کے ذمے دار ہیں۔ امجد جاوید کا قلم گہرائی کے ساتھ موضوع کو کھنگالنا اور سچ کی پرتوں کو اٹھانے کی سعی کرتا نظر آتا ہے۔ تب ہم ”عشقِ فنا ہے، عشقِ فنا“ میں محض جذبوں کی شدت اور اپنے موقف کے اظہار کی داستان نہیں، امجد جاوید کو کہانی کہنا آتا ہے، اور اسی باعث کہیں اس کہانی میں اسکا بہت کا مہول نہیں۔ تحریر کی رفتار، بیان کی روانی اور چابکدستی جہاں قاری کو بانٹھے رکھتی ہے، وہیں دیکھے بھالے، آس پاس کے کردار، بچنے مرنے کے ساتھ نمودار ہو کر انہیں نعوش چھوڑ جاتے ہیں۔ میں ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہوں گا کہ امجد جاوید کا اسلوب اپنی پہچان بنانے میں کامیابی سے ہمکنار ہے، امجد جاوید کی یہ تحریر زندہ ہی نہیں، جوان بھی رہے گی۔

دیگر شہزاد

کتاب گھر کا پیغام

آپ تک بہترین اردو کتابیں پہنچانے کے لیے ہمیں آپ ہی کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ہم کتاب گھر کو اردو کی سب سے بڑی لائبریری بنانا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے ہمیں بہت ساری کتابیں کمپوز کرانا پڑیں گی اور اسکے لیے مال و مسائل درکار ہوں گے۔ اگر آپ ہماری براہ راست مدد کرنا چاہیں تو ہم سے kitaab_ghar@yahoo.com پر رابطہ کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو کتاب گھر پر موجود ADs کے ذریعے ہمارے سپانسرز ویب سائٹس کو وزٹ کیجئے، آپ کی یہی مدد کافی ہوگی۔

یاد رہے، کتاب گھر کو صرف آپ ہی بہتر بنا سکتے ہیں۔

وہ بچپلے آدمے کھٹے سے ڈاکٹر جمیل کی بکواس سن رہی تھی جو نہایت گھٹیا انداز میں اس سے "ابطہا شق" کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ اگر نرس ہونے کی وجہ سے اس وقت ڈیوٹی پر نہ ہوتی تو اب تک اس کے منہ پر کئی تھپن مار چکی ہوتی۔ ڈاکٹر جمیل اس کے جذبات سے بے نیاز اہتہائی سوچتا نہ انداز میں اپنی کہے جا رہا ہے جبکہ راحیلہ اس کے لفظوں سے لظن محسوس کرتے ہوئے خود میں صحت کر رہ گئی تھی۔ وہ جواب تک اس ماحول سے مزاحمت کرتی چلی آ رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ یہ ماحول اسے تو ڈر کر رکھ دے گا۔ اس نے اب تک جو خود میں تو اتائی بچا کے رکھے ہوئے تھی اسے ڈر تھا کہ اس قوت کے باعث وہ کہیں پھٹ نہ جائے۔ یوں وہ خود کو تو مزادے گی ہی لیکن کسی نہ کسی کی جان بھی ضرور لے لے گی۔ اس سے بچنے کا راحیلہ نے یہی حل تلاش کیا تھا کہ وہ اس قسم کی بیہودہ گفتگو سنی رہے مگر اس کے معنی اور مضمون کو اپنے دماغ تک رسائی نہ لینے دے جبکہ اوجیز عمر ڈاکٹر اپنے خیانت زدہ چہرے کے ساتھ کب رہا تھا۔

"دیکھو راحیلہ! میں بالکل سیدھا اور صاف گو انسان ہوں۔ میں تمہیں شادی وغیرہ کے سبز باغ نہیں دکھاؤں گا کیونکہ میں پہلے ہی سے شادی شدہ ہوں میرے دو بیٹے ہیں مگر میں تم سے دو تو ضرور چاہوں گا۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی ہے۔ میری یہ دوستی تمہیں کہاں سے کہاں تک پہنچا دے گی! اس کا ختم اندازہ نہیں کر سکتی ہو۔" ڈاکٹر جمیل نے اہتہائی ملامت اور پیار بھرے لہجے میں اوجیز سے دغیرے سمجھانے کے بعد چہرے سے خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھا رہا تاکہ اس کے چہرے پر سے ابھرتے ہوئے تاثر سے اپنی کیا ہوئی بات کا اندازہ لگانے مگر راحیلہ کا چہرہ سپاٹ رہا۔ وہاں کچھ نہ پا کر اس نے مزید کوشش کی اور بولا۔

"میں جبر کا قائل نہیں اور نہ ہی کسی طرح کی بلیک میلنگ کو اچھا سمجھتا ہوں۔ سیدھی سی بات ہے تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں تمہارا ساتھ چاہتا ہوں۔ اس کے عوض تمہارے سارے مسائل حل ہو جانے کی میں ضمانت دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ پھر سے خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا مگر راحیلہ کے چہرے پر ڈر سا تاثر بھی ایسا نہیں ابھرا کہ جس سے ڈاکٹر جمیل کو ہلکا سا بھی اشارہ مل جائے۔ وہ اس کے لظن زدہ لفظوں والی بکواس پر کسی بھی قسم کا کوئی رد عمل ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن ڈاکٹر جمیل بھی اپنی ذہن کا پکا تھا وہ اسی طرح کی باتیں کرتا رہا جیسے کسی شکار کو گھیرے میں لانے سے پہلے پوری طرح تھکا دیا جائے۔ اوجیز عمر ڈاکٹر اچھا خاصا شکاری معلوم ہو رہا تھا۔ راحیلہ کے اندر غمبار اہتہا جا جا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ ان باتوں پر چپ سا دمے رکھتی کوئی جواب نہ دیتی۔ اپنی ڈیوٹی کرتی اور داپس ہاٹل چلی جاتی پھر وہاں جا کر اپنے آنسوؤں سے تکیہ بھگوتی رہتی۔ یہاں تک کہ اس کی روم میں نرسین جوزف اس کی ڈھارس بندھاتی اسے حوصلہ اور تسلی دیتی۔۔۔

اس وقت بھی اس نے اپنی کھائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی ڈیوٹی ختم ہونے میں تھوڑا وقت باقی تھا۔ اس نے ایک سرد آہ لی اور ابھر ابھر دیکھنے لگی۔ وہ ڈاکٹر جمیل کو پوری طرح نظر انداز کر دینا چاہ رہی تھی مگر وہ اوجیز کوشش کے اسے نظر انداز نہیں کر پار ہی تھی کیونکہ اس کے بند بوجہ لفظوں نے ماحول میں مزاحمت پیدا کی تھی۔ اس نے بے بسی سے ابھر ابھر دیکھا تو اس کی نگاہ کمزری سے باہر چڑی جہاں کارٹیڈو کے آخری سرے پر لوگ آ جا

رہے تھے۔ اس وقت دو ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی۔ ڈاکٹر جمیل اُسے اپنے سناٹے بٹھائے سسٹل بیہودہ باتیں کرتے چلا جا رہا تھا جبکہ دو ذہنی اذیت کی اس حد تک بھگی گئی تھی کہ اس سے بے حسی کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اُسے ڈاکٹر کی باتیں تو سناؤی و سہی تھیں مگر وہ ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہی تھی۔ اُس کی نگاہ کمزری سے باہر کارڈ اور میں ان مریضوں پر تھیں جو دوسرے ڈاکٹروں سے چیک آپ کروانے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کمزری میں سے کارڈ اور کا آخری سرا بھی دکھائی دے رہا تھا جہاں واقعی دروازہ تھا۔ اُس کی ساری توجہ اسی جانب تھی کہ اُس داخلی دروازے میں سے چند پولیس والے اندر داخل ہوئے جن کے کمرے میں ایک لہا تر کا ٹو جوائن تھا، اِس کے ہاتھوں میں ہتھیاری اور بیروں میں بیڑی تھی۔ قدم قدم چلتے ہوئے بیڑی کی جھنکار ایک عجیب خوفزدہ کر دینے والا تاثر پیدا کر رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چل رہا تھا بیڑی کا کڈا اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ لگا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔ انہی لمحات میں راحیلہ نے سکھ کا سانس لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ پولیس والے ملزم کو لے کر انہی کے کمرے میں آئیں گے۔ یوں تھوڑی دیر کے لئے ہی سبھی دو ڈاکٹر جمیل کی خرافات سے بچا جائے گی۔

کچھ دروازے میں سب سے پہلے ایس ایچ او داخل ہوا پھر ملزم اور اِس کے بعد دوسرے پولیس والے تھے۔ راحیلہ نے محسوس کیا کہ پولیس والوں کی تعداد محسوس سے کچھ زیادہ ہی ہے بلاشبہ وہ کوئی خفیہ ناک بزم ہو گا تبھی اُس نے کمرے کے صحن وسط میں کمرے اس ملزم کو دیکھا۔ لہا تر قدموں کی طرف سے سرخ آنکھیں ستواں ناک پتیلے پتے ہونٹ جس پر ہلکی ہلکی موٹھیں بہت ہی جگ رہی تھیں، داڑھی پر اچھی خاصی لوہیں تھیں بے ترتیب اور اُلجھے ہوئے بال کافی بڑھے ہوئے تھے۔ سرخ گال اور اسی طرح ہونٹ جو دائیں طرف سے پھنسا ہوا تھا اتنی ہونٹ گروں پر دائیں جانب نکل پڑا ہوا تھا۔ مسل ہوئی شلوار پولیس پر دسے تھے اُلگیاں مٹلی ہو رہی تھی۔ بلاشبہ وہ پولیس تشدد کا شکار ہو چکا تھا۔ اُس نے ملزم کو بہت غور سے دیکھا تھا اور تبھی اُسکے دل نے لمحہ بھر میں گواہی دے دی کہ یہ نوجوان کنہا گرتیس ہو سکتا اور نہ ہی اِس کا مجرم ہے جس طرح پولیس اِسے یہاں لے کر آئی ہے۔ اُس کے چہرے پر ایک مانوس قسم کی مصومیت تھی، صرف اُسکی آنکھیں چہرے سے اٹھکی دکھائی دے رہی تھیں جن میں خاصہ نفرت اور بے باکی پوری طرح جھانک رہی تھی۔ اُس نے خالی کرسی دیکھی اور اُس پر بیٹھ گیا تو ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اُسے پکڑا اور غصے میں بولا۔

"اُوئے! مر رہا ہے تو جو یہاں کر رہی پڑھیر ہو رہا ہے۔ اٹھ کر اوجا۔ جب تک صاحب نہ کہیں تو کیسے بیٹھ سکتا ہے۔"

اگرچہ اِس کے بیٹھ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا لیکن سپاہی کا یہ حکم محض اِسے ڈیلاں کرنے کے لئے تھا۔ اِس پر نوجوان نے گھوم کر اِس سپاہی کی طرف دیکھا۔ نوجوان کی نگاہوں سے شعلے برسنے لگے تھے جسے بھانپتے ہوئے ایس ایچ او نے فوراً کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹھے رہو۔" یہ کہہ کر اُس نے ڈاکٹر جمیل کی طرف دیکھا جو عینک میں سے ایس ایچ او کو دیکھ رہا تھا، دونوں کی نگاہیں ملیں تو اُس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! اِس کا میڈیکل چارج لے لے! اِسے ریمانڈ کے لئے پیش کرنا ہے۔"

"اُو! چھو۔۔۔" ڈاکٹر نے ساری بات سمجھتے ہوئے نوجوان کو غور سے دیکھا اور پھر ایس ایچ او سے پوچھا۔ "کوئی ہڈی وڈی تو نہیں ٹوٹی ہے نا اِس کی۔۔۔؟"

"آپ خود تکی کر لیں دیکھ لیں اِسے۔۔۔"

ایس ایچ اونی کہا تو ڈاکٹر نے اٹھتے ہوئے اسے ایک بیچ پریٹ جانے کا اشارہ کیا۔ سچی وہ نوجوان ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے بولا۔

”بیٹھو ڈاکٹر! پہلے مجھے پانی پینا ہے۔“ اس کے لہجے میں ایسی غرابت تھی کہ ماحول میں سنا ہوا چھا گیا۔
 ”اسے پانی پلاؤ۔“

ایس ایچ اونی نے ایک سپاہی کی جانب دیکھتے ہوئے حکم دیا تو نوجوان دھاڑتے ہوئے بولا۔
 ”اوائے مجھے تم لے کر آئے ہو تمہی پانی پلاؤ۔۔۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک ہی سانس میں کئی گالیاں بک دیں۔ ایک لمحے کے لئے ایس ایچ اونی کی تیور یان پر غل پڑنے آنکھوں سے غصہ چھٹکا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ بے عزتی برداشت کرتے ہوئے خود پانی لینے بیڑہ گیا۔ اس نے کونے میں دھرے کولر میں سے پانی کا ایک گلاس بھرا اور نوجوان کے پاس لے آیا۔ سچی ملزم نے اس کے برصے ہوئے ہاتھ کی جانب دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے گلاس گرا دیا ایس ایچ اونی کے ہاتھ سے گلاس گر کر پھٹا چر ہو گیا۔

”تمہیں اپنے باپ کو پانی پیش کرنے کی تمیز نہیں ہے؟“

نوجوان ملزم نے کسی گھاک مجرم کی طرح کہا تو راجیلہ کانپ کر رہ گئی اسے وہ اپنا سارا اثاثہ ٹوٹا ہوا محسوس ہوا جو چند لمحے پہلے اس نے اپنے نہیں ذہن میں بنا تھا۔

”تم یہاں سے چلو تمہیں ساری تمیز میں سکھاؤں گا۔۔۔“

ایس ایچ اونی دانت پیٹتے ہوئے کہا جسے بہر حال راجیلہ نے سن لیا۔ ایک لمحے کے لئے تصور میں وہ نوجوان اسے خون میں لت پت دکھائی دیا تو وہ لرز گئی۔

”جسہیں تین دن ہو گئے ہیں جسے تیز سکھاتے ہوئے لیکن اب تک ٹکس سمجھا پائے ہو۔ ڈرو اس وقت سے جب تم میری زبان بولو گئے بے غیرت!“

ملزم نے فرماتے ہوئے مرد لہجے میں کہا تو ایس ایچ اونی اور صندا کے بولا۔

”تیرے جیسے کئی مجرودے آئے اور گئے۔ نئے کی طرح اپنے کلوے نہ چٹوائے تو میرا نام بھی سلامت خان نہیں۔۔۔ چل میڈیکل کروا۔“ اس کے لہجے میں نخوت اور غصہ کھل ٹل گیا تھا۔

”پہلے پانی۔“

وہ مٹھریا نڈاز میں کہتے ہوئے سھارت سے بولا۔ اسی لمحے راجیلہ نے ایک طرف پڑا ہوا گلاس اٹھایا اور کولر سے پانی بھرنے چل دی۔ سچی ملزم نے کہا۔

"نہیں یہی لے کر آئے گا۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو اس لئے چپ چاپ۔" ایس ایچ او غصے میں کہتے ہوئے خاموش ہو گیا تو وہ بولا

"مجھے کھول کر دیکھو پھر میں تجھے بتاؤں۔ ایک دفعہ کھول تو سہی۔"

اس نے اجماعی غصے میں کہا تو ایس ایچ او بولا۔

"صبر۔۔۔ صبر میرے بیٹے! صبر کر۔ ابھی جا کے تجھے کھولتا ہوں۔"

"تم وہاں بھی نہیں کھولا گے مجھے۔ ایک بندھے ہوئے سرد کو تو پانچ دن تک نہ بھی مار سکتے ہیں۔"

طرم کی آواز میں کئی زخمی چیتے کی سی غرابٹ تھی۔ راحیلہ کو نجانے کیوں دو اچھا لگ رہا تھا۔ پانی بھر کر وہ آگے بڑھی اور اس کے بالکل

قریب جا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اس میں گلاس تھماتے ہوئے بولی۔

"یہ نہیں پانی پی لیں۔۔۔"

راحیلہ کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اس نے لگاؤ اظہار کر اس کی طرف دیکھا۔ راحیلہ نے اس کی نگاہوں میں نجانے کتنی جولا نیاں دیکھیں۔

غور لگا ہوں میں کس قدر گہرائیاں تمہیں ایک لمحے میں وہ ذور تک ڈوب جانے کے باوجود اندازہ نہیں لگا سکتی تھی۔

"نہیں لے جاؤ۔۔۔"

طرم نے کہا تو وہ اس کی نگاہوں کے تصور سے نکل آئی۔ اس نے خود کو سینا اور پھر دھمے سے لہجے میں بڑے رسامان سے بولی۔

"جوش سے نہیں بوش سے کام لیتے ہیں۔ پھر پہاڑ بگن ہوں نارتے میں تو وہ بھی رستہ دے دیتے ہیں۔ نی لو۔" اس کے یوں کہنے پر

طرم نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے حسرت اور پھر ممنونیت اتری۔ اس نے وجیرے سے گلاس پکڑ لیا۔ چند گھونٹ پانی پینے کے

بعد اس نے گلاس واپس کر دیا۔

"دیکھا دیکھا۔ اس بے غیرت کو یہاں نہیں تھی یونہی تھک۔"

ایس ایچ او نے کہنا چاہا تو طرم نے فراتے ہوئے کہا۔

"خاموش۔۔۔ خاموش رہو ورنہ ابھی تجھے اپنے جوتے صاف کرنے پر لگا دوں گا۔"

"لوئے تھل سیدھا ہو کر بیٹھ۔" یہ کہہ کر ایس ایچ او نے گویا جان چھڑائی اور ڈاکٹر کا اشارہ کیا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔؟" ڈاکٹر نے سرسری سے معائنے کے بعد طرم سے پوچھا۔

"جنید اقبال۔" اس نے عام سے انداز میں کہا اور پھر تیزی سے بولا۔ "اس رپورٹ کی کوئی وقعت ہوگی یا نہیں مگر تمہارے بارے

میں پتہ چل جائے گا کہ تم کیا شے ہو۔ رپورٹ لکھتے ہوئے میری یہ بات ذہن میں رہے۔"

"اوائے لے چلو! سے باہر۔۔۔"

ایس ایچ اے نے کہا تو وہ سنا ہی اسے باہر لے گئے۔ ایس ایچ اے اور اپنی پسند کے مطابق رپورٹ بنانے لگا۔ راحیلہ ایک جانب کھڑی رہی۔ ڈاکٹر اور ایس ایچ اے معروف تھے کہ سرین جوزف آگنی ڈیوٹی ٹائم ختم ہو چکا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کی قطعاً پروا نہیں کی اور وہ دونوں باہر چلی گئیں۔ جنید پولیس کے زمرے میں باہر لان کے ایک کونے میں کھڑا تھا۔ راحیلہ کو نبھانے کا سوجھ بوجھ وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔ سرین کو حیرت ہوئی کہ یہ کدھر جا رہی ہے؟ --- وہ جنید کے پاس جا کھڑی ہوئی اور اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی۔

”خوشی ہو یا اذیت! اسے برداشت کرنے کی صلاحیت انسان کے اندر ہوتی ہے۔ میری دعائیں ہے تمہارے لئے۔“

اس نے کہا تو جنید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کتنے ہی لمحے وہ یونہی ساکت رہا۔ راحیلہ آگے بڑھ گئی۔ اس کے اندر ایک عجیب فرح کی طبعیت اتر آئی تھی۔

”کون تھا وہ؟ تم نے کیا کہا ہے؟ کیا بات تھی؟“

سرین ایک ہی سانس میں اس کی سوال کر گئی تو راحیلہ نے کہا۔

”باش چلو بتاتی ہوں۔“

اس کے یوں کہنے پر سرین اچھٹے ہوئے اس کے ساتھ چلتی چلی گئی ان دنوں کا رخ اپنے باشل کی طرف تھا۔

☆

ہر شہر میں ایک مخصوص چوک تو ہوتی ہی ہے جہاں رات گئے تک چہل پہل رہتی ہے۔ اس چوک میں بھی رات کا دوسرا پہر گزر جانے کے باوجود رونق تھی۔ ٹریک کا زور بہت حد تک ختم ہو گیا تھا، کھانے پینے کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور لوگ کھانے پینے کے ساتھ کپ شپ میں مصروف تھے۔ ہر جانب سکون محسوس ہو رہا تھا۔ بس ایک ہواڑی کی دوکان پر ریڈیو بج رہا تھا جس کے ساتھ ہی چائے کی دوکان تھی اور کئی لوگوں کے ساتھ وہاں ہالوں بھی اپنے عین وقتوں کے ساتھ چائے پینے گیا تھا۔ وہ چاروں لاء کے طالب علم تھے اور ان دنوں اس کے فائنل امتحان چل رہے تھے۔ رات گئے پڑھائی کے بعد وہ یہاں چائے پینے آ گئے تھے۔ وہ یہاں آتے تو ہواڑی کی دوکان پر رکھے ریڈیو پر ضرور تبصرہ کرتے۔ ہواڑی نے وہ ریڈیو نشانے کے طور پر اب بھی رکھا ہوا تھا۔ جب اس کے باپ نے یہ دوکان شروع کی تھی تب یہ نیا تھا اور اب دوسری نسل تک منتقل ہو گیا تھا۔

”دیکھو ریڈیو خاموش ہو گیا ہے۔ اب پتہ نہیں کس بیٹے پر کون سا اسٹیشن لگے گا؟“ تنویر نے جنتے ہوئے کہا تو! تنے میں چائے آ گئی۔

”چل چھوڑ تو جائے پی۔“

ہالوں نے کہا تو وہ چائے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ وہ چائے پی رہے تھے کہ چاک ان کے قریب ہی ایک پولیس دین آ کرڑکی اور اگلے ہی لمحے اس میں سے چند سہا ہی نکل کر آگے بڑھے۔ ایک سب انسپٹر آگے تھا۔ وہ حیرت سے ساتھ ہی آگے کریم کی دوکان میں گھسے اور جاتے ہی سب انسپٹر کاؤنٹر پر کھڑے آگے کریم والی دوکان کے مالک کو گریبان سے پکڑ کر باہر لانے لگا۔ وہ حیرت زدہ سا کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگا مگر اس نے ایک نہ سنی اور اسے سمجھی کہ دوکان سے باہر نہ آیا۔ اس کھینچا تانی اور مزاحمت میں لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے ہالوں بھی اسی جانب دیکھ رہا

تھا۔ چند لمحے بعد وہ دوکاندار کو تھمت کر سڑک پر لے آئے۔ اس دوران اس پر تھمتروں اور کھولن کی ہارش ہوتی رہی۔ دوکاندار بے چارہ ان سے یہی نہ چھتا رہا کہ قصور تو تائیں مگر سے قصور تو کیا تائیا جاتا اسے غلط کہا گیا بھی دینے لگے۔ ان کے ارد گرد جو لوگ اکٹھا ہونا شروع ہو گئے وہ سب تماشا دیکھ رہے تھے کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ پولیس والوں کا ہاتھ روک سکیں۔ ہمایوں بھی! انہی تماشاخیوں میں شامل تھا جو قورڑے سے فاصلے پر بیٹھا اس دوران دوکاندار کو چٹا ہوا دیکھتا رہا۔ وہ تو جوان بے ذمہ سا ہو کر سڑک پر گر گیا تو ایک سپاہی نے اس کے کپڑے اتارنا شروع کر دیئے۔ انہی لمحات میں نجانے ہمایوں کو کیا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سب اسپیکر کو مخاطب کرتے ہوئے یوں۔

”یہ سراسر لاقانونیت ہے۔ بس کر ڈیہ ظلم مت کرو۔۔۔ کچھ تو اس کی عزت کا خیال کرو۔“

اس کے یوں کہنے پر یکدم سناٹا چھا گیا۔ سب اسپیکر نے اس کی جانب یوں دیکھا جیسے وہ بہت بڑا گناہ کر چکا ہو۔ وہ چہرے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور پھر انتہائی حقارت سے بولا۔

”ارے تو کون ہے جس عزت اور قانون کا سہی پڑھانے والا۔۔۔ پہلے میں تجھے تو بتا دوں کہ عزت اور قانون کیا ہوتا ہے؟“

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک زوردار تھمتروں ہمایوں کے گال پر دے مارا۔ لیکن اس سب اسپیکر کی مدد کے لئے وہ سپاہی لپکے انہوں نے بھی اسے تھمتروں اور کھولن پر رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی غلط ترین گالیوں کا طوق ان کے منہ سے ابلتا رہا۔ ہمایوں نے کسی قدر مزاحمت کی کوشش کی لیکن اس کی پیش نہ پھلی چند ہی لمحوں میں وہ غمگین ہو گیا۔ سب اسپیکر نے اونچی آواز میں کہا۔

”اٹھاؤ ان دونوں کو اور تھانے لے چلاؤ ہیں پوچھتے ہیں۔“

یہ کہتا ہوا وہ یوں میں بیٹھا تو سپاہی نے پہلے دوکاندار کو اور پھر ہمایوں کو دین میں جانوروں کی طرح پھینکا اور انہیں لے کر چل دیئے۔ یہ سب آٹا کا ہوا۔ وہ تو چلے گئے مگر چوک میں سوائے تھمتروں کے اور کچھ نہ رہا اس کے تھمتروں سے بھی نورانی وہاں سے چلے گئے۔

تھانے پہنچتے ہی انہیں سیدھا اس کمرے میں لے جایا گیا جہاں ایک مدغم سائب روشن تھا اور ننگے فرش پر ایک لڑکا اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ دو سپاہی ڈنڈے لے کر اس کے اوپر کھڑے تھے اور ایس ایچ او ایک کرسی پر بیٹھا یہ کارروائی دیکھتا تھا۔ ہمایوں کو یوں لگا جیسے وہ لڑکا بے ہوش ہو چکا ہے۔ وہ اپنے آپ کو پولیس ٹارچر سیل میں پا کر خوف زدہ ہو گیا۔

”تمہیں تو ایک کو لانے کے لئے بھیجا تھا اور تم دو لے آئے ہو۔۔۔؟“ ایس ایچ او نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آئس کریم والا تو یہ ہے۔“ سب اسپیکر نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”۔۔۔ اور یہ دوسرا۔۔۔؟“ ایس ایچ او نے پوچھا۔

”یہ خواہ تو اے کا خدائی نو جدار ہے قانون اور عزت کی بات کرتا ہے۔ میں اسے ذرا قانون اور عزت کا سہی دینے کے لئے لایا ہوں۔“

یہ کہہ کر اس نے مختصر سے انداز میں تفصیل بتادی۔ یہ سن کر ایس ایچ او نے کہا۔

”اسے ادھر بندے اور آئس کریم ہوالے کو لے جا پوچھ اس سے اور بتائے تو اسے بھی لے آؤ۔“ یہ کہہ کر اس نے ہمایوں کی طرف

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

دیکھا اور کہا۔ "کیوں بے تجھے کیوں غارش ہوئی تھی؟"

"میں تو نہیں نے تو صرف۔"

ہایوں نے جھکاتے ہوئے کہا تو فرش پر پڑے ہوئے لڑکے نے خود کو سپرد حاکم کیا۔ وہ جنید تھا، اُس نے ہایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مردہ بن ادئے مرد۔ جو کہا ہے اس پر قائم رہ۔" یہ کہہ کر وہ ایس ایچ او کو غلیظی گالی دیتے ہوئے بولا۔ "چار دن ہو گئے مجھ سے

ایک بات بھی نہیں منوا سکے ہیں۔"

"کیوں بند کر۔" ایس ایچ او رھاڑا۔

"یہ کیوں تو بند نہیں ہوگی تجھے جو اکھاڑتا ہے اکھاڑ لے۔"

جنید نے اجنبائی طرز سے کہا ایس ایچ او رانت نہیں کر رہا گیا۔

"تجھے اگر صبح عدالت میں پیش نہ کرنا ہوتا تو نہیں بنا تا ایک بھی بڑی سلامت نہیں ہوتی تھی۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے دونوں سپاہی کی

خرف دیکھا اور پھر سارا افسوس ہایوں پر اتار دیا۔ جنید اپنے سامنے ہایوں کو بیٹھے ہوئے دیکھتا رہا۔ تھوڑی سی دیر میں ہایوں بے ہوش ہو گیا۔

"ابے ہوش نہیں لاؤ۔۔۔"

ایس ایچ او نے کہا اور پھر سب انسپکٹرز کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی چلا گیا۔ اس وقت صبح کی اذانیں ہونا شروع ہو گئی

تھیں۔۔۔ شاید ہایوں کے جوت کپتے زیادہ لگ گئی تھی! اسے ہوش نہیں آیا۔ سپاہی اپنے طور پر جتن کرتے رہے۔ تھک کر ان میں سے ایک باہر کی

خرف گیا، تھوڑی دیر میں سب انسپکٹرز اندر آیا اُس نے ہایوں کو دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ تب جنید نے کہا۔

"اوائے لے جا اسے ہسپتال ورنہ تیرے گلے پڑ جائے گا۔ بندہ دیکھ کر تو ہاتھ ڈانڈا کر۔"

"بک بک بند کر اوائے۔" سب انسپکٹرز نے کہا اور سپاہیوں کو اب اسے اٹھانے کا اشارہ کر کے خود بھی باہر چلا گیا۔

رات کا آخری پہرہ ختم ہونے کو تھا جب سرکاری ہسپتال میں پولیس وین داخل ہوئی۔ ڈاکٹر والے کمرے کے باہر دھڑے بچہ لینے ہوئے

بوڑھے دارڈیوئے نے سر اٹھایا۔ پولیس وین پر نگاہ پڑے ہی وہ جلدی سے اٹھ کر اس کی جانب بڑھا جہاں وین دین رگ تھی اور دو سپاہی باہر آ

چکے تھے۔ جین وین کی اگلی نشست سے اترتے ہوئے سب انسپکٹرز نے بوڑھے دارڈیوئے سے اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

"ڈاکٹر ہے۔۔۔؟"

"جی وہ ابھی آ جاتے ہیں۔۔۔ آپ حکم کریں؟"

"اوائے جلدی سے بلاؤ بوڈی ایریس مرینٹس ہے۔"

"جی نہیں ابھی لایا۔"

"یہ کہہ کر بوڑھا دارڈیوئے ہسپتال کی کالونی کی جانب تقریباً بھاگتے ہوئے تیزی سے چل دیا۔ سب انسپکٹرز مہلے لگا پھر ملتے ہوئے رگ

کر سہا بیوں سے بولا۔

"دیکھو تو سہمی زندہ ہے یا مر رہا گیا ہے؟" یہ کہہ کر اس نے لٹو بھر کو سوچا اور پھر تیزی سے بولا۔ "بلکہ ایسا کر ڈالے گا لو اور اس بیچ پر ڈال دو۔! سے ہم نے اپنے کھاتے میں تو نمٹیں ڈالنا ہے۔!"

اس کے حکم کے ساتھ ہی سپاہی پھرتی کے ساتھ دین کی جانب بڑھے۔ اگلے ہی چند لمحوں میں ایلیوں کو ٹانگوں اور کانٹوں سے پکڑ کر جانور کی طرح باہر نکالا اور اسے لے جا کر بیچ پر ڈال دیا جہاں پہلے بوڑھا دار ڈبوائے پڑا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد بوڑھے سے دار ڈبوائے کے ساتھ ڈاکٹر نمودار ہوا۔ ان دونوں کے قدموں میں تیزی تھی۔

"کہاں ہے مریض۔؟"

ڈاکٹر نے آتے ہی سب اسپتال کی طرف دیکھ کر پوچھا تو دو کرخت لہجے میں بولا۔

"وہ۔۔۔ اور۔۔۔ بیچ پر پڑا ہے۔" ڈاکٹر نے اس طرف دیکھ کر قدم بڑھانا چاہا تو اسپتال نے مزید کہا۔ "سنو ڈاکٹر ایہ لڑکا ہماری چھترول سے بے ہوش ہوا ہے۔ ممکن ہے اسکا جھجھک چوٹ لگ گئی ہو جسے یہ برداشت نہ کر پایا ہو۔ فی الحال تو بے ہوش ہے مریضی سکتا ہے لہذا ایسی صورت حال میں مدد حاصل کرنا ہے۔ ہم اسے لائے ہی نہیں۔۔۔ اچھی طرح سن لیا ہے؟"

"پہلے مجھے مریض تو دیکھنے دو۔" ڈاکٹر نے قدرے نرمی سے بولے۔

"کہانا دو پڑا ہے۔۔۔ ہم جا رہے ہیں تم اسے دیکھتے رہو۔ بیچ گیا تو اچھا ہے بھگا دینا ہے۔"

سب اسپتال پر کھتا ہوا دین کی جانب بڑھ گیا۔ اس دوران دار ڈبوائے کسی جانب سوئی ہوئی نرس کو بھن آٹھالایا جو آٹھیں ہلتی ہوئی آگئی۔ دین جا چکی تھی اس کی آواز مدہم ہو کر معدوم ہو گئی تھی جب ڈاکٹر اس پر جھکا۔ اس نے بغیر دیکھی چوٹے دیکھے دل کی دھڑکن سنی تو اسے یقین ہو گیا کہ مریض زندہ ہے۔ ان تینوں نے اسے اندر بنشی وارڈ میں ڈالا جس میں سارے دن کی گھنٹی اچھی تک چڑی ہوئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد ایلیوں کو ہوش آگیا مگر یہ ہوش اسے حواسوں میں نہیں لایا۔ وہ خالی خالی ٹکا ہوں سے انہیں دیکھتا رہا تو ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"اسے کبھی پڑا رہے۔" پھر پیڑ پر چھ دو ایلی لکھ کر نرس کو ہاتھ دے بولے۔

"یہ دو ایلیں سٹور سے لے کر اسے دو۔ مین آفس میں ہی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکلا چلا گیا۔

☆☆

انور علی اور اصغر علی دونوں کے بھائی تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک بین تھی صغرا بی بی۔ انور علی اس وقت زیر تعلیم تھا جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا اس طرح تمام تر ذمہ داری انور علی کے کانٹوں پر آ پڑی۔ تھوڑی ہی زمین تھی جس پر کاشتکاری کر کے وہ بہر حال

عشق کا ہے عشق بتا

ایک خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔ بہت مشکل سے انور علی نے میٹرک تک تعلیم حاصل کر لی تو اسے گاؤں سے قریب ہی سکول میں عارضی نوکری مل گئی جس میں نہ صرف وہ پڑھا تھا بلکہ اب اصغر علی بھی پڑھ رہا تھا پھر ان دنوں اس کی نوکری پکی ہو گئی جب اصغر علی پڑھنے کے لئے شہر چلا گیا۔ انور علی نے حریدہ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی کیونکہ گھریلو حالات نے اسے اجازت ہی نہ دی تھی۔ ملازمت اور کامٹھکاری نے اسے کچھ حریدہ سونپنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ جب انور علی انجینئرنگ کا امتحان پاس کر چکا تو انہوں نے مصغراں کی شادی ساتھ والے گاؤں میں کر دی اس کے ساتھ ہی انور علی کو بھی بیاہ دیا گیا۔ اصغر علی کی ملازمت کو ابھی سال بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی شادی بھی شہر کے ایک کاروباری گھرانے میں ہو گئی۔ والدہ اپنے فرانسس سے سبکدوش ہوئی تو اللہ کو پیاری ہو گئی۔

دولت کا ادھار اپنی مخصوص رفتار سے بہتا چلا گیا اور اپنے پیچھے بہت ساری تہذیبیاں چھوڑنا گیا۔ انور علی کے دو بیٹے سعید اور ہمایوں پیدا ہو چکے تھے مصغراں بی بی کا شوہرا سے لے کر برطانیہ چلا گیا اور انور علی نے شہر میں شاندار گھر بنا لیا تھا جس میں اس کے تین بیٹے فخر مسلمان اور مصفیہ بہت پر سکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ شروع میں دونوں بھائیوں کے درمیان بہت پیار اور احترام رہا۔ یہاں تک کہ ہمایوں اور مصفیہ کی منگنی بھین میں ہو کر دی گئی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جب اصغر علی کے پاس دولت آنا شروع ہوئی تو سب سے پہلے زرعی زمین تقسیم ہوئی اور پھر فروخت ہو گئی۔ اس کا اصغر علی کو تو کوئی فرق نہیں پڑا لیکن انور علی کی زندگی مشکل ہوتی چلی گئی۔ وہ زمین کی فروخت سے شہر کے ایک محلے دو سب کے علاقے میں گھر ہی بنا کر پھر ملازمت میں گھر چلانا اور بچوں کو پڑھانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا۔ یوں دن دن انور علی کی دولت میں اضافے کے ساتھ مصغراں کی زندگی تھمیل ہو چلا گیا جبکہ انور علی کے حالات مشکل سے مشکل تر ہوتے چلے گئے مگر اس نے کسی حوصلہ نہیں ہارا۔ بڑا بیٹا انجینئر اور چھوٹا وکیل بننے جا رہا تھا وہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھی ان کی ضروریات کو پورا کر رہا تھا۔ سعید اپنی تقسیم کے لئے لاہور میں مقیم تھا ہمایوں کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر بنے لیکن نجانے کیوں وہ اس کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔ اگرچہ وہ پڑھائی میں تیز تھا تو ذہین اور سمجھدار تھا ہمیشہ اچھے مارکس لیتا رہا تھا لیکن چند برسوں سے نجانے اسے کیا ہوا تھا کہ وہ ضدی اکھڑا اور اپنی مرضی کا مالک ہو گیا تھا۔ انور علی کو سمجھ نہیں آ سکی کہ اس کے سن میں کیا ہے جبکہ اصغر علی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک خوشحال اور بھرپور زندگی گزار رہا تھا دولت نے اس کے گھر کا راستہ دیکھ ہی لیا تھا اوپر سے کاروباری سسرال اس کے سارے کالے دھن کو کاروبار میں لگا کر سفید کر چکے تھے۔ یوں محض دولت کی بنیاد پر ان دونوں بھائیوں کی زندگی میں نہ صرف فرق پیدا ہو گیا تھا بلکہ رشتے داری کا احترام بھی تھمیل ہو چکا تھا اور اس دن تو یہ تعلق تقریباً ختم ہو کر رو گیا تھا جب ہمایوں اور مصفیہ کی منگنی کے بارے میں انور علی کی بیوی نے غیب نے یونہی سرسری بات کی تھی اس پر اصغر علی نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

”بھائی! آج تو آپ نے اس منگنی کے بارے میں بات کر دی ہے لیکن آئندہ اس بات کا ذکر بھی نہیں کرنا اس میں ہی بھلائی ہے۔“

”میں کبھی نہیں۔۔۔؟“ غیب نے حیرت سے پوچھا۔

”اس میں سمجھ نہ آنے والی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ وہ پرانی بات تھی کسی کو کیا پتہ تھا کہ آئندہ حالات کیا ہوں گے۔ اب ہم نہیں اور آپ لوگوں میں انیشس کا بہت بڑا فرق ہے۔ آپ لوگوں کی سال بھر کی کمائی میرے ایک مہینے کی آمدن کے برابر بھی نہیں ہے۔ ہمایوں کیادے کے گئے گا

عشق تو ہے عشق بتا

اے؟ نکالت جتے جتے جتی ہے۔ منی اپنی بیٹی کی زندگی برباد نہیں کر سکتا اس لئے میرا خیال ہے کہ ہمیں اس منگی کے بارے میں بھول جانا چاہئے۔“

”اصغر علی! تم نے کتنے آرام سے رشتے نہ تے قطع کر دیئے ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہو سکتے گا کہ کیا بچوں کو اس تعلق کے بارے میں پتہ نہیں؟۔۔۔ ساری دنیا جانتی ہے۔“

”سارے دنیا کو چھوڑیں بھالی اور بری بچوں کی بات تو ہمایوں ساری زندگی ہماری بیٹی کو وہ معیار زندگی نہیں دے سکتے گا جو اسے سب سے بڑا ہے۔ منی تو کہتا ہوں یہ فضول بحث سب قطع ہو جانی چاہئے۔“

”اس سے دونوں خاندانوں کے درمیان۔۔۔“ نمنب کہتے کہتے رک گئی۔

”پتہ ہے تعلقات قطع ہو جائیں گے۔۔۔ تو ہو جائیں مجھے! انکی پروا نہیں ہے۔“ اصغر علی نے حسی انداز میں کہہ کر گویا بات ہی قطع کر دی۔ اس دن کے بعد ان دونوں خاندانوں میں تعلقات تقریباً قطع ہو کر رہ گئے تھے۔ خوبی رشتوں میں اسٹینس کے فرق نے سرد مہری خلاء کے رکھ دی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ اثر ہمایوں نے لیا تھا۔ اگرچہ اس نے ہس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا لیکن اس کی سوچوں میں بھونچال آچکا تھا۔ منی بچپن ہی سے اس کے ساتھ منسوب ہو چکی تھی اور جتنی عمر کے ساتھ اس نے منی ہی کو اپنے خیالوں اور سوچ کی پنہا بیوں میں محسوس کیا تھا۔ وہ اسے پوری طرح اپنا مان چکا تھا۔ محبت کی کوئٹل پھوٹی تو وہ نہ صرف اس کے من میں پودے کی طرح پھیل چکی تھی بلکہ اپنی خوشبو سے اسے سورا بھی کر چکی تھی۔ اس نے تعلق کے قطع ہو جانے پر احتجاج نہیں کیا تھا بالکل خاموش تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ منی کو حاصل کر کے رہے گا۔ اس کے یقین کی بنیاد اپنے آپ پر اعتماد کی وجہ سے تھی۔ شاید یہ وہی نور تھا جب اس کی محبت نے عشق کی حد میں قدم رکھ دیا تھا۔ کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ اندر ہی اندر اپنے من میں ہجانے کتنے فیضے کر چکا ہے۔ انور علی تو اپنے بچوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی ذہن میں حالات کی منگی میں پس رہا تھا۔

انور علی کے لئے یہ خبر بہت بڑا ہچکاتھی کہ ہمایوں کو پولیس نکال کر لے گئی ہے۔ اگرچہ اسے یہ بتایا بھی گیا کہ ہمایوں بے تصور ہے اس سے محض اتنی ہی غلطی ہوئی تھی کہ سب اسپیکر کو قلم کرنے سے باز رہے کہ کبہ بیٹھا تھا لیکن وہ شخص جس نے ساری زندگی اپنی عزت کے لئے ہی لگ و دو کی تھی وہ اپنی ٹکا ہوں میں آپ ہی گر گیا۔ رات کے پچھلے پہر جب اسے بتایا گیا تھا۔ اس وقت ہی سے وہ شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ گھر میں سوگوار کی چھا گئی تھی۔ اس وقت اڈا میں دوری تھیں جب نمنب نے انور علی سے منت بھرے لہجے میں کہا۔

”جب اس کے دوست کہہ رہے ہیں کہ ہمارے بچے کا کوئی قصور نہیں ہے تو پھر تم کیوں اس طرح سوگوار بیٹھے ہو اور ہم اس کی مدد نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟“

”نمنب! پوری زندگی منی نے تمہیں کیا اور اب۔۔۔“ وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

”تم پتہ تو کرو جا کر۔۔۔“

نمنب نے روتے ہوئے کہا تو انور علی نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا اور بھراؤ بھراؤ لہجے میں کہا۔۔۔

اس وقت سپیدہ سحر نمودار ہو چکا تھا جب انور علی تھانے میں گیا۔ وہاں پر خانہ چھایا ہوا تھا ایک جانب دو سنتری کھڑے تھے اور دفتر میں نشی بیٹا ہوا تھا آہٹ پا کر وہ حجب ہوا تو انور علی نے پوچھا۔

"یہاں پر رات ہا یوں کو لایا گیا تھا نہیں اس کا باپ ہوں۔"

اس کے یوں کہنے پر نشی نے غماز آلود آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور قدرے سوچتے ہوئے بولا۔

"رات دو تین ٹکڑوں کو لائے تو تھے لیکن ان میں کوئی عبا یوں نام کا نہیں ہے۔۔۔ خیر جو بھی ہیں وہ اس وقت حوالا ت میں ہیں۔ وہاں دیکھ لو اگر ان میں سے ہوا تو آ کے بات کر لیتا ہر نہ جاؤ کہیں اور جا کے پتہ کرو۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ پھر سے لیٹ گیا۔ انور علی پلٹا اور حوالا ت کی جانب چلا گیا۔ وہاں چھ لوگ تھے۔ ان میں جنید بھی تھا جو دیوار سے ٹک لگائے بیٹھا تھا۔ انور علی نے سب پر نگاہ ڈالی تو اسے عبا یوں دکھائی نہ گئی دیا جبکہ جنید اس کی جانب بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ چھٹکوں بعد وہ بولا۔

"کس کو تلاش کر رہے ہو بزرگو۔۔۔؟" جنید کے لہجے میں کافی حد تک ملامت تھی۔

"بیٹے! یہاں میرا اشارا ت لایا گیا ہے نہیں نے سنا ہے وہ۔۔۔"

انور علی اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا تو جنید نے پاس پرے لڑکے کو اٹھایا اس نے سر پر سے کپڑا ہٹایا تو وہ اس کرمیم والا تھا۔

"یہ تو نہیں ہے۔۔۔؟" جنید نے پوچھا۔

"نہ نہیں۔ یہ نہیں ہے۔۔۔" انور علی نے تیزی سے کہا۔

"تو پھر وہ دوسرا ہوگا جو خواہ مخواہ اُسے پجاتے ہوئے پھنس گیا۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر اس کرمیم والے سے پوچھا۔ "اوتے"

تیرے ساتھ جو لڑکا تھا گیا تو اُسے جانتا ہے؟"

اس کرمیم والے نے پہلے جنید کو اور پھر انور علی کو دیکھا پھر سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ لڑکا روزانہ جینے پینے آتا تھا اپنے دوستوں کے ساتھ شاید اس کا نام عبا یوں ہے۔"

"اس وقت کہاں ہے وہ۔۔۔؟" انور علی نے جلدی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔۔۔ ان لوگوں نے اُسے بہت مارا تھا وہ برواشت نہیں کر سکا اس لئے بے ہوش ہو گیا تھا۔ میرا خیال ہے وہ اُسے کہیں چھوڑ

آئے ہیں۔"

جنید نے کہا تو انور علی کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ جا ہے جس قدر شرمندگی محسوس کر رہا تھا لیکن آخر باپ تھا اپنے بیٹے کے بارے میں

ایسی بھیا تک بات سن کر اس کا کبھی جھوٹا آگیا تھا۔ وہ تیزی سے نشی کے پاس گیا اور اُسے ساری صورت حال بتائی۔

"اوہ جانتا یار انکس اور پتہ کرو اس کا۔۔۔ حوالا ت میں نہیں ہے تو ہمارے پاس نہیں۔ مجھے اُس کا نہیں پتہ۔۔۔ اب جاؤ میرا سر نہ کھاؤ۔"

نشی نے انتہائی کھردرے انداز میں کہا تو انور علی ہلکی ہو گیا۔ وہ تھانے سے نکل آیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کرے؟ ایسے میں

اُسے یہی سوچا کہ وہ اپنے بھائی اصغر علی کے پاس جائے۔ وہ جیسا بھی ہے اس کی مدد ضرور کرے گا۔ اُس کا بہت زیادہ اثر و رسوخ ہے، اس لئے یہ کام اُس کے لئے اتنا مشکل نہیں ہوگا۔۔۔ اس وقت سورج نکل آیا تھا جب وہ انور علی کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اصغر علی نے ساری رات بہت سکون سے سنی تھی۔ انور علی جب کہہ چکا تو بڑے سکون سے بولا۔

”دیکھیں بھائی صاحب! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن جہاں تک معاملہ ہاپیوں کا ہے، میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا اور پھر یہ پولیس دفتروں کا چکر میرے بس میں نہیں ہے۔“ اس نے صاف اٹار کر دیا تھا۔

”اصغر علی، میرا بیٹا بے قصور ہے۔۔۔“

”اُسے کیا ضرورت تھی کسی اور کے معاملے میں تا تک اڑانے کی؟ اب بھگتے۔۔۔“

”یہی ایک معمولی غلطی ہوئی ہے اُس سے لیکن پولیس کا رویہ دیکھو کوئی بتا ہی نہیں رہا کہ وہ کہاں ہے۔ تم اپنا اثر و رسوخ استعمال کر ڈالو یہی پتہ کر کہ وہ کہاں ہے؟ اس کے بارے میں معلوم تو ہو۔“ انور علی نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہاں میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں گا کہ میرے جاننے والوں کو پتہ چل جائے کہ میرے بڑے بھائی کا بیٹا مجرم ہے، تم نے کچھ پکھڑی میں۔۔۔ کچھ تو ہے جو اسے پولیس پکڑ کر لے گئی ہے ورنہ پولیس دانوں کا سر نہیں پھرا جنہوں کو کچھ کر لے جاتے پھر میں۔ اتنی بھی اندر صبر غمخیز نہیں ہے۔ آپ مان لیں کہ آپ کا بیٹا مجرم ہے اُس نے جرم۔۔۔“

”وہ بے قصور ہے۔“ انور علی نے سختی سے تردید کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں آپ تو کہیں گے آپ کی اولاد بے وہ۔۔۔ بہر حال میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“

اصغر علی نے سرد مہری سے کہا تو انور علی اُس کی طرف حیرت سے دیکھتا رہا۔ جسے اُس نے اولاد کی طرح پالا تھا اُس کے دماغ پر دولت اس حد تک ختم کی صورت چڑھ گئی تھی کہ بھائی کو کچھ پہنچانے سے انکار کر دیا۔ اُسے زندگی میں پہلی بار اتنا شدید دکھ ہوا تھا، تھوڑی دیر تک تو وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا، تبھی اصغر علی نے کہا۔

”مجھے کھل جانا ہے آپ چائے پی کر جائیے گا۔۔۔“

اُس نے جواب کا اظہار بھی نہیں کیا اور اٹھ کر چلا گیا تھا۔ انور علی کی آنکھوں میں بس آنسو نہیں آئے ورنہ اُس کا ذل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ وہ اٹھا اور اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ وہ ناہوسی کی اجبار تھا۔ جب اپنا ہی خون سفید ہو جائے تو پھر کسی سے کیا امید رکھنی جا سکتی ہے؟ اُسے نہ ہاپیوں سے کوئی شکوہ تھا اور نہ اصغر علی سے کوئی شکایت اُسے لگتا تھا تو فقط اپنی قسمت سے جس نے کبھی بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اُس نے ماضی میں جہا تک کر دیکھا شاید کہیں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو جس کی سزا اُسے شری ہو لیکن ایسا کچھ بھی اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔۔۔ وہ اچھائی دلبرداشتہ ہو کر اپنے گھر کی دہلیز تک جا پہنچا۔

☆☆

”جسہیں معلوم ہے تاہم کیوں آئے تھے؟“ سہلی نے بیڈ پر بیٹھے ہوئے کہا تو کالج کے لئے تیار ہوتی ہوئی صفیہ نے کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا۔

”مجھے الہام نہیں ہوتے اور پھر مجھے ضرورت بھی نہیں ہے کہ ان کے بارے میں معلومات لیتی ٹھہروں۔۔۔“

”ار نے بڑی لٹکا تنگ خبر ہے۔“ یہ کہتے ہوئے سہلی نے چائے کا سپ لیا۔

”کیا ہے۔۔۔؟“

صفیہ نے بالوں میں کپکپ لگاتے ہوئے آئینے میں دیکھا اور ہسی لا پر وہی سے پوچھا تو سہلی نے ساری تفصیل بتا دی جس پر تبصرہ کرتے ہوئے صفیہ نے غصت سے کہا۔

”یہ جو غریب غریب ہوتے ہیں تاہم ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی نا آسودہ خواہشوں اور مجبوریوں کے باعث اپنے اندر پیدا ہونے والی محنت کو دور کر سکیں اپنے ملک وہ اپنی اولیات سے بڑھ کر بہت کچھ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انہیں اپنی اولیات پر ہی آنا پڑتا ہے جیسا کہ اس ماہیوں کے ساتھ ہوا ہے۔۔۔ کس نے کہا تھا کہ وہ دوسروں کے معاملے میں ڈنٹ دے؟“

اپنی طرف سے اس نے پورا تجزیہ کر ڈالا تھا جس سے صفیہ کی ذہنی کیفیت کا پھر پورا عازرہ ہوتا تھا۔ اس نے اپنے سراپا آئینے میں دیکھا۔ بلکا سائیک آپ جس میں آنکھوں پر خاص توجہ دی گئی تھی بڑی بڑی آنکھوں میں کامل کی ہلکی سی ذور اور پگلوں کو سکارے سے چھایا ہوا تھا۔ کس کر بانہمی گئی چوٹی بلکے زور صیاریک کے ٹاپس اور گلابی گداز ہونٹوں پر ہلکا سا لپ لاپ لپ لپا ہوا تھا۔ مطمئن سی ہو کر اس نے آئینہ گلے میں ڈالا اور سائیز ٹیبل پر دھری کتابیں اٹھا کر بیگ پر رکھنے لگی۔

”ویسے بڑے عرصے بعد انہوں نے ہمارے ہاں چکر لگایا ہے۔“ سہلی اپنی ہی ذہن میں کہے جا رہی تھی۔

”مجبوری تھی تاہم زندہ کیوں آتے؟“ صفیہ نے بیگ کا ندر سے پوچھا۔

”ویسے ہمایوں دیکھنے میں بڑا نہیں ہے۔ ٹھیک ٹھاک ہے بیٹا سمجھنا ہے بات کرنے کا بھی اس سے سلیقہ ہے۔ بس یہ۔۔۔“

”۔۔۔ دولت نہیں ہے۔“ صفیہ نے اس کی بات کا نئے ہوئے کہا۔ ”سہلی! یہ دولت آج کی حقیقت ہے۔ اگر ان کے پاس بھی روپے

کی ریل ٹیبل ہوتی تو ہمارے گھر مدد کے لئے نہ آتے فوراً ہی روپیہ خرچ کرتے اور اسے چھڑا کے لے آتے اور بات کرنے کا سلیقہ ہوتا نہ تو یہاں مار کھاتا۔۔۔؟“ صفیہ نے نظریا نداد میں کہا۔

”اگر اس کی تمہارے ساتھ شادی ہو جاتی۔۔۔“

”ایسا خواب نہیں بھی نہیں سوچ سکتا وہ۔ میرا باپ سلامت رہے میرے سر پر وہ ہمیں اتنا خرچ دیتا ہے جو اس نے اب تک دیکھے بھی نہیں

ہوں گے۔ پھر ان کے اور ہمارے اٹلیٹس کا بہت فرق ہے۔ وہ تو مجھے وہ سہولیات نہیں دے سکتا جو مجھے یہاں میسر ہیں۔۔۔ نہ میں اس کے ساتھ

ہو کون نہیں رہ سکتی اور پھر مجھے وہ پسند ہی نہیں ہے۔ میں ایسا سوچ ہی نہیں سکتی۔“

”یہ ایک بات ہے۔“ سلسلی نے کہا جانا تو منیہ جلدی سے بولی۔

”سلسلی! یہ تم صبح صبح کیا قصہ لے کر بیٹھ گئی ہو۔ مجھے کالج جانا ہے ابھی نہیں نے ناشتہ بھی کرنا ہے۔ چھوڑ دو ان فضول لوگوں کی بات۔“

اس کے یوں کہنے پر سلسلی نے شاکی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور کپ میں پڑی ہوئی چائے ایک ہی گھونٹ میں پی گئی۔ منیہ کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

☆☆

جس طرح ہماری ذم توڑتی سماجی قدروں نے انسانی جذبات و احساسات کو پامال کیا ہوا ہے، ٹھیک ہی طرح خود غرضی کی ہوائے ماحول کی خونخواری کو زیر آلود کر کے رکھ دیا ہے۔ راجیلہ کا حسن بھی اس کے لئے عذاب بن گیا تھا۔ مگر کرب لینے کے بعد جب اس نے نرسنگ سکول میں داخلہ لیا تھا تو اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کن لوگوں میں جا رہی ہے۔ مسیحائی کے اس مقدس پیشے سے متعلق لوگوں کی رائے کیا ہے۔ وہ ایک نرس کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ اسپتال کے اندر وارد ہونے سے لے کر ڈاکٹر تک کیسے کیسے مردوں سے سا جھ پڑتا ہے۔ اسے تو یہ خبر بھی نہیں تھی کہ ایک نرس کسی مریض سے تنگ نہیں ہوتی بلکہ مریض کے لواحقین سے وہ زیادہ دل برداشتہ ہوتی ہے۔ راجیلہ کو احساس تو ایسی وقت ہونا شروع ہو گیا تھا جب اس نے اسپتال میں ڈیوٹی دینا شروع کر دی تھی۔ ایک عجیب عدم تحفظ والا ماحول اس کے ارد گرد بن گیا تھا۔ ہسپتال کے اندر ہوتی تو چند سینئر نرسوں کا اس کے ساتھ بڑا پائپر اصرار تھا کہ یہ تو ہوتا ہی ہے اس کا بہت زیادہ ہی خیال رکھا جا رہا ہو۔ اسپتال میں ہوتی تو سناتے ہوئے فحشے بدن میں جمبہ کر دینے والے نگاہیں اور سوتیلے جذبات کا اظہار اس کی سوچوں میں زیر مہر دیتا جس سے وہ نہ صرف ہمیشہ بے چین اور مضطرب رہتی بلکہ نامعلوم خوف اسے ہر وقت گھیرے میں لیے رکھتا۔

سلگتے چہرے

خوبار یہ ساحر کے جذبات نگار غم سے ایک خونخواری ناول۔۔۔ ان سلگتے چہروں کی کہانی جن پر سنی آنکھوں میں انتظار کا عذاب لودے رہا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کی داستان حیات جسے اپنے خواہوں کو کچل کر میدان عمل میں آنا پڑا۔ اس کے نزل نکل جذبوں پر فرض کا تاگ بھین کا زخمہ پیشا تھا۔ اس لئے محبت کو جانچنے پر کتنے کفن سے وہ ڈانٹا تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود دل کے دیرانے میں کہیں ہلکی ہلکی آنچ دینا محبت کا جذبہ ضرور موجود تھا۔ وہ جو سائے کی طرح قدم قدم اسکے ساتھ رہا اس پر بیٹھے والی ہر اذیت کو اس نے بھوگا۔ وہ ادھوری لڑکی اسے جانے اور بچانے کی کوشش میں لگی رہی۔ مگر وہ عکس کبھی پیکر بن کر اسکے سامنے نہیں آیا اور جب وہ سامنے آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی؟؟

یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی پر ماحول بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے لیکن انسان کسی بھی ماحول کا حصہ اس وقت بنتا ہے جب وہ اس ماحول کو قبول کر لے اور نہ مگر اندر سے ماحول سے رہے تو تذبذب اور خوف اسے قبولیت سے پرے رکھتا ہے۔ راحیلہ بھی شاید اس ماحول کا حصہ بن جاتی لیکن اسے اپنی دیکھ ماں کا آنسوؤں بھرا چہرہ ہمیشہ یاد رہتا، جس نے شہر جاتی ہوئی راحیلہ سے صرف اتنا کہا تھا۔

”ہی! اتیری ماں نے عزت سے زندگی گزار دی ہے بس میری اس عزت کی لائق تیرے ہاتھوں میں ہے۔“

اسے نہ اپنی ماں کا چہرہ بھولا اور نہ وہ دردمنرا لہجہ سبھی اس کی ذہن میں گمنے اور نہ غریب گھروں سے آئی ہوئی معصوم نوجوانوں اور نوجوانوں کی آنکھوں کی لہجہ بھول جاتی لیکن جب بھی کبھی ایسا ہوا اس کا دل لگتا ہے جیسے اس نے اپنے شہر کی تازگی میں رہتے ہیں۔۔۔ ممکن تھا کہ سبز باغ اور لالچ کی جوتلف واضح کر دیتی۔ وہ بھی انہی لڑکیوں میں سے تھی جنہیں اپنی عزت و عصمت کا پاس ہوتا ہے اور وہ ماحول کی آلودگیوں سے ڈر رہنے کی حتی المقدور کوشش کرتی ہیں۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے دکھ کا مداوا تھیں۔ اگر وہ دل کر خوش ہوتی تھیں تو آنسو بہانے میں بھی شریک رہتی تھیں یوں ان کی ٹریفک کا آخری سال آ گیا تھا۔ اسی سال راحیلہ کا سامنا ڈاکٹر جمیل جیسے شخص سے ہوا جس نے اسے اپنی اذیت میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اوجیز عمر پرانا دکھاری تھا جسے دکھ کو تھکا کر مارنے میں مزہ آتا تھا۔ وہ اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ راحیلہ جو اب تک ماحول سے عزت کرتی تھی آری تھی ڈاکٹر جمیل کے سامنے آ کر اسے یوں لگا جیسے اس کی ساری توانائی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ رسائی اور پہنچ والا بندہ تھا اور نہ ہر بار اس کی ڈیوٹی اسی ڈاکٹر کے ساتھ نہ لگتی اس نے بہتری کوشش کی اپنی ہر فنڈمنٹ سے بھی کہا لیکن اس کی کسی نہ سنی۔ ہمیشہ اس کی ڈیوٹی ڈاکٹر جمیل کے ساتھ لگ جاتی جس کی توجہ مریضوں پر کم اور اس پر زیادہ رہتی جبکہ راحیلہ اس سے شدید نفرت کرتی تھی۔

”اب اٹھ جا نسرین! ڈیوٹی شروع ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے۔“ راحیلہ نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

”اڈیا راجیج صبح کی ڈیوٹی بھی ہے۔۔۔۔۔“

یہ کہتے ہوئے نسرین نے مہر پور انڈرائی لی پھر اٹھ کر تیزی سے تیار ہونے لگی۔ دونوں ناشتہ کرنے کے بعد جب ہسپتال کی جانب چلیں تو ڈیوٹی کا وقت ہو چکا تھا۔ دونوں تیز تیز جاززی تھیں کہ چاک نسرین نے کہا۔

”آج پھر انٹرنسٹوں کا پیرہ دیکھنا پڑے گا تمہیں۔“

”اس ڈاکٹر کا۔۔۔؟“ اس نے خیالوں میں کھوئے ہوئے کہا پھر گہری سنجیدگی سے بولی۔ ”ارے وہ تو اب معمول بن گیا ہے لیکن جب

سے منہ نے چید کو دیکھا ہے تا تو پتہ نہیں کون مجھے اپنا آپ بدلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔“

”ہائیں۔۔۔ آج صبح تو ایسی کوئی بات نہیں تھی؟“ نسرین نے حیرت سے پوچھا۔

”کل ہی سے نہ صرف مجھے آدیا ہے بلکہ بہت حوصلہ ملا ہے۔ میں وہ راز جان گئی ہوں کہ نرے سے نرے ماحول میں بھی خود کو کیسے

پھایا جاسکتا ہے۔“

”خدا کرے۔“

نسرین نے کہا اور پھر دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے وارڈز کی جانب چل دیں۔ راحیلہ خود میں بہت اطمینان اور حوصلہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ جس وقت ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچی تو اس کی ساتھی نرہیس بھی آچکی تھیں جبکہ ڈاکٹر کی میز پر ڈاکٹر جمیل بر اعجاز تھا۔ وہ شاید اسی کے انتظار میں تھا۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی اس نے بڑے ہی پیار سے کہا۔

”راحیلہ! اوہ آ جاؤ اور تازہ کر لیٹ کیوں ہو گئی ہو۔“

اس کے لہجے میں ملامت کی ٹی خوشامدھی جس پر راحیلہ چند لمحوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچتی رہی پھر لفظوں کو چباتے ہوئے بولی۔

”سنو ڈاکٹر! میں اب تک تمہاری بہت زیادہ کوشاں ہو چکی ہوں لیکن اب نہیں۔ اب اگر تم نے میرے سامنے کوئی بیہودہ بات کی تو تمہارے دانت تو زردوں گی۔ کبھے تم۔“

اس نے کہا تو کمرے میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ اس کی ساتھی نرہیس بھی حیرت زدہ سی خاموش ہو گئیں۔ راحیلہ نے کسی کی پروا نہیں کی اور اپنی کرسی پر جا بیٹھی۔ ایسا کہہ کر اسے کوئی پشیمانی نہیں بلکہ روحانی آسودگی ملی تھی۔ وہ نہ سکون ہو گئی تھی۔ اس نے یہ دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی کہ ڈاکٹر جمیل کا چہرہ کس قدر مسخ ہو گیا ہے؟

☆ ☆ ☆

ہالوں کی جب آگھ کھلی تو پہلے اسے کچھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے؟ دیر دیر سے جب شعور نے اس کا ساتھ دیا تو اسے کچھ آنا شروع ہو گئی۔ چاک آئس کریم والا سب انسکریپٹس ہی تشدد و تھانہ اسے سب یاد آ گیا۔ پھر اسے ہوش نہیں رہا تھا۔ اس نے اپنے ارد گرد دیکھا۔ خاکروب کمرے کی صفائی کر رہا تھا۔ بھی وہ پوچھ گیا کہ وہ ہسپتال میں ہے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو پورا بدن عیسوں میں بدل گیا اس کے منہ سے کراہ نکل گئی اور وہ پھر سے بیٹھ پڑا میر ہو گیا۔ اسے لگا جیسے وہ پھر ہوش ہونے کو ہے۔ خاکروب نے کراہی تو جھاز دیکھ کر تار بند کر دی اور اس کی طرف لپکا۔

”ڈاکٹر کو بلاؤ پلیز۔۔۔!“ اس نے بمشکل خاکروب سے کہا۔

”اس وقت تو کوئی بھی نہیں ہے جی۔“ وہ بولا۔

”کسی نرس ہی کو بلا دو۔“ ہالوں نے کراہتے ہوئے کہا۔

”اچھا میں دیکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہی رات والا ڈاکٹر آ گیا اس کے ماتھے پر تیرہ پانچ پڑی ہوئیں تھیں۔ اس نے ہالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”بولو کیسا محسوس کر رہے ہو۔۔۔؟“

”ڈاکٹر! میرا پورا بدن — دکھ رہا ہے اور —“

”دیکھو اگر تم اپنا بیان یہ دو کہ تمہیں کسی گاڑی دھیرہ کے ساتھ حادثہ پیش آ گیا ہے تو میں ابھی تمہیں ایڈمٹ کر لوں گا اور تمہارا علاج بھی

ٹھیک ہو جائے گا۔“

”لیکن ڈاکٹر! مجھے تو پولیس نے —“

”ہاں یوں نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”اسے بھول جاؤ۔“

”کیسے بھول جاؤں —؟“ اس نے احتجاجاً کہا۔

”تو پھر سوری۔۔۔ میں تمہاری وجہ سے اب تک یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ تم اب تک یہاں درج نہیں ہو چکا پڑے گا تمہیں اور نئی شفٹ کے

لوگ تمہیں قبول نہیں کریں گے اب تمہارا جو فیصلہ ہو۔“

ڈاکٹر نے اشارے میں اسے اپنا مدعا کہا تو ہاتھوں میں پڑ گیا۔ پھر دیر سے سے پوچھا۔

”مجھے یہاں کون لایا تھا۔۔۔؟“

”دو لوگ تھے وہ تمہیں یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ انہوں نے اپنا نام پتہ بھی نہیں بتایا۔“ ڈاکٹر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب ہے ڈاکٹر! آپ بھی مجبور ہو چکے ہیں بول سکتے۔۔۔ خیر ابھی میں اس قدر ٹوٹی پھوٹی حالت میں گھر نہیں جانا چاہتا۔ آپ

مجھے ایڈمٹ کر لیں۔“ ہاتھوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ یہ کہہ کر اس نے کلب بورڈ اس کے سامنے کر دیا۔“ یہاں دستخط کرو۔“

ہاتھوں نے دستخط کر دیے تو ڈاکٹر نے ایڈمٹ سلب بنا دی اور چلا گیا۔

اسے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ ہاتھوں کو ڈرپ لگ گئی تو دوسروں نے لگا لگا کر نہیں کس طرح کے معاشرے میں رہا ہوں۔ کیا یہ انسانوں کا

معاشرہ کہنا ہے؟ طاقت کا قانون تو جنگ میں ہوتا ہے تو کیا ہماری شہری آبادیاں بھی جنگ میں جگتی ہیں؟ بلاشبہ جرائم پیشہ لوگ کسی

بھی معاشرے کے لئے ناسور ہوتے ہیں لیکن کیا ہم نے بھی غور کیا کہ معاشرے میں وہ کون سے عناصر ہیں جو مجرم پیدا کر رہے ہیں؟۔۔۔ جہاں

خوف ہو وہاں اعتماد نہیں ہوتا اور جہاں ظلم ہو وہاں بے عدالت ضرور جنم لیتی ہے۔ ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ قانون نافذ کرنے والے ادارے ہی جب

قانون شکنی پر اتر آئیں تو اس معاشرے کا اللہ ہی حافظ ہوتا ہے تب اس معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ سلسلوں تک جا پہنچتی ہے پھر وہاں اخلاقی قدروں

پر ماتم بے کار ہوتا ہے۔

ہاتھوں کی دشمنی رو ہاں طرف بہ لگی تو اسے اپنا خون کھوٹا ہوا محسوس ہوا۔ بے بسی میں انسان فقط اپنے آپ ہی کو جلا سکتا ہے۔ اس نے

ان سارے خیالات کو جھٹک دینا چاہا لیکن دماغ تو کبھی کسی وقت بھی سوچ سے خالی نہیں رہ سکتا۔ اس نے بساط ذہن پر سے مہرے ہٹا دیے تو دماغ

عشق تھا ہے عشق بنا

نے سوچوں کا نیا کھیل کھینے کے لئے پھر سے صبر سے سہا شروع کر دیئے۔ اس کی سوچوں پر صفیہ حاوی ہو گئی تھی جسے اس نے بچپن ہی سے چاہا تھا۔ اسے اگر صبر سے ہارے سن پتے چلے گا تو اس کا ریڈمپشن کیا ہوگا۔ کیا اس نے قومزادہ بہت دکھ محسوس کیا ہوگا یا پھر اسے مطمئن ہی نہیں کہ نہیں کس حال میں ہوں؟ صفیہ کا خیال آتے ہی اس کے ذہن میں یہ سوال گونجنے لگے تھے اور ان کا جواب بھی اسے معلوم تھا۔ اسے پتہ تھا کہ اس کا نہ کوئی ریڈمپشن ہوگا اور نہ ہی اسے کوئی دکھ محسوس ہوا ہوگا۔ بچپن میں اگر وہ ساتھ کھیل لیتے تھے تو وہ ان کے بھولپن کا ذور تھا لیکن بڑھتی عمر کے ساتھ وہ اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ اس میں ان کے خاندانوں کے درمیان دوری بھی وجہ تھی جو دیر دیر سے پیدا ہو چکی تھی لیکن اس کے دل سے صفیہ کو نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر نئے دن کے ساتھ اس کی محبت دل میں بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ دو سال قبل جب انہوں نے عقیقی سے بھی انکار کر دیا تھا اس وقت سے انہوں نے صفیہ کا حصول اپنا مقصد بنا لیا تھا۔ اسے ان ساری مجبوریوں کا علم تھا جن کے باعث ان کے خاندانوں میں ذوریاں پیدا ہوئی تھیں مگر وہ بے بس تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی تھی کہ قومزادے سے وقت میں ڈیر ساری دولت کس طرح کمائی جاسکتی ہے۔ وہ جب بھی سوچتا اس کا ذہن جرائم کی طرف جاتا تھا۔ وقت میں ڈیر ساری دولت تو سیدھے سے سے نہیں کمائی جاسکتی تھی۔ انہی سوچوں کے دوران اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جرائم کی دنیا میں بھی قسمت جب ساتھ دے تو ہی بندہ کامیاب رہتا ہے ورنہ ساری عمر جیل کی سزاؤں میں گزارنا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

ہاہوں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ حقیقت پسند تھا اور خیالی دنیا میں رہنے والا بندہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اور وہاں جی بٹانے کے لئے قسمت نہیں بلکہ بندے کی اپنی قوت امدادی کام کرتی ہے۔ پتہ نہیں کہ وہ ٹھیک تھا یا غلط اسے ابھی دنیا کا تجربہ ہوا تھا یا نہیں لیکن اس کا دل کہتا تھا کہ وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے لیکن اس کے لئے انتظار کرنا ہوگا کہ صحیح وقت اس کے ہاتھ لگ جائے۔ شکاری اس وقت ہی شکار کر سکتا ہے جب وہ صبر اور تحمل سے کام لے ورنہ جلد بازی میں نہ صرف شکار ہاتھ سے نکل جاتا ہے بلکہ بھت بھی انکار ت جاتی ہے۔ شکاری کا یہ ہی منہ ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک وقت پر شکار پہ ہاتھ ڈال دے۔ ہاہوں کو یہ ساری باتیں معلوم تھیں اور وہ چاہتا بھی تھا کہ یہ سارے منہ سے آ جائیں لیکن صفیہ اسے پھر بھی بہت دور دکھائی دے رہی تھی۔ انہی لحاظ میں جبکہ صفیہ اسے اپنی دسترس سے ذور نظر آتی اس کے اندر جولانی بھر جاتی وہ کچھ نہ کچھ کرنے کو بے تاب ہو جاتا۔ ایک شہر تھی جس سے وہ بے حال ہو جایا کرتا تھا۔ اس کیفیت میں کیا کچھ نہیں تھا اسے کچھ نہیں آتی تھی مگر کچھ کر دکھانے کا عزم اس کے روم روم میں سما جاتا تھا۔

ایسے وقت میں جبکہ وہ اپنی ہی سوچوں سے اذیت میں مبتلا تھا اسے وارڈ کے داخلی دروازے پر اپنے دوست و سیم کا چہرہ دکھائی دیا جو حلاشی نگاہوں سے برہنہ ہو کر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہ ہاہوں پر پڑی تو وہ تیر کی طرح اس کی جانب آیا۔ وہ اس کی حالت دیکھ کر قدرے حواس ہنستہ ہو گیا۔

”تم۔۔۔ تم خیریت سے تو ہونا؟“ وسم نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں ہنس کوئی بڑی نہیں ٹوٹی ہائی سب خیریت ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہاں۔۔۔ تمہیں کون۔۔۔ خیر نہیں ابھی آتا ہوں۔ نہیں تمہارے گھر فون کر کے بتا دوں کہ تم مل گئے ہو۔ وہ بہت پریشان ہو رہے

ہیں۔“

دسم یہ سنتے ہی پلٹ گیا اور ہالوں کو احساس ہوا کہ اس کا باپ اسے تلاش کر رہا ہوگا، مگر کتنی پریشان ہوئی۔ وہ آئندہ آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا واقعی وہ ان کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکے گا؟ جس طرح اس کا باپ کہتا ہے زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ کیا ایسا ہی ہوگا؟ اس نے خود سے سوال کیا، جس کا تاویر اسے جواب نہ مل سکا تو اس نے ساری سوچیں ذہن سے نکال دیں وہ سوچتا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت اسے یوں محسوس ہوا ہاتھ کہ جیسے وہ زمین پر بیٹھنے والا وہ کیڑا ہے جسے سب حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ مایوس ہو چکا تھا خود سے نہیں بلکہ اپنے ماحول، معاشرے اور دنیا سے۔۔۔!

☆☆

اس وقت سورج خاصا چڑھا آیا تھا جب حوالات کا دروازہ کھلا۔ اس میں دیگر قیدیوں کے ساتھ جنید کو بھی باہر آنے کا اشارہ کیا گیا وہ اٹھا اور حوالات سے باہر آ گیا۔ ان سب کو تھانے کے احاطے میں نہ صرف جمع کیا جا رہا تھا بلکہ جھکریاں بھی لگائی جا رہی تھیں۔ اس کی سلامت خان گہری لگا ہوں سے سب کو دیکھ رہا تھا، سبھی جنید کو بڑی ڈالی جانے لگی تو وہ ہنس کر بولا۔

”کیوں سلامت خان! اپنے باپ کے سامنے پیش کرنے لے جا رہا ہے کیا بتائے گا اے۔۔۔؟“

”کم از کم دن کار ریاضتوں کا۔۔۔“ اس نے گہری عیندگی سے کہا۔ ”جب تک تو اپنے سارے بہنوئوں کے بارے میں نہیں بتائے گا“ اس وقت تک۔۔۔!

”میں نے کب تیری بہن کو چھیڑا ہے اور چھیڑنے پر تو اتنے دن کا ریمارک نہیں دیتا۔۔۔ کچھ اور ڈالا ہے ایف آئی آر میں۔۔۔؟“ اس نے ہنسنے شروع کیا۔

”تو آج وہاں آ جا پھر دیکھتا ہوں تو کیسے ہو سکتا ہے۔“

سلامت خان نے اسے نظر انداز کیا اور دوسرے ملازموں کی جانب متوجہ ہو گیا۔ جنید نے ایک عمر پوز قبضہ لگایا جیسے یہ اس کی پہلی فتح ہو۔ نجانے کیوں انہی لمحات میں اسے وہ نرس یاد آ گئی جس کے ایک فخر سے نے اس میں زندگی بھر دی تھی۔ وہ خاموش ہو گیا جیسے وہ اس ماحول ہی میں نہ ہو۔

احاطہ عدالت میں جب ملازموں کی گاڑی داخل ہوئی تو جنید کو ڈوری سے اپنے کچھ ساتھی دکھائی دیئے۔ اسے حوصلہ ہو گیا کہ وہ اکیلا نہیں ہے اس کو سنبھالنے والے موجود ہیں۔ گاڑی ایک جگہ رُک گئی اور ہاری ہاری ملازم نیچے اترنے لگے۔ ایسے میں جب جنید اتر تو اس کے ساتھی قریب آ گئے تھے۔ چار سپاہی اس کے ارد گرد تھے۔ وہ ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا سلامت خان ان کے پاس تھا کہ وہ بندے اس کے قریب آ گئے۔

”اوشنراہ آ گیا۔۔۔ اتنا زور نہیں لیا ہے۔“

ایک نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ وہ جنید کے گلے ملتا جاتا تھا کہ سلامت خان نے روک دیا۔

”اوتے کون ہے تو؟۔۔۔ چل بہت۔۔۔“

"اوائے سلامت خان! شاید تو مجھے جانتا نہیں ہے۔ میں نے اپنا نام بتایا تو یہ تیری چیٹ گیلی ہو جائے گی۔ تو اس کا ریٹائرمنٹ لینے آیا ہے نا لیکن میں اسے اپنے ساتھ لے کر جانے کے لئے آیا ہوں۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سلامت خان چوکتا ہو گیا وہ کوئی حکم دینے والا ہی تھا کہ وہ شخص بولا۔ "کچھ بھی کہنے سے پہلے اپنے بیٹے کا درمیان کر لینا۔ وہ گرانٹر سکول میں پڑھتا ہے تا اس وقت وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا ہے۔ کیا اس کی سلامتی نہیں چاہو گے؟"

اس شخص نے کہا تو سلامت خان کا رنگ اڑ گیا۔

"یہ کیا ہو اس کر رہے ہو تم۔۔۔؟" وہ چیخا۔

"میرے ساتھ زبان سنبھال کر بات کرنا۔۔۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے چینی کی طرف دیکھا اور بولا۔ "خیر میں اپنے شہزادے کو بھگا کر نہیں لے جاؤں گا۔ اس کی ضمانت کرواؤں گا۔ لگژر کر تیرے قانون کے مطابق سارا کام ہوگا۔۔۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" سلامت خان نے کھردرے نیچے میں کہا۔

"کیوں نہیں کر سکتا؟ قانون تیرے باپ کا ہے کیا؟۔۔۔ تو نے چار دن بغیر پرچہ کانے اسے جس بے جا میں رکھا اس پر تشدد کیا۔ یہ قانون کے مطابق تھا؟۔۔۔۔۔ جس پر یہ نہیں چاہا کہ کہاں ہے اور نسا سے اب تک لے گئے ہوتے۔"

"بھروسوں سے اس طرح ہی بچنا جاتا ہے میں چاہوں تو ابھی۔۔۔"

"کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ یہ جان لو سلامت خان! اس اندھیر مگری میں اگر تم لوگ سن مانی کر سکتے ہو تو ہمیں کون روک سکتا ہے؟۔۔۔۔۔ جرم کہاں سے پھوٹ رہا ہے تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔۔۔۔۔"

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ جاؤ، بٹھو یہاں سے۔" سلامت خان نے کہا۔

"نہ ایسے نہ کہو! سے آرام سے ناشتہ کر لینے دو۔" اس نے فراتے ہوئے کہا۔

"میں امید رکھوں گا کہ تم۔۔۔"

"کچھ نہیں کریں گے ناشتہ کروائیں گے۔ جب تم اسے پیش کرو گے تو ضمانت ہو جائے گی۔ بس اتنا سا کام ہے۔۔۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا تو سلامت خان وہاں سے بچھڑ دیا۔ تب وہ شخص چینی کی جانب مڑا اور ہنستے ہوئے بولا۔ "فکر نہ کر شہزادے! ابھی ضمانت ہو جائے گی ہر ایک کے سامنے بڑی بڑی بیٹگی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اشارہ کیا تو ایک شخص پولی میں بندھا ہوا ناشتہ لے آیا۔۔۔۔۔

پھر چینی کی ضمانت ہو گئی۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام تھا لیکن ہو گیا تھا۔ وہ احاطہ عدالت میں بغیر جھکڑی اور بیڑی کے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھی غائب ہو چکے تھے جاتے ہوئے انہوں نے اس کے کان میں پھونک مار دی تھی کہ اسے کہاں آنا ہے؟ اس کا اپنا تو کوئی تھا نہیں جس کے پاس وہ جاتا۔ اس نے ایک لمبی اور مرد آہ بھری مختاطہ لگا ہوں سے ارد گرد دیکھا اور ایک طرف چل پڑا۔ وہ پوری دنیا میں تباہ تھا۔

جنید ایک عام سے کاروباری گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ دو بھائی اور ایک بہن کے بعد سب سے چھوٹا تھا اس لئے والدین کی طرف سے اسے لاڈ اور بھی بہت ملا تھا۔ بچپن ہی سے وہ بہت شرارتی اور ذہین واقع ہوا تھا۔ برکات میں بہترین نمبر لے کر کوئی نہ کوئی پوزیشن ضرور حاصل کرتا تھا۔ ان کے گھریلو حالات نہ اتنے تنگ تھے کہ ضروریات کو ترسے اور نہ ہی اتنے کشادہ تھے کہ فضول خرچی کر سکتے۔ انہی حالات میں دو چہتا بڑھتا کالج میں آ گیا۔ یہیں پر اس کی ملاقات مذہبی تنظیم کے ان لوگوں سے ہوئی جو بہت شدت سے کام کرتے تھے۔ جنید ان کے لئے ایک اچھا کارکن ثابت ہوا اس لئے اس پر محنت بھی بہت کی جانے لگی یہاں تک کہ جب دو سال چارم میں آیا۔ اس وقت تک پورا کالج اس کے نام سے خوف کھانے لگا تھا۔ مذہبی تنظیم میں اس کا نام تھا نیکن اس کے گھروالوں نے اسے پوری طرح بے دخل کر دیا تھا جس کا اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ اس کا یقین تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے۔ کبھی کبھار اسے اپنا گھر، بہن بھائی اور والدین یاد آتے تو اس کا دل بھرا نہ لیکن ایسے وقت میں اس کا مقصد اس کے سامنے آ جاتا جس کی خاطر اس نے اپنی جان اٹھیلی پر رکھی ہوئی تھی۔ چند جمع کرنے سے لے کر تہہ کون کے دفاع تک جو بھی اسے ذمہ داری دی جاتی وہ پوری جان سے نبھانے کی کوشش کرتا۔ اسے یہ یاد کرایا گیا تھا کہ اگر اس راہ میں جان بھی چلی جائے تو وہ جنت کا حقدار ہوگا۔ اس لئے وہ بڑی ثابت قدمی سے اس راہ پر چلتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ اب وہ ان افراد میں شامل تھا جو کسی بھی معاملے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے کے مجاز تھے۔ ایسے میں قانون نافذ کرنے والے ادارے ان سے غافل نہیں تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ معاملے میں کون سی سرگرمیاں کن کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ جرائم کی جزیں ہمارے معاشرے کے اندر ہی ہوتی ہیں۔ یہیں پھنسی چھوٹی اور گہری ہوتی ہیں۔ کسی بھی پھونسنے والی کو پھنسل کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زمین سے باہر ماحول کیسا ہوگا۔ اسے کسی ہوا طے کی اور کس فخر کی روشنی میسر آئے گی۔ اگرچہ جنگلی تصویر کی کا ہنا ایک فلسفہ ہے جو تجربات کی بنیاد پر درست ہے لیکن بہت سے بیج جو ہر آلود نہیں ہوتے جب وہ پودے بنتے ہیں تو بادِ موسم انہیں نہ صرف زہر لانا دیتی ہے بلکہ ان کا پھل بھی زہر بھرا ہوتا ہے۔ اس میں اس بیج کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ جس فخر کسی کیمیکل فیکٹری کا فاضل مواد زمینوں کو تخریب دیتا ہے اسی طرح ہمارے معاشرے میں ایسے نظریات بھی ہیں جو زمینوں کو بھی بخر بنا دیتے ہیں۔ جب معاشرے میں انصاف نہیں ہوتا ملاحظہ تو ری حکومت چنتی ہے تو ہر کسی کو اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ یہی ماحول معاشرے میں انتشار ہے سکونی اور بے راہ روی کا باعث بنتا ہے۔ اس میں تصور کسی کا نہیں ہوتا لیکن ذرا سا گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو ساری بات سمجھ آ جاتی ہے اور یہ الگ بات ہے کہ کوئی دیکھتے ہوئے بھی اندھا بن جائے۔ سب کچھ اس کی نگاہ کے سامنے ہو کر اس میں دیکھنے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔

جنید احاطہ عدالت سے باہر آ گیا تھا۔ وہ گھڑ سوچ رہا تھا کہ کدھر جائے؟ جہاں اسے جانے کا بتایا گیا تھا وہاں وہ فوراً ہی نہیں جاسکتا تھا۔ تمہی اس کے ذہن میں اس نرس کا خیال آیا کہ کیوں نہ اس سے ملا جائے لیکن اگلے ہی لمحے اسے اپنی سوچ پر تہمت ہوئی۔ وہ ایسا کیوں چاہتا ہے؟ کہاں وہ اور کہاں نرس۔۔۔؟ اسے خود پر افسانے آئی اور ایک جانب چل دیا۔ اسے اپنے ایک پرانے دوست کا خیال آ گیا تھا جو کم از کم ایک دن اسے اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔

☆☆

شام ڈھلے کوئی سورج کاغسی کے تعال جیسا رہتا تھا۔ پلکے پلکے ہادل تھے اور ہوا قدرے تیز تھی۔ ایسے میں منیہ سلمیٰ اور ان کی ماں زیتون لان میں بیٹھتی ہوئیں تھیں۔ ان کے درمیان ہمایوں زہر بحث تھا۔ سلمیٰ کا اتنا قصور تھا کہ اُس نے اپنی ماں کے کہنے پر اُن کے گھر فون کیا تھا جس پر منیہ اچھا خاصا بجز مٹی تھی۔

"تجھے ضرورت کیا تھی اُن سے بات کرنے کی وہ لوگ ہیں بس قائل کہ اُن سے بات کی جائے؟" منیہ نے غصت سے منہ ہٹا دیا۔

"تو کیا ہو گیا طوفان آ گیا ہے؟۔۔۔ تم چاہے لاکھ فطرت کرو ان سے آخروہ اپنے ہیں۔ کیا ہوا جو تیرے ساتھ تیرے باپ کا داغ بھی خراب ہو گیا ہے۔" زیتون بی بی نے غصے میں کہا۔

"بات یہ نہیں ہے کہ آپ نے فون کیا۔ کر لیا" اُب کیا ہو گا اس کا فائدہ ہے کوئی۔۔۔ وہ ہسپتال میں پڑا ہے کیا آپ عیادت کرنے جائیں گی اُس کی؟۔۔۔ نہیں نا اور اگر جائیں گی تو ہمارے گھر میں خواہ مخواہ کی ٹینشن بن جائے گی۔۔۔ نہ گئے تو ان کا گھر بن جائے گا کہ پوچھنے تک نہیں آئے اور پٹے گئے تو وہ خواہ مخواہ کے خواب دیکھنا شروع کر دیں گے۔"

"اُنہوں نے اُب کیا خواب دیکھنے ہیں۔" زیتون بی بی نے دھیرے سے کہا۔

"آپ کو نہیں پتہ ان غریب لوگوں کی پر اہم ہی کی ہوتی ہے۔ اعلیٰ حصاب تو بازو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذرا سا اچھا بول لو ان کے ساتھ تو امیدیں لگا کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس سے اچھا نہیں ہے کہ ان سے بات سن نہ کی جائے۔"

"تمہارا داغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔" زیتون بی بی نے اُسے جھازا۔ "جو کچھ آج تمہارے باپ نے ہماری انور علی کے ساتھ کر دیا ہے نا میرا نہیں خیال کہ وہ زندگی بھر اس چوکھٹ پر دوبارہ قدم رکھیں گے۔"

"نہ رکھیں نہیں کیا۔۔۔ اچھا ہے اُن سے جان چھوٹے گی۔" منیہ نے تانک سیکڑتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"سلمیٰ! اسے سمجھاؤ کہ اپنے پھر اپنے ہونے ہیں وہ جیسے بھی ہوں۔ مجھے پتہ ہے اُنہوں نے تمہارے باپ کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا ہے مگر آج تمہارے باپ کا رویہ دیکھ کر میرا دل بھی رو دیا ہے۔ ٹھیک ہے اُن سے تعلق نہ رکھو لیکن اُنہیں دھکارو تو نہیں۔"

"ای اوی کھانا ایتھے بھلے تھے ہم لوگ گھر میں کس قدر سون تھائیں اُن کا بھر کیا پڑا ہے اس گھر میں بے سکونی ہی پھیل گئی ہے۔" منیہ نے نفرت سے کہا

"تم نہیں سمجھو گی۔" زیتون بی بی نے ہنسوں بھرے لہجے میں کہا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔۔۔ کیا آپ اس لئے افسردہ نہیں ہیں کہ اُن کے ساتھ یہاں اچھا سلوک نہیں ہوا اور اگر وہ نہ آتے تو کیا آپ ایسے افسردہ ہوتیں یوں دکھ کا اظہار کر رہی ہوتیں؟۔۔۔ میں انکار نہیں کرتی ہوں ان کی رشتے داری سے لیکن وہ اپنے کیے کی سزا خود بخود پانے ٹھیک کہا ہے کہ وہ کس منہ سے لوگوں کو یہ کہیں کہ ان کا سچا بھتیجا طلوسوں کی طرح حوالات میں پڑا ہے۔ کیا ناک نہ نکلتی ان کی۔۔۔؟"

"تم اور تمہارا باپ اپنی ناک بچائے رکھو اور ڈرو اس وقت سے جب کبھی تم ان کی جگہ پر ہو گے۔"

"امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو ان سچ لوگوں کے لئے آپ اپنی ہی اولاد کو بددعا نہیں دے رہی ہیں؟" صفیہ نے اچھائی حیرت سے کہا۔

"کوئی ماں اپنی اولاد کو بددعا نہیں دے سکتی۔ میں تو لڑ رہی ہوں۔ اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا" اٹھ کو غرور قلعا پسند نہیں ہے اور حالات

بدلتے ہوئے کتنا وقت لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے امی! لیکن پاپا نے صحت کی اور آج اس کا پھل کھا رہے ہیں۔ تاپا کو کس نے رد کا تھا کہ وہ صحت نہ کریں وہ بھی ڈاکٹر یا انجینئر

بن جاتے اور خوب دولت کما تے۔"

صفیہ نے اپنی ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا تو سہلی نے بات بدلنے کی خاطر پوچھا۔

"امی او پیسے جب اس کی اور ہاتھوں کی مقلقی۔۔۔"

"کیوں اذیت دے رہی ہو سہلی! میں اس واقعے کو بھول جانا چاہتی ہوں! کھریق دینا چاہتی ہوں اپنی زندگی سے۔۔۔ یہ وہ واقعہ ہے

جس میں میری کوئی مرضی نہیں تھی مگر مجھ پر مدھبہ بن کر وہ کیا ہے۔" وہ تقریباً چیختے ہوئے اچھا جا بول۔

"چلو یہ ٹینشن ختم کرو۔۔۔ شام ہو گئی ہے آؤ اور چلیں۔۔۔" سہلی نے گویا بات ہی ختم کر دی۔

"امی آپ پلیز! ان لوگوں کا خیال نہ کیا کریں ڈسٹی ہوتی ہیں آپ۔۔۔ جب پاپا ہی کو ان کی پر قہ نہیں ہے جن کا ان سے خونی رشتہ

ہے تو آپ کیوں اور پھر ہم نے ان سے کیا لینا دینا۔ وہ اپنی دنیا میں خوش رہیں اور ہم اپنے گھر۔۔۔" صفیہ نے گویا بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹی! جیسا تم لوگ چاہو۔۔۔" زینتوں بی بی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ مزید بات کرے گی تو اسے کچھ اور

سننے کو ملے گا۔ وہ اٹھ کر اندر چلی گئی اس کے پیچھے ہی دونوں بیٹیاں بھی ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ صفیہ وہاں پر ٹھنک بیٹھنا چاہتی تھی اور نہ پھر ای حوالے

سے کوئی نہ کوئی بات ہو جانا تھی سو وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کے لئے بیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

اگرچہ ان نے بیڈ پر بیٹھے ہی بی بی ذبی آن کر لیا تھا لیکن اس کی سہجیں آوارہ ہو گئیں۔ اسے ہاتھوں سے غرت تھی مگر کبھی کبھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ

کیوں اسے اچھا نہیں سمجھتی۔ وہ ہونڈم تھا جو ان تھا باصلاحیت تھا لیکن صرف فریب تھا اور اسے غریبوں سے سخت نفرت تھی۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ بندو اگر

غریب ہوتا ہے تو صرف اپنی کاٹلی کی وجہ سے ورنہ محنت سے وہ روپیہ بنا سکتا ہے اور اس معاشرے میں ایک خوشحال زندگی گزار سکتا ہے۔ ہاتھوں لاکھ اچھا

سہی لیکن اس کا کوئی اسٹیٹس نہیں تھا اور جو لوگ ان کے معیار پر نہیں اترتے تھے وہ اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ وہ تو ہاتھوں کا پانہر شتے دار مانتا تو درکنہ

اس کے ہارے میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کے خیالوں میں تیمور بس چکا تھا۔ وہ اس کی کلاس فیلاسوف کا بھائی تھا۔ لہذا قائد سالوٹا سارنگ

تھنا سب ضد وخال کے علاوہ وہ ایک فیکٹری کا مالک تھا۔ وہ باپ کے بزنس کو سنبھالنے کی بجائے اپنا بزنس سرور با تھا۔ جدید ماڈل کی گاڑی اور یہ بڑا سا گھر

جس میں ہر سہولت میسر تھی۔ وہ کبھی کبھار ساروہ کو لینے کے لئے آتا تھا پھر باقاعدہ آنے لگا۔ صفیہ کی ہار ان کے ہاں بھی جا چکی تھی اور بات شناسالی سے

بڑھ کر دو تھک آ گئی تھی۔ فیس تھا آف کا تبادلہ بھی ان کے درمیان ہو چکا تھا انہوں نے بات بڑھتے بڑھتے بہت آگے تک بڑھنے والی تھی۔۔۔

تیور اور ہاویوں کا وہ جب بھی موازنہ کرتی، ہاویوں اُسے بہت ذور تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ چاہے قریبی رشتے دار تھا یا کوئی اُس سے خوئی رشتہ تھا۔ اِس کا بیڑم ہونا یا کوئی صلاحیت بھی کہیں نہیں مظر میں پلنی جاتی جبکہ تیور اُسے اپنی رگہ جاں سے بھی قریب دکھائی دیتا۔ دو جیسا بھی تھا اور جو بھی تھا اِس معاشرے میں پوری اکتاد سے سو کرنا تھا۔ اِس کا اپنا ایک مقلد احباب تھا جس میں شہر کے معزز افراد تھے۔ اِس کا خیال تھا کہ جیسے ہی وہ اپنے کاروبار میں جم گیا تو سیاست میں بھی حصہ لے گا۔ دو اپنے خیالات میں بہت اذ چا تھا۔ اِن سب سے بہت کر اُس کا ایک خاندانی نہیں مظر تھا جو کاروباری حلقے میں بہت عزت اور احترام سے دیکھا جاتا تھا، دو اور دو پانچ کرنے کی عادی نہیں تھی حقیقت پسند تھی اِس نے نہ صرف اِسے دو اور دو چار کرنا آتا تھا بلکہ اسی پر یقین رکھتی تھی۔ اُس نے نے ہاویوں کو اپنی زندگی سے نکال باہر کیا تھا اِس کی جگہ اب تیور کا ساتھ بہک رہا تھا۔

☆

رات کا آخری پہر میں رہا تھا مگر ہاویوں کی آنکھ سے نیند غائب تھی۔ وہ اپنے گھر میں اپنے ہی بستر پر چڑھا لیکن پھر بھی بے سکون تھا۔ سر شام وہ آ گیا تھا اور پھر آتے ہی اُسے زینب بی بی نے ساری رو دو اوستائی دی کہ کس طرح تمہارے چاچا نے تمہارے باپ کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ وہ پریشان تو تھے ہی ایک نیا ڈکھ بھی اُنہیں ش کیا۔ جب سے وہ اپنے بھائی کے گھر سے آئے تھے اُنہیں ایک چپ لگتی تھی جیسے اُن کا سب کچھ کھو گیا ہو۔ وہ تو جیسے مٹی کا ڈبر ہو کر گھر میں ہی پڑے رہے۔ اگر وہ اطلاع نہ دیتا کہ وہ ہسپتال میں ہیں تو پتہ بھی نہ چلتا۔ اُن کا ارادہ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کہیں جائیں گے تلاش کرنے یہ تو اطلاع ملنے پر ماں نے رو دو کے اُنہیں ہسپتال بھیجا تھا۔۔۔ ہاویوں کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اُس کے باپ کو کتنا ڈکھ ہوا ہوگا۔ اِس سے یہ ساری باتیں اُس کی ماں نے رو دو کر کی تھیں۔ وہ اُسے باور کرانا چاہتی تھی کہ وہ کس قدر اذیت سے گزر رہے ہیں اور اِس کا باپ کس قدر ڈکھی ہو رہا ہے۔ وہ چپ چاپ منتار ہا مگر دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ سب اُنہیں کو احساس دلانے کا عمل اُسے اپنی زندگی کی سنگین غلطی محسوس ہو رہی تھی جس نے نہ صرف اُس کی سوچوں میں زہر بھریا تھا بلکہ اُس کے والدین کی جموئی میں نئے ڈکھ آ کرے تھے۔ وہ خود کو ہی تصور دار سمجھ رہا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید اُس کا باپ ڈکھی نہ ہوتا۔ اگر کوئی طیر اذیت دے تو اتنا ڈکھ نہیں ہوتا جبکہ پہلن کی اذیت زندہ اور گور کر دیتی ہے۔ اِس کے باپ کا نظرات ہی تصور تھا کہ اُس نے اپنے بیٹے کے لئے رو دو لگ لی تھی اور چاچا کو فقط اپنے ساتھی مرتبے کا خیال تھا جو محض دولت پر مانی گئی تھی۔ پھر وہ دشمن جان جو اِس کے خیالوں میں چھائی ہوئی تھی اِس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ فون کال کر کے ہی اِس کی خیریت دریافت کر لیتی۔ وہ اِس کے لئے کتنے اچھے خواب دیکھتا ہے جس میں فقط وہی اِس کی مسطر ہوتی ہے مگر اِس نے بھی اِسے نظر انداز کر دیا۔ ہاویوں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ایسا کیوں ہے دولت کی اونچنی و دیوار اِن میں حاصل تھی جس نے نہ صرف خوئی رشتوں کو بھلا دیا تھا بلکہ اِن میں سوچوں کا واضح فرق آ گیا تھا اِس کا دماغ اُسے حقیقت پسند ہونے کے لئے کہتا۔ وہ واضح حقائق بیان کرتا جن کی بنیاد پر منیہ کو بھول جانا ضروری تھا لیکن اِس کا دل کسی طور مانتا ہی نہیں تھا۔ وہ ساری منطق اور دلائل کو رو کر دیتا۔ اُسے یقین تھا کہ ایک دن منیہ اِس کی ہوگی۔ اُسے اپنی محبت پر اتہار تھا کہ وہ منیہ کا دل ضرور جیت لے گا مگر کب تک؟ یا اِس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

اِس واقعہ سے پہلے تک ہاویوں دو خاندانوں میں ڈوری کی وجہ صرف ایشینس ہی کو سمجھتا تھا ایک اِس کی ڈور پھر بھی تھی کہ دو اِن کا خوئی

رشتے دار ہے۔ اس کے پاس بھی اگر کوئی تھوڑا بہت انٹینس ہوا تو وہ ضرور قابل توجہ گردانا جائے گا۔ اس کا چاچا ضرور اُسے چاہے گا ایک ماں تھا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی لاج ضرور رکھے گا لیکن اس واقعہ کے بعد یہ محرم بھی ٹوٹ گیا تھا۔ جنم بیٹے کی مدد کے لئے باپ کو ٹھکر دیا جائے وہ اپنی بیٹی اُسے کیوں دے گا؟ وہ جو آس کی ڈوری تھی اُسے ٹوٹی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ بے یقین سا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اُس نے اپنے ابو گردنگار دوڑائی پرانا سا بوسیدہ کمرہ اُس کی حالت گزار پر غصہ رہا تھا۔ اس کمرے میں اُس نے غلوں میں رہنے والی صفیہ کے خواب دیکھے تھے جس کے باپ نے اُسے بُری طرح ذمہ دار بنا دیا تھا۔ کیا وہ بھی ایسا ہی چاہتی ہے؟۔۔۔ اس سوال نے اُسے پھر سے اُمید دلا دی۔ آج تک اُس نے برا اور استہگہی اس موضوع پر اُس سے بات نہیں کی تھی ایسا اس لئے بھی تھا کہ بچپن میں ہی معنی نے یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ وہ اُس کے لئے ہے۔ تب دونوں ہی میں ایک خاص قسم کی جھجک رہی جس کی وجہ سے نہ تو کوئی طویل ملاقات ہوئی نہ تو ریلوے بائیں رہیں۔ پھر دونوں میں انٹینس کی ویوار بلند ہو، شروع ہوئی۔ ہمایوں کے دل میں تو وہ سب اسی طرح رہا اور وقت کے ساتھ ساتھ صفیہ کی محبت کو پھل سے پودے تک کے سفر میں رہی جو تیز روخت بننے کے عمل میں تھی لیکن ہمایوں ویوار کے اس پار نہیں دیکھ سکا کہ صفیہ کی حالت کیا ہے۔ کیا وہ بھی اُسے چاہتی ہے؟ کیا اب بھی اس کا نام آجانے سے اُسکے چہرے پر شرمیں دینے روشن ہوتے ہیں۔ کیا اب بھی اُس کے احساس سے گال سرخ ہو جاتے ہیں اور لگا ہیں جھک جاتی ہیں؟ اس بارے ہمایوں کو کچھ پتہ نہیں تھا۔

اس رات ہمایوں نے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ اپنے چاچا اور اس کے خاندان سمیت صفیہ کو بھی بھول جائے یا پھر؟۔۔۔ اس سے آگے وہ کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ یہ محبت بھی کیا بنا ہوتی ہے۔ خود سے کوئی فیصلہ بھی نہیں کرنے دیتا ہمیشہ اپنا آپ ہی سوناتی ہے۔ جب بھی وہ ایسا سوچتا صفیہ کی محبت آڑے آ جاتی۔ وہ اُسے بھول جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اس اور میز عین میں رات گزارتی چلی جا رہی تھی۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے فقط ایک بار اُسے صفیہ سے تو بات کر لینی چاہئے کہ وہ کیا سوچتی ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے تئیں فیصلہ کر لے اور وہ اس کی آس میں بیٹھی رہ جائے۔ جب اگر بعد میں اُسے یہ معلوم ہوا تو پچھتاوا زندگی کا روگ بن جائے گا۔ تب لمحوں میں ہی فیصلہ ہو گیا کہ حتمی فیصلہ اس وقت کرے گا جب وہ صفیہ سے ملنے گا۔ یہ سوچتے ہی الطیفان کی ایک لہر اُس کے من میں سرایت کر گئی وہ مطمئن ہو گیا اور اسی بوسیدہ کمرے میں سکون سے سو گیا۔

☆☆

جس طرح اندھیرے میں چمکتا ہوا جگنو روشنی کی اُمید دلاتا ہے ہانکل اسی طرح راحیلہ کی زندگی میں جنید کی آمد نے اُسے حوصلہ مند بنا دیا تھا۔ اُسے یہ قطعاً اُمید نہیں تھی کہ وہ زندگی میں دوپہار کھین اُسے مل پائے گی۔ نہ جانے کتنے لوگ آئے اور چلے گئے جن میں بہت سارے کڑیل جوان بھی تھے زندگی کے سنے دکھانے والے بہت لوگ بھی اُسے ملے اور ان لوگوں سے بھی سامنا ہوا جو حقیقت کی تلخ تصویر دکھا کر اپنی راہ پر لانا چاہتے تھے اور ہر بار وہ ثابت قدم رہی تھیں۔ لیکن دنیا میں ایسا بار آور یافت نہیں ہوا جو اپنی بیعت نہ بدل سکے۔ پتھر پر بھی لگا تا ضرب پڑتی رہے تو وہ بھی آخر کار ٹوٹ جاتا ہے جبکہ راحیلہ ایک عام سی لڑکی تھی جو کبھی بھی اپنی ہی خواہشوں اور حسرتوں کے بوجھ تلخے بکڑے حامل ہو جاتا کرتی تھی۔ زندگی کی رنگینیاں اور لذتیں اُسے بھی اپنی طرف کھینچتیں تھیں منبرے بہتوں کی چمک اُس کی آنکھوں کو بھی خیرہ کر دیا کرتی تھی لیکن اُس کے اندر جو حراست تھی

اُس نے راحیلہ کو ہمیشہ ذہنیت قدم اور مضبوط رکھا تھا۔ لیکن تھا کہ یہ ثابت قدم مضبوط پتھر کی دھماکے سے ٹوٹ جاتا اُس نے جنید کو دیکھ لیا تھا۔ اُس کی نگاہوں نے بات کرنے کے انداز اور طرزِ عمل نے اُس میں بھی جرات بھری تھی جس کا عملی ثبوت وہ ڈاکٹر جمیل کو ڈانٹ کر دے چکی تھی۔ اُسے یہ یا بھی طرح احساس تھا کہ ڈاکٹر جیسے لوگ جو چہرے پر نقاب و رتھاب سہائے رکھتے ہیں یہ دنیا کے سامنے شرافت کا مجسمہ دکھائی دینے والے اندر سے کس قدر غلیظ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تہ کیل پر اُسے مخاطب کرنے والا نہیں ہے۔ سُننے کے سامنے سے جب ہڈی اٹھالی جائے جسے وہ بھونچوڑنا چاہتا ہو تب سُننے میں ہاؤ لائن عود کر آتا ہے۔ اس بات سے وہ اچھی طرح واقف تھی لیکن اُس کے اندر جو عزم اور جرات پیدا ہو چکی تھی اُس نے ڈاکٹر کے خوف کو بہت پرے پیٹک دیا تھا۔۔۔ جنید اُس کے خیالوں میں بس چکا تھا حالانکہ اُسے یہ معلوم تھا کہ وہ کبھی اُسے نہیں مل سکے گا اور اگر کبھی مل بھی گیا تو جس طرح کے اُس کے جذبات ہیں شاید ہی وہ اُس کے سامنے اظہار کر سکے۔ اس لئے دوبارہ سُننے کی امید نہ رکھتے ہوئے بھی وہ اپنی ذمہ داریوں میں اُسے یاد رکھ رہی تھی۔ چند دنوں میں وہ بہت بدل کر رہ گئی تھی جس کا اظہار نسرین جو زلف نے بھی کر دیا تھا۔ اس شام وہ دونوں کمرے میں لٹھی ہوئی تھیں کہ نسرین نے کہا۔

"راحیلہ! کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم خاصی بدل گئی ہو؟"

"ایسا کیا۔۔۔ میں بدل گئی ہوں؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"بالکل تم بدل گئی ہو۔ پہلے سے زیادہ خاموش روتی ہو تم میں خضار اور چڑچڑاہٹ بھی بہت کم ہے۔ اپنے آپ پر توجہ دیتی ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم دوسروں کے بارے میں بھی لاپرواہ ہو گئی ہو۔" نسرین نے اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری کس بات سے لگا کر نہیں کروں گی نسرین! یقیناً ایسا ہو گا مگر سننا جو بدل گئی ہوں تو ایسا میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا ہے سب کچھ خود بخود ہو گیا ہے۔" وہ خیالوں میں کھوئی ہوئی بولی۔

"ایک بات اور جو اب تک مجھے بے جا اور خضر تک بھی نہ تھی کہ تم اب زیادہ بے باک لگ رہی ہو اور حوصلہ مند ہو گئی ہو۔ یہ تمہیں نقصان۔"

"مطلب۔۔۔؟" اُس نے نسرین کی بات کا نتیجہ ہونے پوچھا۔

"مطلب یہی کہ کل شام جو تم نے سینئر نرس کو زبردستی طرح ڈانٹ دیا تھا کیا وہ تمہیں معاف کرنے کی اور وہ ڈاکٹر۔"

نسرین نے کہنا چاہا تو راحیلہ تیزی سے بولی۔

"کیا نہیں نے غلط کیا تھا۔ میں اپنی ماں کو فون کرنے کے لئے بی بی اور پرکھڑی تھی۔ اُس نے مجھے کیوں موبائل فون کی آفر کی۔ کیا اُس نے یہ آفر میری غربت کو دیکھ کر کی میری ہمدردی میں کی یا پھر؟ تم اچھی طرح جانتی ہو اُس کا کیا مقصد تھا۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اُس نے مجھ پر طعنے لگائے اور محض میری اوقات جتانے کے لئے ایسا کیا؟۔۔۔ نہیں نسرین! میں۔ اُس کا جو مقصد تھا میں اسے پورا نہیں کر سکتی۔"

"لیکن جس طرح پہلے تم اُس کی آفر کو آرام سے دیکھ رہے تھے اسے قبول نہیں کرتی تھیں وہی باتی رویہ رکھتیں۔ یوں جھڑک کر اور بے عزت کر دینے کی حد تک تو نہ جاتیں۔ تمہیں نہیں معلوم کہ وہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کر سکتی ہے۔" نسرین نے قدرے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اگر میں شروع دن سے ہی ایسا رویہ رکھتی تو انہیں جرأت تک نہ ہوتی کہ مجھ سے کوئی فضول بات بھی کرتا۔“

”لیکن اتنے سال کی جو صحت اکارت جائے گی اس کا کیا ہوگا؟۔۔۔ اس سے دشمنی ہی بڑھتی ہے دوست تو نہیں ملتے۔“ نسرین نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”لیکن میں غلامت کی زندگی برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔“ اس نے حتی انداز میں کہا تو نسرین خاموش رہی وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ کتنے ہی لمبے یونہی بیت گئے تو وہ مگر نسرین کو سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ”دیکھو! ایک کم تنخواہ پانے والی جس کا کوئی اور ذریعہ آمدنی نہیں ہے وہ اگر سونے کے زیورات کی نمائش کرتی ہے بہترین لباس پہنتی ہے، اپنے تعلقات مٹواتے ہوئے رسائی کی بات کرتی ہے تو کیا نہیں اسے دیکھ کر پائل جاؤں۔ ایک عورت ہونے کے باوجود میرا بھی دل کرتا ہے کہ مجھے یہ سب ملے، مگر عزت کھودینے کے عوض یہ سب ملا بھی تو کیا ملے؟۔۔۔ میں جب تک نئی سکتی ہوں اپنا آپ بچاؤں کی باقی جو قسمت میں ہوا اسے میں نال نہیں سکتی۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو، وہ بات بھی اسے ہی ہیں جو ان سے ذب جائے۔۔۔ جیسے تم چاہو۔“

نسرین نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور اٹھ کر باہر چلی گئی۔۔۔

راجیلہ یہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے، درست کہہ رہی ہے لیکن اس کے کہنے سے وہ اپنا آپ تو نہیں بدل سکتی تھی۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ ڈاکٹر جمیل کے بعد اب سینٹریز کسی اس کی بھلائی نہیں چاہیں گی۔ آخری سال کے جو باقی چند مہینے رہتے تھے ان میں کچھ بھی ہو سکتا تھا مگر اسے ضد ہوئی تھی کہ وہ ان کی بات نہیں مانے گی۔ وہ جنید کی احسان مند تھی کہ اسی کی وجہ سے اسے اتنا حوصلہ مل گیا تھا۔

چند دنوں سے وہ خود بھی محسوس کرنے لگی تھی کہ وہ جنید کو بہت یاد کرتی ہے۔ شاید اسے یہ احساس نہیں تھا کہ وہ جو کوئی اس کے لاشعور میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے، ممکن ہے کہ جنید ہی اس کی حقیقی تصویر ہوتے سارے لوگوں میں وہی انہی اسے آشنا لگا تھا جیسے کوئی اس کا اپنا ہوا اور جس کا ساتھ پا کر بندہ حوصلہ مند ہو جاتا ہے۔ راجیلہ کے لئے وہ شخص ایک نئی زندگی لے کر آیا تھا۔

اس شام اسے یہی نہ چلا کہ نسرین کب آ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی ہے۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں کھوئی رہی تھی۔

☆☆

رات کا پچھلا پیر تھا جب اچانک جنید کی آنکھ کھل گئی۔ درو کی اک نہیں اٹھی تھی جو گردن کی کھنٹی طرف سے ہوتی ہوئی اس کے سر میں کھنٹی گئی تھی۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ پچھلے دنوں جو اس نے تشدد دیکھا تھا یہ اسی کی وجہ سے تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور درو کو سہارنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت اسے میڈیسن کی ضرورت تھی جو چند قدم کے فاصلے پر پڑی ہوئی تھی لیکن ان لمحات میں اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ اٹھے اور وہ میڈیسن لے لے۔ وہ کتنی ہی اور تک یونہی بیٹھا اور برداشت کرتا رہا مگر دیر سے دیر سے درو کم ہونا شروع ہو گیا۔ اس نے ہمت کی اور میڈیسن اٹھالیس۔ قرعہ پڑے فریج میں سے پانی لیا اور میڈیسن نگل کر دیکھا اسے اپنے بیڈ پر آ گیا۔ اس کا درد کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے وہ بارہ سونے کی کوشش کی لیکن نیند آنکھوں سے غائب تھی۔۔۔

اُسے وہ چند دن پہلے گزرے ہوئے بسیا تک دن یاد آنے لگے۔ اُس کے پکڑے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ پولیس کے ہتھے چڑھ گیا۔ یہ سوالیہ نشان اب بھی اُس کے سامنے موجود تھا کہ ایسا کیسے ہو گیا لیکن چند دن سوچتے رہنے کے بعد بھی اُسے جواب نہیں مل سکا تھا۔ اس لئے جنید نے یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ بہت جلد یہ بات سامنے آ جائے والی تھی۔ اس کے ساتھ اُسے وہ نرس بھی یاد آ جاتی جس نے محض ایک فخرے میں اُسے بہت زیادہ حوصلہ دے دیا تھا وہ نرس بھی اُس کے لئے ایک معرینہ گئی تھی۔ وہاں گزارا ہوا ایک ایک لمحہ اُسے یاد آ جاتا لیکن وہ سوال ہنوز تشدد ہتا کہ اُس نرس نے کیا سوچ کر اس قدر حوصلہ مند ہاتھیں کئی تھیں کہ جو پچھلے سارے دنوں کی اذیت بھلا دینے کے لئے کافی تھیں۔ اُس کی نگاہوں میں کس قدر اہمیت تھی اور پھر جب اُس نے کہا تھا کہ جوش سے نہیں ہوش سے کام لیتے ہیں۔ پھر پڑا لیکن ہوں رستے میں تو وہ بھی رستہ دے دیتے ہیں۔ یہ کتنی حوصلہ افزا بات تھی۔ اسی بات کے غماز نے عین اُسے ساری اذیتیں بھلا دی تھیں۔ تب اُس نے فضا ہی جانا تھا کہ وہ اپنا فرض نبھاد رہا ہے۔ اتنی اچھی بات کہہ کر اُس نے گویا ساری بات عین ٹھم کر دی تھی لیکن۔۔۔ لیکن وہ دوبارہ کیوں اُس کے پاس آئی تھی اور پھر اس وقت ایسی بات کہی جس نے اُسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ خوشی ہو یا اذیت! اُسے برداشت کرنے کی صلاحیت انسان کے اندر ہوتی ہے۔ میری ذمہ داریاں ہیں تیرے لئے۔۔۔ اُس کی یہ بات یونہی نہیں تھی اس کے پیچھے یا تو بہت گہری سوچ تھی یا پھر تلخ تجربہ ورنہ اتنی عمر کی لڑکی اس قدر گہری بات نہیں کہہ سکتی تھی۔۔۔ خیر یہ بحث تو الگ رہی کہ وہ بات گہری تھی یا نہیں مگر یہ اہم ہے کہ وہ کیا سوچ کر دوبارہ یہ بات کہنے کے لئے اُس کے پاس آ گئی تھی؟ یہی وہ سوال تھا جس کی وجہ سے وہ نرس اُس کے لئے معرینہ گئی تھی۔ اُس کی کچھ میں نرس کا رویہ نہیں آ رہا تھا۔ کیا وہ اُسے کوئی خاص پیغام دینا چاہتی تھی یا پھر؟۔۔۔ اتنا سوچ کر وہ منتظر ہو کر رہ جاتا اُسے کچھ کچھ نہیں آئی تھی کہ یہ کیا تھا۔

اس رات بھی یہی اُس کے دماغ میں چلنے لگا۔ درد کی شدت کا احساس تو کم ہو گیا لیکن ذہنی الجھن بڑھتی چلی گئی۔ وہ کون تھی کیا کہنا چاہتی تھی۔ ایسا اُس نے کیوں کیا تھا؟ سوال ذرا سوال تھے جن کا جواب فقط اُس نرس کے پاس ہی تھا۔ اُسے یاد تھا کہ جب وہ داخلہ عدالت سے باہر نکلا تھا تو اس نے نرس سے ملنے کی خواہش کی تھی شاید لا شعوری طور پر عین الجھن اُس سے بننے کے لئے آدھ کر رہی تھی۔ تو کیا اُسے اُس نرس سے ملنا چاہئے؟ جیسے ہی اُس نے خود سے یہ سوال کیا تو خود ہی چونک گیا۔ کئی سوال پھر اُس کے سامنے در آئے۔ جن کا جواب اس وقت اُس کے پاس نہیں تھا۔ تم اُس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ یہی سوال ایک بہت بڑی رکاوٹ بن کر اُس کے سامنے آ ن ٹھہرا۔ وہ ایک لڑکی ہے۔ فقط ایک لڑکی کو ملنا تو اُس کے شان شایان نہیں ہے۔ اُس کا ایک عقلمند مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ اپنی جان باقیہ ہر کچھ سہ کر دال ہے۔ اُس نے جو حوصلہ مند ہاتھیں کہیں تھیں اندر سے کہیں آواز آئی تو وہ چونک گیا۔ پھر اس کے جواب میں جو اُس نے ویلن دی وہ یہی تھی کہ ایسی حوصلہ مند ہاتھیں تو اُس نے بہت سنی ہیں۔ اگر اس میں حوصلہ اور جرأت نہ ہوتی تو اب تک مر گیا ہوتا۔۔۔ تو پھر تم نے اُسے اپنے ذہن میں کیوں بٹھایا ہوا ہے۔ کیوں معرینہ ہوئی ہے تمہارے لئے؟ اندر سے کہیں سختی کے ساتھ کہا گیا تو وہ ذی طرح چونک گیا۔ تو کیا مجھے اُسے بھلا دینا چاہئے؟ اُس نے خود سے ہی سوال کیا تو جواب ملا کہ ہاں بھلا دینا ہی بہتر ہے۔ وہ ایک عورت ہے اور اس عورت کی حیثیت ہی گیا ہے تمہارے سامنے؟ تم عقلمند مقصد کے لئے ہو۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ وہ معمولی عورت تمہارا راستہ کھونچ کرے۔ نچا جاؤ اس سے کہ شیطان کے جال بڑے سنہری ہوتے ہیں۔۔۔ اُس نے اپنے اندر

سے یہ عجیبے نئی توانا سے احساس ہوا کہ اسے نرس سے نہیں ملنا چاہیے۔ یہ سوچ کر اسے قدرے مطمئن ہوا۔ میڈیسن کے زیر اثر درد تو تقریباً ختم ہو چکا تھا اسے سکون ہوا تو بھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆

ہمایوں اس گریز کالج کے سامنے کھڑا تھا جس میں صنفیہ پڑھتی تھی۔ گیٹ میں سے لڑکیاں باہر آ رہی تھیں۔ وہ ہائیک پر بیٹھان آنے والی لڑکیوں میں سے صنفیہ کا خطر تھا۔ وہ سوچ چکا تھا کہ آج اس سے حقیقی بات کرے گا۔ اس کا خیال تھا کہ جوئی وہ اسے دکھائی دے گی وہ اسے لے کر کسی قریبی ریستوران میں جائیٹھے گا اور پوری طرح اس سے بات کرے گا تاکہ جو مظہر بھی ہو واضح ہو جائے۔ اس کا دل کہتا تھا کہ صنفیہ اس کی بات ضرور سنتے گی اور اسی کے حق میں اپنا فیصلہ دے گی۔ یہ اگر ہو جاتا تو ہمایوں نے یہ ٹھکان لی تھی کہ وہ پوری ذہن سے مکر جائے گا لیکن صنفیہ کو کسی طور پر ایسا نہیں ہونے دے گا۔ اسے معلوم تھا کہ تموزے فاصلے پر ڈراما یور گاڑی لے کر صنفیہ کا خطر ہے۔ ممکن ہے آج وہ اس کے ساتھ نہ جائے لیکن اسے یہ باور تو ہو جائے گا کہ ہمایوں اس کی راہ میں کھڑا ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی حل نکال لے گی۔ اس کا ذہن ایسی ہی سوچیں سوچتا چلا جا رہا تھا جبکہ اس کی نگاہیں گیٹ پر لگی ہوئیں تھیں۔ ڈرامے کے فاصلے پر ڈراما یور گاڑی لے کر آیا ہوا تھا اس کے پاس چند لمحے تھے جس میں اس نے صنفیہ سے بات کرنا تھی۔ اگر وہ اسے دیکھے بغیر گاڑی تک پہنچی تو اگلے دن پھر آنا پڑے گا۔ وہ چاہے ایک ٹکڑا ہی اسے دیکھ لے لے اتنی ہی کافی تھا۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے صنفیہ کا چہرہ دکھائی دیا۔ ہمایوں کا دل دھڑک اٹھا اس کی محبت اس کے سامنے تھی۔

وہ گیٹ سے نکلی تو لڑکیوں کے جلو میں تھی۔ وہ ایک طرح کا گروپ تھا جو فیشن اور ماڈرن بننے کی ذہن میں منفرد دکھائی دیتا تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی انسان اپنے خیالوں پر سوچوں میں اتنا پختہ نہیں ہوتا لیکن اگر اسے ہم خیال لوگوں کی محفل میں آ جائے تو وہی کچے خیال پختہ ہو جاتے ہیں۔ صنفیہ کا گروپ بھی ایسی ہی لڑکیوں کا تھا جو دولت کی نمود و نمائش میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھیں۔ ظاہر ہے دوسرے معاملات میں بھی ان کے خیال "اوپر" تھے۔ اپنی پوزیشن ثابت کرنے کے لیے وہ زور بھی لگاتی تھیں۔ اس سارے گروپ کو دیکھ کر ایک بار تو ہمایوں بے حوصلہ سا ہو گیا تھا شاید وہ اس کی پہنچ سے بہت ذور کی "چیزیں" تھیں لیکن اگلے ہی لمحے اسے خود پر اکتفا محسوس ہوا۔ کچھ بھی ہو صنفیہ نہ صرف اس کی محنت ہے بلکہ اس کی کڑن بھی تو ہے۔ اسی اکتاد کے سہارے وہ آگے بڑھا۔ اس وقت تک صنفیہ اپنے گروپ سے الگ ہو کر کار کی جانب بڑھ رہی تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جس کا ہمایوں کو انتظار تھا۔ وہ حیر کی مانند اس تک پہنچا ہائیک کو اس کے قریب بریک لگاتے ہوئے جھٹکا تو صنفیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور حیرت سے ڈک گئی۔

"کیسی ہو صنفیہ۔۔۔؟"

اس نے حیرتی سے پوچھا تو صنفیہ نے تیوریوں پر مل ڈالتے ہوئے کہا۔

"صنفیہ تو ٹھیک ہوں مگر تم یہاں کیا کر رہے ہو۔۔۔؟"

"صنفیہ۔۔۔ نہیں تمہارے لیے یہاں آیا ہوں مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔" ہمایوں نے حیرتی سے کہا۔

”بات کرنی ہے۔۔۔ مجھ سے۔۔۔“ وہ حیرت سے بولی۔

”ہاں بہت ضروری ہے۔ تم۔۔۔ ابھی میرے ساتھ چلو یا پھر۔۔۔“

اُس نے کہنا چاہا تو منیفہ کا چہرہ ایک دم سے سرخ ہو گیا وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

”کیا بکواس کر رہے ہو تم۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو؟“

اس کے یوں کہنے پر ہماریوں اُس کی جانب ہونٹوں کی طرح دیکھنے لگا۔ اُسے یہ احساس ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کالج کے گیٹ کے سامنے منیفہ کو روکے کھڑا تھا۔

”منیفہ! تم کیا بات کر رہی ہو سنیں ہماریوں۔۔۔“

اُس نے بے ساختہ کہنا چاہا مگر منیفہ نے بات کاٹ کر کہا۔

”تم کوئی بھی ہو مجھے تم جیسے لفظوں سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ میرا رستہ چھوڑو اور فریج ہو جاؤ ورنہ۔۔۔“

ہماریوں شدت حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ورنہ۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔؟“

لفظ ابھی اُس کے منہ ہی میں تھے کہ منیفہ کا ہاتھ اٹھا اور ایک زٹاٹے سے قمیض ہاریوں کی گال پر مار دیا اور انتہائی غصے میں بولی۔

”یہ ہے مطلب۔۔۔ اس سے پہلے کہ تمہاری ہڈی پھلی ایک کروادوں فریج ہو جاؤ یہاں سے اور دو بار تمہیں میرے راتے میں آنے کی ہمت نہیں کرنا۔“

منیفہ انتہائی غضب سے آگ اُگل رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں غصے میں پھلی ہوئی تھیں۔ اُس کا ہنس نہیں چل رہا تھا کہ ہماریوں کو وہیں قتل کر دے لیکن وہ اتنا کچھ ہی کر سکی تھی جبکہ ہماریوں پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ ذلت بھرا سلوک بھی ہو سکتا ہے۔ وہ حیرت کی انتہاؤں پر تھا اُس کی نگاہیں منیفہ کی شعلہ انگلی ہوئی آنکھوں پر تکی ہوئیں تھیں جن سے نظرت اُٹل رہی تھی۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن ایک لفظ بھی اُس کے منہ سے نہ نکل سکا۔ قمیض کی آواز کے ساتھ ہی لوگ ان کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ منیفہ چند لمبے نظرت سے ہماریوں کو دیکھتی رہی اور پھر محکم کر آگے بڑھ گئی۔ ہماریوں حیرت سے سناکت ہوا وہ اسے جانتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ وہ کار میں بیٹھ کر ڈرائیو کو چلنے کا کہہ چکی تھی کار آگے بڑھی تو کسی نے ہماریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”سہیلیاں! اب جائیے بہت ہو گئی۔“

”اب وہ بارہویوں لڑکیوں کے کالج مت آنا۔“

ایک اور آواز اُس کے کانوں میں خنجر کی طرح گئی تو اُس نے اپنے آپ کو سمیٹا اور پھر پروردی قوت سے کار کا پیچھا کرنے کا سہا لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہے اور یہ سارے واقعات کسی خواب ہی کا حصہ ہوں لیکن گال پر پڑنے والے قمیض کی حدت اُسے حقیقت کا احساس دلا رہی تھی اُس کا دماغ محکم کر رہا تھا۔۔۔

اُسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب اپنے گھر تک پہنچا۔ اُس نے ہانپک کھڑکی کی اور سیدھا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔ وہ اپنے بستر پر بیٹھا اور سوچنے لگا کہ آخر اس کے ساتھ یہ ہو کیا گیا ہے! ایسا تو اُس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ صغیہ! اتنے لوگوں کے درمیان اُسے یوں ڈھیل کر دے گی۔ بے اختیار لاشعوری طور پر اُس کا ہاتھ اپنے گال پر چلا گیا۔ اس تھپڑ کی آواز اب تک اُس کے ذہن میں گونج رہی تھی جیسے کوئی شے ساکت ہو جائے۔

"کیا صغیہ مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہے کہ۔۔۔"

اُس کے اندر سے آواز ابھری جیسا اُس نے خود ہی دبا دیا لیکن فوراً بعد ہی اُس کے دماغ نے کہا۔

"وہ تم سے نہیں تمہاری غربت سے نفرت کرتی ہے۔ تم اُس کے قائل ہو ہی نہیں ورنہ وہ اپنا رویہ تو کم از کم اچھا رکھتی۔ کوئی بہانہ بنا دیتی

اس طرح تمہیں ذلیل تو نہ کرتی۔۔۔"

شرمندگی کے احساس سے وہ گڑا جا رہا تھا زمین پھٹی نہیں ورنہ وہ اس میں جا جاتا۔ اُسے لوگوں کی نظروں میں طرہ حقارت اور مذاق کی پروا نہیں تھی اُس کی بل ہوں کے سامنے تو صغیہ کی آنکھیں ساکت ہو گئی تھیں جن میں حد درجہ نفرت اور حقارت کے ساتھ شدید طغیہ تھا۔

"اُس نے کسی بھی خوبی رشتے کی پروا نہیں کی۔۔۔؟" اُس نے اچھٹی آنٹی سے سوچا۔

"خونی رشتہ!۔۔۔ تم آ رہے تم پر اور تمہاری امید پر۔ ذیابدل گئی اُس کے معیار بدل گئے اور تم ابھی تک رشتے ناتوں کے جال میں پھنسے ہوئے ہو۔ بیوقوف لگیا ہے نا تمہیں!۔۔۔ اس طرح تو کوئی اجنبی بھی تمہارے ساتھ نہ کرے جس طرح اُس نے کیا۔" دماغ نے پھر اُسے سنبھایا۔ تو اُس کا غصہ کن ٹیوں پر ٹھوکر مارنے لگا۔

"منیں اے۔۔۔"

"کیا کرو گے تم؟۔۔۔ جس طرح تم وہاں کچھ نہیں کر سکتے آئندہ بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ پاؤ گے۔ تمہاری حیثیت کیا ہے تم جس رشتے

کے ذمے میں اس سے بات کرنے گئے تھے اس پر صغیہ نے نکیر پھیر دی ہے۔ اب کیا تعلق ہے تمہارا اُس سے۔۔۔؟"

"کچھ بھی ہے وہ مہربانی ہے اور میں اُسے حاصل کر کے رہوں گا۔"

"اگر تمہیں ذلیل ہونے کا شوق ہے تو کرو کوشش ورنہ چانس کوئی نہیں ہے اتنی ذلت کے بعد تو محض خودکشی کی جا سکتی ہے۔"

"کیا کروں منیں پھر کیا کروں۔"

اُس نے اپنے ہال لوچے ہوئے کہا۔ پھر بے بس سا ہو کر اپنے بستر پر ڈھ گیا۔ وہ اپنے آپ کو ڈنیا کا بے بس ترین آدمی تصور کر رہا تھا۔

☆☆

اس دوپہر جب صغیہ گھر میں داخل ہوئی تو ریتوں بی بی کو تصور ابدلی ہوئی محسوس ہوئی اُس کا چہرہ غصے سے بگڑا ہوا تھا۔ ریتوں بی بی آخر ماں تھی ایک لمحے میں پچھان گئی کہ آج کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے جس کی بنا پر صغیہ کا چہرہ تباہ ہوا ہے۔۔۔ صغیہ نے آتے ہی کتابوں والا بیگ ایک جانب پھینکا اور چپ چاپ مونسے میں جھنس گئی۔ اُس نے اپنے سر کو یوں پکڑ لیا تھا جیسے وہ خود اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

”کیا بات ہے بیٹی! طبیعت خراب ہے کیا۔۔۔؟“

زیتون بی بی نے بڑے پیار سے پوچھا تو صفیہ گویا پھٹ پڑی۔

”طبیعت نہیں قسمت خراب ہے میری۔۔۔“

”اللہ نہ کرے بیٹی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔۔۔“ وہ قدرے خوف زدہ انداز میں بولی۔ ”ہوا کیا ہے۔۔۔؟“

”آج۔۔۔ بلکہ ابھی کچھ دیر پہلے منی اس شخص کے ہاتھوں ڈھیل ہو گئی ہوں جسے آپ لوگ اپنا خون کہتی ہیں۔ ایسا تو کوئی اجنبی بھی نہیں

کرتا۔۔۔۔“ اس نے انتہائی غصے میں کہا۔

”ہوا کیا ہے کچھ کہو گی بھئی۔۔۔؟“ وہ گہری تشویش سے بولی۔

”وہ۔۔۔ وہ ننگا ہوا ہوں آج کالج کے سامنے میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ سب لوگ دیکھ رہے تھے اور وہ۔۔۔“ اس نے دو ہاتھوں

ہوتے ہوئے کہا۔

”بیٹی! تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہوگی دو تم سے کوئی بات۔۔۔۔“

”اما! آپ پھر بھی شخص کی طرف داری کر رہی ہیں جس سے منی شدید نفرت کرتی ہوں۔ آپ اس کے بارے میں وضاحت کر رہی ہیں

مجھ پر یقین نہیں ہے منی غلط کر رہی ہوں تو ذرا نیور سے پوچھ لیں پھر تو آپ کو یقین آ جائے گا کیا پھر اس دن یقین آئے گا اس دن آپ کی آنکھیں

کھلس گئی جب سچ چھو رہے پر۔۔۔۔“ صفیہ بے اختیار کہنے لگی اچانک! بیٹی! بت کا ادا کرتے ہوئے خاموش ہو گئی۔

”تم فکر نہیں کرو منی! اسے سمجھا دوں گی۔ وہ۔۔۔۔“

زیتون بی بی نے کہا جا بلکہ وہ غصے میں بولی۔

”آپ کیا سمجھا لیں گے اسے منی! بس پاپا کا انتظار کر رہی ہوں۔ وہ آ جائیں تو منی ان سے کہہ کر اس غیبیٹ کا داغ لٹکانے لگو اس

کی۔ منی۔۔۔۔“

”خبردار اپنے ہاتھ سے کچھ مت کہا۔“ زیتون بی بی اچانک تیزی سے بولی۔ ”کلی بات تو یہ ہے کہ ہمایوں نے کوئی ایسی ادھی حرکت

نہیں کی ہوگی۔ مان لیا کہ اس نے بدتمیزی کی بھی ہے تو کیا تم اس آگ کو حریہ بھڑکانا چاہتی ہو؟ تمہاری یہ نفرت دو بھائیوں کے درمیان خون خرابہ

کرائے گی۔۔۔۔“

”آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن اس غیبیٹ کا ذہن گندا ہے۔ کیا منی بھی تمہی اس کے پاس کہ وہ مجھ سے بدتمیزی کرے؟۔۔۔ آپ مان

لیں کہ وہ بیچ لوگ ہیں اور ادھی حرکتیں کرتے ہیں۔ اس کا خین زدہ نہیں بھگتتا ہی پڑے گا اور یہ کیا کہہ دیا آپ نے کہ منی آگ بھڑکا رہی ہوں منی

خون خرابہ کراؤں گی۔ وہ جو میرے راستے میں۔۔۔۔“

”کیا کہہ دیا ہے اس نے یہی نہ کہ اس نے تم سے کوئی بات کرنا چاہی ہوگی۔ تمہیں انہما کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟“ زیتون بی بی بھی

نصے میں آگئی۔

”اما! آپ۔۔۔“

صنیہ حیرت زدہ ہو گئی تو وہ قدرے قہقہے سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

”دیکھو تمہارے نزدیک چاہے یہ کھیل تماشا ہی ہو۔ تم اس سے نفرت کرتی ہو اور اس کی بد تمیزی پر اسے سبقت بھی سکھانا چاہتی ہو لیکن یہ

کیوں بھولتی ہو کہ تم ایک لڑکی ہو۔۔۔“

”وہ جو مرضی چاہے۔۔۔“

”خاموش۔۔۔“ زخون بی بی نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے دھیرے سے کہا پھر اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی۔ ”تو اپنے باپ سے کہے گی بھائی سے کہے گی۔ وہ غیرت میں آ کر کچھ بھی ہمایوں کے خلاف کریں گے۔ بات تو اڑے گی اما! پھر افسانے بننے سے کوئی روک سکتے گا تم رہ کر پاؤ گی؟۔۔۔ کچھ ہوش کی دوا کرو لڑکی! زخون بی بی نے اُسے سمجھایا۔

”اما! مجھے یہ کچھ نہیں آ رہی کہ آپ اس کی دکالت کیوں کر رہی ہیں۔ کل اگر اس کی یہ ہمت پڑ گئی کہ مجھے اغواء کر لے تو۔۔۔“

”تم جو باپ بیٹی ہو، اما! تمہارے دماغ میں جو دولت کا خناس ہے یہ تم دونوں کو کھینک لے گا۔ خون تو سفید ہو ہی گئے ہیں اب خون خراب بھی کروا کے چھوڑ دو گی۔۔۔ جاؤ لڑو۔۔۔ دنیا کوشر سے متانا کہ تمہیں تمہارے کزن نے نہ اہملا کہا ہے۔“ زخون بی بی رو رہا سوہتے ہوئے بولی۔

”اما! آپ شہنشاہ سے دماغ سے سوہیں۔ آج اس کی یہ ہمت پڑی ہے تو کل اس کا حوصلہ بڑھے گا پھر اگر پاپا کو معلوم ہوا تو کیا بتائیں گے کہ ہم نے انہیں کیوں انظار نہیں کیا تھا؟“ صنیہ قدرے مڑھلی پڑتے ہوئے بولی۔

”تم جانو اور تمہارا باپ سنیں آج کے بعد تمہارے کسی بھی معاملے میں نہیں آنے والی۔۔۔ تم اب سمجھنا ہو گئی ہو اپنے معاملات خود حل کر سکتی ہو۔“

ریشمی خطرہ

مسعود جاوید کے باصلاحیت قلم کی تحریر۔ جرم و سزا اور جاسوسی و سراغ رسانی پر ایک منفرد تحریر۔ ایک ذہین قائل اور خوبصورت خاتون (پرائیوٹ) سراغ رساں کا دلچسپ قصہ، ایک مجرم اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ ان کی ممکنہ شادی کی شرط بھی عجیب و غریب تھی۔ ایک نہایت دلچسپ سنسنی خیز ناول۔ سراغ رساں کے نام کی مناسبت سے ایک خاص ترتیب سے کون قتل کر رہا تھا؟ جاننے کے لیے پڑھیے۔۔۔ (ریشمی خطرہ۔۔۔ جو کتاب گھر کے جاسوسی ناول سیکشن میں دستیاب ہے۔

”ماما آپ میری بات کو غلط سمجھ رہی ہیں میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے۔“ منیفہ نے تیزی سے کہا اس کے لہجہ میں احتجاج تھا۔

”تو کیا میں یہ نہیں کر سکتی نہیں نہیں روک سکتی۔ ایک کام اگر سہولت سے ہو جائے تو اسے مشکل ضروری کرنا ہے۔ کیا تم چاہتی ہو کہ لوگ تمہارے بارے میں بالفاسانے بتاتے پھریں؟“ ڈیون بی بی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے ماما، میں ابھی باپا سے کچھ نہیں کہوں گی لیکن آئندہ اسے مجھ سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہونی چاہئے۔“ منیفہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی تو ڈیون بی بی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ جب چلی گئی تو ڈیون بی بی سوچنے لگی کہ وہ کس سے بات کرے۔ انور علی سے، نذیب سے یا پھر ہمایوں سے؟۔۔۔ بات تو اسے کرتا ہی ورنہ ممکن ہے معاملہ بڑھ جاتا۔ ابھی تک اسے پوری بات کا خود بھی پتہ نہیں تھا۔ ایک جاہل اگر اس کی بیٹی تھی تو ہمایوں بھی تو اس کا کچھ لگتا تھا۔۔۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ کس سے بات کرے؟

۶۶۶

تبدیلی چاہے حالات میں ہو یا انسانی رویے میں ایک فطری عمل ہے۔ انسان جب بھی اور کسی بھی حالات میں کوئی عمل کرتا ہے اس میں کبھی بہت جذباتی ہوتا ہے اور کبھی یہی جذبات بہت سخت ہوتے ہیں۔ جذبات کی گرمی سردی ہو یا پھر مسلسل عمل کی محنت ہوا حالات کے بدلتے ہوئے اطواروں یا پھر مسائل کی کمی بیشی تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ یہی تبدیلی انسان کو یکسانیت کا شکار نہیں ہونے دیتی۔۔۔

جنید ان دنوں یکسانیت کا شکار ہو چکا تھا۔ ایک ہی گھر میں سارا دن بڑے رہتا۔ کھالیا لپی لیا اور سو گیا یا پھر ٹی وی پر لگا ہیں، جھانے پیٹھے رہتا جس سے وہ اکتا گیا تھا۔ اسے کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کب تک زبردستی رہنے کا حکم رہے گا۔ وہ باہر کئی نفاذوں میں رہنا چاہتا تھا اس کمرے میں تو اس کا دم گھٹتا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے جو بھی کیا تھا تو نئی تھا یا لیر قانونی اسے پونہیں ہے تو آزاد کر دیا تھا لیکن ایک ہی گھر کے اندر تک محدود رہنے کی مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ اگرچہ وہ اس تنہائی سے اکتا گیا تھا لیکن اس تنہائی نے اسے ایک قائمہ بھی پہنچایا تھا کہ وہ اب تک کی ساری جمع تفریق کر چکا تھا جس کا حاصل کچھ بھی نہیں آیا تھا۔

اسے ابھی طرح یاد تھا کہ جب وہ کانچ کے ابتدائی دنوں میں تھا انہی دنوں ایک طلبہ تنظیم کے چند لوگ اس سے بہت ملتے تھے وہ اس کی باقاعدہ دعوت کرتے اور اپنے مخصوص انداز میں مذہبی باتیں کیا کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے وہ بھی ان کا ہم خیال ہو گیا یہاں تک کہ جب دو سال دوئم میں آیا تو وہ بھی انہی کی طرح لوگوں کو اپنا پیغام سنا ہوا دکھائی دینے لگا۔ یہی اس کی ابتدا تھی لیکن شاید ابھی اس کی یہ ابتدا نہیں تھی۔ ابھی وہ اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے والد کو جنید کی سرگرمیوں کے بارے میں جب تھوڑا بہت علم ہوا تو اس نے بہت جلد سے اپنے بیٹے کو بھلایا۔ اس کے تئیں وہ اپنے بیٹے کو ابھی طرح سمجھا چکا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ پورے دن میں ایک دو گھنٹے اپنے باپ کے ساتھ گزارنے والا جنید باقی ڈیڑھ سارا وقت اپنے ان دوستوں میں گزارتا جو اس کے تھکی ساتھی تھے۔ گرم خون اور مذہبی خیالات ان دنوں نے اسے ایسی راہ پر ڈال دیا کہ ایک دن وہ اپنے گھر کو خیر آباد کہہ کر اپنے تنظیمی ساتھیوں میں آ گیا جہاں سے اس کی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اسے باقاعدہ تربیت دی گئی اور ابن ساری

رکاوٹوں سے بچنے کے لیے جوں کے مقصد کی راہ میں حائل ہوتی تھیں، تحریر و تقریر سے لے کر اسلحہ چلاؤ تک اُسے سکھایا تھا۔ اب وہ ایک پختہ تنظیمی ساتھی تھا جس نے بہت ساری کارروائیاں کی تھیں اور ان دنوں وہ سارے ساتھیوں پر زور دیتے تھے۔

جنید کو یہ اچھی طرح احساس تھا کہ ان کی تنظیم ایک سیاسی جماعت کی ذیلی تنظیم ہے اور بہت سارے معاملات میں سیاسی حالات بہت اہم ہوتے ہیں۔ ان کی سیاسی جماعت بھی ایک خاص طرح کا انقلاب لانا چاہتی تھی اور وہ اس انقلاب کے لیے اپنی جان تک دینے کا عزم کیے ہوئے تھا لیکن کبھی کبھی جب اُسے اپنے والدین، یمن، بھائی یا داتے تو اس کا جی بھر آتا۔ وہ سوچتا کاش وہ بھی ایک عام سی زندگی گزار رہا ہوتا لیکن پھر اگلے ہی لمحے یہ خیال آ جاتا کہ وہ عام سی زندگی کے لیے بنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ ان خاص لوگوں میں شامل ہے جو قوموں کی تقدیر بدل دیا کرتے ہیں۔ اسی زخم میں بنانے اُس نے کتنے زخم کھائے تھے اور ایک سخت قسم کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔

اس رات ہتھیوں کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا جب ڈیٹان اُس کے پاس آ گیا۔ وہ بھی اُس کی طرح کسی جگہ پر تھا، تھالی سے اُستیا تو اُس کے پاس آ گیا تاکہ یہ پور ترین دن بکھرے خوشگوار گزریں۔ ڈیٹان اُس کا سینئر تنظیمی ساتھی تھا جس کے ساتھ وہ ان معرکوں میں شریک ہو چکا تھا جن میں اُس نے موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ سونے پر پھیل کر بیٹھ گیا تو ہتھیوں نے اُس کے پاس بیٹھے ہوئے کہا۔

”اچھا ہو گیا یا تم آگے ہو اور نہ منیں تو یہاں سے بھاگنے والا تھا۔“ ہتھیوں نے خوشی بھرے لہجے میں کہا۔

”کیوں بھاگنا کیوں چاہتے تھے۔۔۔؟“ ڈیٹان نے سہا سہا لہجے میں پوچھا۔

”اُستیا گیا ہوں یا ڈیٹان سے۔۔۔“ اُس نے عام سے لہجے میں کہا۔

”اوہ۔۔۔ منیں سمجھا کہیں تم میری طرح اپنے ہی خیالوں سے بھاگ آگے ہو۔“ ڈیٹان کے لہجے میں اچھا خاصا ذکا دکھایا ہوا تھا جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن ضبط کر رہا ہو۔

”خیالوں سے بھاگ۔۔۔ منیں سمجھا کہیں؟“ جنید نے واقفانہ لہجے میں پوچھا۔

”تم ایسے کرو تیار ہو جاؤ ہم آج کہیں باہر سے کھانا کھاؤ گے شہر سے دور کہیں اور اُنے میں تو ہوا وقت گزاریں گے۔“ اُس نے

انتہائی آگے ہوئے انداز میں کہا۔

”اڈیوار اخیریت تو ہے نا، کسی باتیں کر رہے ہو تم۔۔۔؟“ جنید نے اُس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بہت ساری باتیں ہیں کرنے کی۔۔۔ تم سے جو کہا ہے وہ کرو اور اگر تمہارا دل نہیں چاہتا تو صاف بتا دو۔ منیں کسی اور کے پاس چلا جاتا

ہوں۔“

وہ لہجے سے بولا تو جنید کو معاملہ خاصا سمجھ گیا اس لیے جھٹتے ہوئے بولا۔

”منیں کون سا نکار کر رہا ہوں۔۔۔ چلو تم فریق میں سے اپنی پسند کا کوئی مشروب لے لو اور منیں نہا کر آتا ہوں پھر چلتے ہیں۔۔۔ اب

خوش؟“ اُس کے لہجے میں معاملہ خاصا انداز تھا۔

"چاؤ پار—!"

ذیشان نے کہا اور فریج کی جانب بڑھ گیا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ ذیشان کی لڑائی ہوئی کار میں اس کے ساتھ بیٹھا تو ذیشان نے خوشدلی سے کار بڑھا دی تب جنید نے پوچھا۔

"ایک بات صحیح بتانا پارا تمہیں آج ہو کیا کیا ہے خاصے بدلے بدلے دکھائی دے رہے ہو؟"

"میں آج تم سے بچی باتیں ہی کرنے آیا ہوں۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ سب تم سے کہہ دوں گا تو میرے سن کا بوجھ بٹکا ہو جائے گا

بلکہ اپنے آپ کو بھی مطمئن کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ تمہارا یہ سوال بنا ہے کہ آخر میں ہی کیوں؟ تو سنو۔ میں نے اپنے سارے لوگوں پر نگاہ دوڑائی ان

میں تم ہی مجھے ایسے معقول بندے دکھائی دے گئے جو جس سے بات کروں 'مشورہ کروں۔ اپنے آپ کو جانچ سکوں کہ میں غلط ہوں یا صحیح۔۔۔؟"

ذیشان تو جیسے پھٹ پڑا اور ہا ہوں کو لگا جیسے ذیشان ذہنی طور پر بہت ہی زیادہ منتشر ہے۔ وہ اس کی کیفیت کو بھی طرح سمجھتا تھا۔ ایسی

کیفیت کبھی کبھی اُس پر بھی طاری ہو جایا کرتی تھی لیکن ایسا اس وقت ہوتا جب وہ کسی طرح سے بھی ذہنی انتشار کا شکار ہوتا۔ جنید کو احساس ہو گیا کہ

ذیشان کے اندر بہت ساری باتیں ایسی ہیں جنہیں وہ کہہ دینا چاہتا ہے تو وہ باتیں اُسے سن لینا چاہئیں۔۔۔ اُس نے بہت غامضی سے کہا۔

"میں تمہاری ساری باتیں سنوں گا اور جہاں تک ہو سکا تمہیں بہترین مشورہ دوں گا۔"

"جنید—!" ذیشان نے چند لمبے لمبے کہا اور لوہو بھر دتھے کے بعد بولا۔ "ہماری زندگی کیا ہے پارا کبھی تم نے سوچا کہ عام انسانوں سے

بہت کرم یوں زندگی بسر کر رہے ہیں جیسے ہم کسی جنگل کے باسی ہوں۔ چھتے پھرتے ہیں گھات لگاتے ہیں شکار کرتے ہیں اور ہر لمحہ شکار ہو جانے کا

ڈر لگا رہتا ہے۔" اس کے لہجے میں خوف سے زیادہ اکتاہٹ تھی۔

"تمہیں یہ خیال کیوں آیا۔۔۔؟" اُس نے دھیرے سے پوچھا۔

"خیال؟— یہ محض خیال نہیں ہے پارا ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس میں ہم زندہ ہیں۔" وہ تکی سے بولا۔

"تم صرف ڈیمو نیشن کا شکار ہو رہے ہو۔ یقیناً کیسا نیت اور تمہائی نے۔"

"تم یہ کتابی باتیں کر کے میرا دماغ مت خراب کر دو وہ بات کرو جو حقیقت ہے۔ زندگی تلخ اور تکی حقیقت— مجھے لگتا ہے تم سوچتے سمجھتے

کی صلاحیت کو بیٹھے ہو۔ تمہاری آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہے اور تم کو لہو کے تیل کی مانند ایک دائرے میں گھومتے چلے جا رہے ہو پارا کبھی سوچا ہے

ہوئے جانور کی طرح وہی کرتے ہو جو جگمگاتا ہے۔"

"میں اب تک نہیں سمجھ پایا ذیشان اکا فریم کہتا کیا جاتے ہو؟ تم پورے استاد کے ساتھ میرے ساتھ بات کر سکتے ہو۔" جنید نے

کہا تو اس وقت تک وہ ایک بہترین ہوٹل کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

"اندر بیٹھ کر سہولت سے بات کرتے ہیں۔"

ذیشان نے کہا اور گاڑی پارکنگ کی جانب موڑ دی۔

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے کھانے کا آرڈر دے چکے تھے اور جنید اس انتظار میں تھا کہ وہ کوئی بات پھینے چکے ڈیٹان سوچی رہا تھا کہ بات کا آغاز کہاں سے کرے؟ پھر اسی نے خاموشی توڑی اور بولا۔

”تم اور میں یہی جانتے ہیں نا کہ ہم ایک عقلی ترین مقصد کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہماری دوستی اور دشمنی اللہ کے لیے ہی ہے لیکن کیا حقیقت میں ایسا ہی ہے؟“

اس کے یوں کہنے پر جنید چونک گیا۔ وہ بہت ہی اہم معاملے پر بات کرنے جا رہا تھا۔

”تم کیا سوچتے ہو۔۔۔؟“ ہمایوں نے پوچھا۔

”میرے سوچنے یا نہ سوچنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوگی میرے دوست!۔۔۔ تم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟“

”ویسے تو ہمارا مقصد بہت ہی عقلی و ارفع ہے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور ہم اس کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔۔۔“ جنید نے اسے مقصد یاد دلایا۔

”تمہارا کہنا بالکل درست ہے ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اس سے کوئی بھی مسلمان انکار نہیں کر سکتا اور نہ کرنا چاہیے اور دوسری بات کہ کوئی بھی مذہب یا تنظیم ہو اس کا پیغام اس کی تعلیمات بہترین اصولوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے ہی پیغام اپنی ہی تعلیمات کے اصولوں پر کاربند رہتے ہیں اگر کاربند رہتے ہیں تو اس کا نتیجہ انسانیت کے حق میں ہوتا ہے۔۔۔ میں سوال کرتا ہوں کہ کیا خدا جگ چاہتا ہے؟“

”تم مجھے بہت زیادہ منتشر لگتے ہو ڈیٹان اکہیں تم۔۔۔“

”ذرا صبر متیں اپنی تنظیم کے خلاف نہیں جا رہا لیکن ایک انسان ہونے کے ناطے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تو رکھتا ہوں نا؟۔۔۔ میرے دماغ میں بھی سوچ آتی ہے۔ میں جو دیکھتا ہوں اس پر مجھے بھی یہ فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ میرے سامنے جو کچھ ہو رہا ہے آیا وہ درست ہے یا ناطے؟۔۔۔ مجھے سبق دینے والے مجھ پر حکم چلانے والے اگر خود ہی اپنے قسم سے انحراف کر جائیں تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔۔۔ بولا تم اس پر کیا کہتے ہو؟“

”میں۔۔۔“ جنید نے چونکے ہوئے کہا۔ ”میں پھر اپنا ہی فیصلہ کروں گا۔“

”نہی میرا حال ہے میں اپنا فیصلہ خود کرنا چاہتا ہوں لیکن المیہ یہ ہے کہ میں اب اپنا فیصلہ بھی خود نہیں کر پاؤں گا۔ میں نے جب بھی کچھ بولا ان کے اعمال پر اعلیٰ افضائی تو نوازا قرار دے دیا جاؤں گا۔ تب دنیا میں جو میرے ساتھ فیصلہ ہونا تھا وہ ہو جائے گا مگر آخرت میں کیا ہوگا۔ مجھے جنت ملے گی یا دوزخی ٹھہرا دیا جاؤں گا؟“

”ڈیٹان تم تو بہت آگے کی سوچ رہے ہو۔“

”تم یہ مانتے ہو نا کہ میں تم سے بہت پہلے اس تنظیم میں ہوں۔“ ڈیٹان نے اس کی نشی ان نشی کرتے ہوئے کہا۔ ”بلاشبہ اس کا مقصد نیک ہے لیکن اس کا نتیجہ۔۔۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے ہی ساتھیوں کا خون رائیگاں گیا اور کیا میرا خون بھی

رائیگاں جائے گا؟

”منیں اب تک منیں سمجھ پاؤں کہ ختم کہنا کیا چاہتے ہو۔۔۔“ جنید نے زور دے کر کہا۔

”تم بس سناؤ اور پھر اس پر غور کرو فیصلہ کرنے کا تمہیں اختیار ہے۔“ یہ کہہ کر وہ بھر بھر کو خاموش ہو اور پھر کہتا ہوا گیا۔ ”وین میں جہاد فرض ہے مجھے اس سے قطعاً انکار نہیں اور جہاد کرنے میں فرض ہے۔ غیر مسلم پوری طرح زور لگاتے ہیں کہ مسلم اُسے سے جہاد نکال دیا جائے مگر یہ ان کا حق نہیں ہے۔ وہ قرآنی تعلیمات کو نہیں ختم کر سکتے اور امت مسلمہ کی بقا ہی اس میں ہے کہ وہ جہاد پر کار بند رہے۔ منیں یہ چاہتا ہوں کہ جب ہم جہاد کے لئے نکلے تو ہمیں یہ پورا یقین ہو کہ ہم واقعی جہاد کر رہے ہیں لیکن چند لوگوں کے فیصلے پر سب کچھ ختم ہو جاتا ہے کیا اللہ کا قانون بدل جاتا ہے؟“

”یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔؟“

”منیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ منیں نہیں کہتا یہ مفادات کا کھیل ہے یا ہم کس کی لڑائی لار رہے ہیں لیکن جو ہمیں حکم دیتے ہیں ان سے تو سوال کرنے کا حق ہے کہ ان کا فیصلہ جدوجہد کو تیز کر رہا ہے یا اس پر ٹیکر پھیر رہا ہے؟۔۔۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے لے کر آج تک پر غور کرو۔ تمہیں میری باتوں کی تائید میں بہت کچھ ملے گا۔ ایک مجرم اگر کوئی جرم کرتا ہے تو اپنے مفاد کے لیے کرتا ہے لیکن ہم کیا کر رہے ہیں؟“

”ڈیٹان کیا تم نے ایسا سمجھ دیکھا۔۔۔؟“ پہلی بار وہ اس کی مٹھلکو کھینچے ہوئے ہوا۔

”ہاں بہت کچھ۔۔۔ سچی تو منیں نے اپنے طور پر سوچا ہے کہ تم سے مشورہ کر رہا ہوں کہ بولا تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“

”جب تک میری پاس کوئی ٹھوس جوت نہیں ہوگا اس وقت تک میں کوئی بات نہیں کروں گا۔۔۔“

جنید نے اس لہجے میں کہا۔ اس سے پہلے کہ ڈیٹان کچھ کہتا ان کے سامنے کھانا چننا جانے لگا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ دینر جب کھانا رکھ کے چلا گیا تو ڈیٹان نے کہا۔

”فی الحال کھانا کھاؤ۔۔۔ رزق سامنے آ گیا ہے باقی باتیں بعد میں۔۔۔“

اس دن جنید کے سامنے بہت ساری باتیں آئیں۔ دراصل وہ جس جماعت کی ذیلی تنظیم میں تھے ان کے فیصلے تو سیاسی جماعت کے بڑے لیڈر ہی کرتے تھے اور انہیں حکم سنا دیا جاتا تھا پھر وہ بلا چون و چرا حکم کی تعمیل کر دیتے۔ لیکن کچھ عرصے سے قائدین ایسی راہ پر چلنے لگے تھے جسے مفاہمت نہیں مفادات کا حصول کہا جاسکتا تھا۔ ان کے فیصلے انہی کے پیغام کے منافی جا رہے تھے اس لئے تنظیمی لوگوں میں استہوار کی کیفیت پیدا ہو جانا نظری عمل تھا۔ جس قافے پر قائد کی گردنت ندر ہے وہ قوالہ کھری جایا کرتا ہے۔ ڈیٹان کی دور رس نگاہیں سب دیکھ رہی تھیں۔ جنید نے جب کھلی آگھوں سے سارے معاملات کو دیکھا تو نہ صرف چونکا بلکہ مایوس بھی ہو گیا مگر اسے یہ یقین نہیں تھا کہ قائدین کا وہ یہ مفاہمت بھرا ہے مفادات کے حصول کے لیے یا پھر ہسپائی ہے کیا ہے؟ اس یقین کے ساتھ اس کا فیصلہ بھی متوقع تھا۔ جو کچھ بھی تھا وہ اپنی جگہ لیکن پہلی بار اس نے اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ یہ اس کے لیے ایک بہت بڑی تہدلی تھی۔

☆☆

رات کا گہرا اٹا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ ہاتھوں اپنے بوسیدہ سے کمرے میں بیٹھا ہوا مسلسل سوچ رہا تھا کہ ان چند دنوں میں اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ ان دو واقعات نے اسے چھوڑ کر رکھ دیا تھا یہاں تک کہ اس کی سوچوں کی بنیاد ہی ٹل گئی تھی۔ یوں جیسے کسی نے اس کے اندر زہر کا کچ بودیا ہو۔ شاید اس کے اندر کی زمین زٹی تھی مگر جیسے ہی حالات کے زیر کالج اس کے اندر بودیا گیا تو اس نے اپنا رنگ رنگ دکھانا شروع کر دیا۔ اسے احساس ہونے لگا کہ جیسے اس کے اندر کی دنیا میں کہیں تہدلی ہونا شروع ہو گئی ہے۔ وہ جس قدر ان واقعات کو مٹانا چاہتا وہی قدر اسے یاد آتے تھے۔ شرمندگی اور اپنی کم ہمتی کا احساس اس کے اعتماد کو بڑو بڑو کر رہا تھا۔ وہ خود کو دنیا کا احسن ترین شخص محسوس کر رہا تھا۔ جس کی عقل نجانے کہاں کھو گئی تھی۔ پہلی بار اسے معاشرے کے بارے میں سوچنے کی تحریک ملی تھی۔ اس کا اپنے آپ سے پہلے سوال ہی یہی تھا کہ اس نے غلط کیا ہے یا پھر اس معاشرے کی اخلاقی قدریں ہی ذم توڑ گئی ہیں۔ یوں اس نے اپنے رویے کے بارے میں سوچا اور معاشرے پر بھی غور و فکر کیا جس کا جواب اسے یہی ملا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے من گھڑت ہیں۔ اسے خود بدلنا ہوگا یا پھر اس معاشرے کو تبدیل کرنے کا بندوبست۔ اس معاشرے میں سانس بھی نہیں لے سکتا۔ اس کا اعتماد ٹوٹ چکا تھا۔۔۔

شخصیت کو پارہ پارہ کر دینے والی ایسی سوچوں میں وہ گن تھا اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ باہر اندھیرا کس قدر ہو گیا ہے اس کے گھر والے کیا کر رہے ہیں یا پھر اس کی اپنی دنیا کیا ہے۔ وہ تقریباً ہر معاملے میں یوں بے نیاز ہو گیا تھا کہ جیسے وہ اس دنیا کے لیے بنا ہی نہیں ہے۔ اس کے اندر یہ احساس شدت سے گردش کر رہا تھا کہ اس معاشرے کے جو معیار بن چکے ہیں ان پر وہ ہر آنکھ اترتا سوا اس کی حیثیت ایک مفلوج شخص کی ہی ہے جو اس معاشرے کے لیے کسی طرح بھی کارآمد نہیں ہے۔

"ہاں یوں۔۔۔ اور اے ہاں یوں۔۔۔!"

اس کے باپ نے کمرے میں آ کر اسے مخاطب کیا تو وہ چونک گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا باپ اور اس کے چہرے غمزہ چہرے لیے اس کی ماں ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"جی۔۔۔" وہ سیدھا سیدھا ایٹھ گیا۔

"بیٹے! یہ کیا حالت حال ہے تم نے۔۔۔؟" انور علی نے اس کے قریب پڑی کر ہی پر بیٹھے ہوئے کہا تو اس کی ماں بھی اس کے بستر پر بیٹھ گئی۔

"سن۔۔۔ نہیں ٹھیک ہوں! ہاں جی! آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔۔۔؟" وہ تیزی سے بولا۔

"نہیں تم ٹھیک نہیں ہو۔۔۔ تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم ٹھیک نہیں ہو۔" اس کی ماں نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

"کیا ہوا ہے مجھے؟۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔" اس نے خود کو منہا لٹے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بیٹے! ہم جانتے ہیں کہ کیا ہوا ہے اور اس کا اثر تم پر کیا ہو رہا ہے۔ تم ابھی اتنے بچھڑا نہیں ہوئے ہو کہ اس دنیا کو سمجھ جاؤ یہ بہت ظالم ہے لیکن اس دنیا کا مقابلہ تو کرنا ہے میرے بیٹے! اور وہ لوگ جو مضبوط نہیں ہوتے انہیں تو یہ دنیا رگید کر رکھ دیتی ہے۔ اس دنیا میں بہت سارے

خلق بنا ہے خلق بنا

ناکردہ گناہوں کی سزا بھی مل جاتی ہے۔" اس کے باپ نے بے چارگی سے کہا۔

"ابا جی! میں نے آج تک یہی کتابوں میں پڑھا۔ آپ نے بھی ہمیشہ چھائی کی تعلیم دی۔ آپ بتائیں! میں نے کیا جرم کیا تھا۔ ایک شخص کو جو قتل کا کارکھالانا جاتا ہے اسے لاقولونیت سے ہارنے کے لئے ہی کہا تھا اور اس نے میرے ساتھ کیا کیا میری شخصیت تک مسخ کر کے رکھ دی! ایک ہی جگہ کے لئے میں میری اوقات مادی۔۔۔" وہ قدرے تلخ لہجے میں بولا۔

"کتابوں میں پرانی باتیں لکھی گئی ہیں اور ہم بھی پرانے زمانے کے بندے ہیں۔۔۔" اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا پھر ایک لمحے کو اس نے اپنے بیٹے کے چہرہ پر لگاؤ ڈالی اور چیزی سے بولا۔ "بس تم اس دنیا میں حوصلے سے جینا سیکھو کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے تمہیں دکھ ہو۔۔۔"

"ابا جی! میں تم سے یہ پوچھتی ہوں تم آخر حریفہ کے کارٹ کیا لینے گئے تھے۔۔۔ تم جانتے اور نہ وہ تمہارے ملنا بچہ مارتی؟"

اس کی ماں نے اپنی روش میں کہا تو وہ چونک گیا۔ اس کی ماں کے لہجے میں آگ تھی نفرت کی آگ جسے وہ باوجود کوشش کے چھپا نہیں پاتی تھی۔ اس سے اعزاز ہو رہا تھا کہ وہ بھی کتنی بے بس ہے۔

"امی! یہ بات آپ کو کس نے بتائی۔۔۔؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کی ماں زرتون بی بی نے۔۔۔ اس گھر میں آپ تک ہی عورت کا دماغ درست ہے ورنہ سب دولت کی چکا چوند کے سامنے اپنے حواس کھو بیٹھے ہیں۔ انہیں یہ ہوش ہی نہیں کہ ان کا خون رشتہ بھی کسی سے ہے وہ تو۔۔۔"

نسب ہی روش بہت کچھ کہتا چاہتی تھی کہ انور علی نے ٹوکے ہوئے کہا۔ "نیک بخت! کیوں خواہ مخواہ اپنا خون چارہ ہی ہے۔ بات خون رشتے کی نہیں ہے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی کسی سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا تو اس میں زور زبردستی کیا ہے۔ ان کے پاس اگر دولت ہے تو ان کی محنت کی ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم امارت میں ان کے ہم پل نہیں۔ وہ اب کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو گئے ہیں تو کیا ضرورت ہے ان سے تعلق رکھنے کی کیا ان کے بغیر ہم زندہ نہیں رہیں گے؟" اس کے لہجے میں دکھ تھا ہوا تھا۔

"یہی تو سننا کہتی ہوں۔۔۔ جب یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ ہم سے ہر تعلق ہر رشتہ توڑ پھینکے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے ان سے رابطہ رکھنے کی۔۔۔؟"

نصیب نے اپنے خاندان کی ماں میں ہاں ملائی۔ اس پر بیویوں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ اچھی بات میں اس کے اندر سے آواز ابھری کہ کیا واقعی اس نے غلطی کی تھی؟۔۔۔ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ تباہ ہوتا تو اس پر سوچنا لیکن اس وقت تو اس کے والدین اس سے مخاطب تھے۔

"دیکھو ہاویں! تو بھولی جا کر دو ہمارے رشتے دار ہیں۔ ہم نے تو کوشش کی تھی لیکن انہوں نے ہمیں ہار کر رکھا یا کہ اب وہ ہمارے لیے اجنبی بن چکے ہیں۔ ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں بھولنا ہوگا۔ اب کبھی ایسی بات ذہن میں نہ لانا۔"

"۔۔۔ اور سن تو چکے ہیں کہ دکھ تیرے لیے اچھے سے اچھے گھر کا رشتہ لاؤں گی وہ لوگ بھی رخصت کریں گے۔"

"زندگی باہمی اور کمزوری سے نہیں گزارنی جاتی، خود میں اعتماد پیدا کرو۔ خود کو جتنا مضبوط بنا سکتے ہو، اتنا تم کامیاب ہو گے۔"

اُس کے والدین اسے نصیحتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ نجانے انہوں نے کیا کہا، کیا کہا سمجھاتے رہے لیکن وہ کچھ بھی نہیں سن پارہا تھا۔ ان لمحات میں اُسے اپنی بے عزتی، شرمندگی اور کم ہانگی کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اندر سے اٹھنے والی وکھ کی لہر کو سہارنا چاہا۔ وہ سستی حق ویر تک یونہی پڑا رہا۔ وہ اپنی ساری سوچوں کو ذہن سے نکال کر پیٹک دینا چاہتا تھا۔ کتاب بے بس ہو جاتا ہے انسان جب وہ کبھی خالی الذہن ہونا چاہتا ہے، جب اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی بھی سوچ اُس کے دماغ میں نہ آئے لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ خیال کے بغیر دماغ اسی وقت ہوتا ہے جب زندگی نہ رہے، زندگی اور خیال مشروط ہیں۔ سبھی کبھی تو خیال اس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن خیال اس دنیا میں موجود رہتے ہیں جو حقیقت میں کرنا آپ منوالیے ہیں۔

ہاویوں کے والدین بھی سمجھے کہ اُسے نیند آ رہی ہے، وہ اُسے چھوڑ کر کمرے سے چلے گئے تھے جبکہ وہ جاگ رہا تھا اور اپنی نکلش میں تھا کہ گزشتہ چند دنوں میں جو اُس کے ساتھ ہو چکا ہے، اُس کی یادیں کسی طرح اُس کی زندگی سے تھپیل ہو جائیں مگر ایسا ہونے میں پارہا تھا۔ واصل اُسے یہ علم ہی نہیں تھا کہ خیالات کو راستہ دینا چاہئے اس پر بھی نہیں رہنا چاہئے۔ نئے خیال آتے ہی تب ہیں جب پرانے خیالات کو ذہن سے محو کر دیا جائے۔ پھر ایسے میں وہ اسے انسان کو بھٹکا دیتے ہیں کیونکہ دوسرے بھی تو خیال ہی ہوتا ہے مگر ہر خیال دوسرے نہیں ہوتا۔ خیال تو اپنے من کا گھس ہوتے ہیں۔ اگر انسان تمہارا غور سے اپنے خیالات کو دیکھے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کا من کیا کہتا ہے۔ وہ خود کسی خواہشیں کیسے ارادے اور کسی امیدیں رکھتا ہے۔ اپنی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اپنے ہی خیالات کو جانچنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ خیالات کبھی نہیں رکتے وہ بہتے پانی کی مانند آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن اگر انسان کسی دوسرے پر جم جائے تو یہی دوسرے خیال کا روپ دھار کر اس کے مقصد کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے دوسرے کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ دوسرے کو اگر من کی تائید مل جائے تو انسان کا اپنے مقصد سے ہٹ جانا لازمی ہو جاتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب وہ بیکو نہیں رہتا اور منتشر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اختیار انسانی شخصیت کو چوک کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہاویوں ایسے ہی لمحے میں زکا ہوا تھا۔ وہ انہی خیالات کے ساتھ جم گیا تھا، دوسرے اُسے ڈرا رہے تھے اور کوئی مثبت سوچ اُسے حوصلہ نہیں دے رہی تھی۔ دور کئی لاشوں میں یہ یقین ضرور موجود تھا کہ یہ حصار اُسے ختم کر کے رکھ دے گا جس قدر جلدی ممکن ہو سکے اُسے یہ حصار توڑنا ہو گا مگر یہ کیسے توڑے گا؟ اس سوال کا جواب ہی اُسے نہیں مل پارہا تھا۔ یہ جواب کیسے ملتا؟ اس کا ذہن ہی یادوں سے خالی نہیں تھا۔ وہ انہیں محو کرتا تو جواب ملتا۔ وہ بے بس ہو گیا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جائے اور اُس سب انپیکر کو پکڑ کر اپنا سارا بدلہ لے لے اور صفیہ!۔۔۔ کیا اُس سے غمناخے کا بدلہ نہیں لے گا؟ اُس کے اندر سے یہ سوال اُبھرا تو وہ تڑپ کر رہ گیا۔ وہ انپیکر کو تو بھول سکتا ہے لیکن صفیہ کے اس نثر سے بھرے رویے کو نہیں۔ وہ لہو اُس کی زندگی میں پتھر کی مانند گڑ گیا تھا وہ چاہتا بھی تو اسے بلا نہیں سکتا تھا۔ بلاشبہ اُس کی ساری سوچیں اس کے گرد گھومتی تھیں۔ اُسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آئندہ اُسے کیا کرنا ہے؟۔۔۔ رات کے ان لمحات میں اُسے کچھ بھی سمجھائی نہیں دے پارہا اس لیے وہ آنکھیں موٹ کر انہی یادوں کو بھلاتے ہوئے نیند میں کھو گیا۔

☆☆

اس دن راحیلہ کا آف تھا۔ جبکہ سرین جوزف اپنے آف کے بعد گھر سے آج آنے والی تھی اور اس کی ڈیوٹی شام کے وقت شروع ہونا تھی سو وہ پھر سے قہر سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ صبح صبح ہی اُس نے اپنے ضروری کام نمٹا لیے تھے اور اس وقت پہنچے بھر کی تکلیف اُٹارنے کے لیے بستر پر فینڈ کے انتظار میں پڑی تھی۔ اس وقت وہ سونے اور جاگنے کے درمیان تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بھا۔ پہلے اُس نے اچھا وہم ہی سمجھا کہ دستک بہت دھیمی تھی لیکن جب قدرے تیز دستک دی گئی تو اُسے یقین آ گیا کہ باہر کوئی ہے۔ وہ اٹھی اور دروازے کی جانب لپکی اور واہ کھولا تو سامنے سینئرز تھی جس کے ہونٹوں پر دھیمی سی طویل مسکراہٹ تھی۔ راحیلہ کے بدن میں غصے کی ایک لہر سرایت کر گئی کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اس کی آخر سے نہیں ہو سکتی لیکن پھر بھی اُس نے خود پر توجہ پور رکھا اور دھیرے سے بولی۔

”جی۔۔۔؟“

”کیا امیر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟“ سینئرز نے مسکراتے ہوئے کہا تو اُس نے کوئی لفظ کہے بنا راستہ دے دیا۔ وہ امیر آ کر بے تکلفی سے اُس کے بستر پر بیٹھ گئی اور کمرے کی حالت دیکھنے لگی۔ راحیلہ کرسی پر بیٹھی تو وہ بولی۔ ”راحیلہ! تمہاری طرح تمہارا کمرہ بھی بہت سادہ ہے۔“

”منی! اسی میں سکون محسوس کرتی ہوں میڈم!“ وہ دھیمی سے انداز میں بولی۔

”سکون۔۔۔“ وہ یوں بولی جیسے خود کلامی کر رہی ہو پھر راحیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”ہم کتنے مجبور اور بے بس ہوتے ہیں کہ اپنی نارسا بیویوں کو بھی سکون کا نام دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی ایک پر سکون زندگی کا اپنے چند اصولوں کی خاطر ٹھکراتے ہیں۔ دراصل اس میں ہمارا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ وہ اصول زندگی کی صحیح تصویر بھی غلط منظر کے دکھاتے ہیں جس سے ہمیں سمجھ ہی نہیں آتی۔“

”میڈم! منی! یہ نہیں کہوں گی کہ آپ غلط کہہ رہی ہیں۔ آپ کے پورا محنت آف ویل سے یہ ٹھیک ہوگا مگر یہ بھی تو دیکھیں کہ یہ اصول کہاں سے آئے ہیں۔ یہ ہمارے دین نے نہیں بنائے ہیں۔ اگر ہم اس پر عمل پیرا نہ ہوں گے تو نہ اس دنیا کے رہیں گے اور نہ آخرت کے۔“

”دیکھو دین! دنیا اور آخرت کا فلسفہ اپنی جگہ لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کہ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں کیا اس معاشرے میں اپنے اصولوں پر ڈٹے رہنا ہی نہیں ہے کہ جیسے ہم حالت جنگ میں ہوں۔ ہم سیدھے راستے پر چلتے ہیں تو لگتا ہے کہ کہیں سے بھی کوئی تیرا آگے کا ایسا تیر جو حضرت کے زہر میں بھینکا اٹھایا ہوں کی کمان سے نکلا ہو۔ اگر یہ سارے اصول سچے ہیں انسان کی فطرت کے لیے ہیں تو پھر انہی اصولوں پر چلتے ہوئے بیٹھا کیوں مشکل ہو جاتا ہے۔ دینی احکامات کی پاسداری کیوں نہیں ہے ان معاشرے میں کہیں ہم خود غلط تو نہیں ہیں؟“ سینئرز اب بھی یوں ہاتھیں کر رہی تھی جیسے خود کلامی کر رہی ہو پھر ٹرانس میں ہو۔

”میڈم! منی! کبھی نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔۔۔“ راحیلہ کو حیرت ہوئی کہ آخروہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

”خدا انظر! ستہ میں دینی اصولوں کو غلط نہیں کہہ رہی لیکن وہ اصول ہیں کن کے لیے؟۔۔۔ ہمارے لیے ہی ہیں؟ تو ہم ہی اپنے رویے اور غرض عمل سے ان کا انحراف کر رہے ہیں۔ اگر ہمارا معاشرہ پوری شرح ان اصولوں پر چلے تو ہمارے یہاں پر رہنے کا جواز ہی نہیں ہے۔ ہم چار دیواری میں عزت کے ساتھ رہیں یوں در بدر کی شوگرین نہ کھائیں۔۔۔ منی جانتی ہوں تمہارے بارے میں تم ایک عقیم لڑکی ہو۔ تمہارا دادا

سہارا۔۔۔ نہیں بلکہ تم واحد سہارا ہوا پنی ماں کا جو غربت کے دن یہاں سے دور ایک گاؤں میں گزار رہی ہے۔ تم کیوں مجبور ہو؟۔۔۔ یہاں پر ایک جنگ تم پر مسلط ہے۔ غربت سے لڑ رہی ہو اپنی عزت کے لیے لڑ رہی ہو اپنی خواہشوں، امیدوں اور آرزوؤں سے لڑ رہی ہو۔ وہ اصول تو یہ بتاتے ہیں کہ یہ مجبور یا تمہارے گھر میں داخل یعنی نہیں ہو سکتیں تو پھر۔۔۔؟" میڈم نے پہلی بار اس کی نگاہوں میں دیکھا تھا۔

"میڈم! کیا آپ نہیں سمجھتی کہ زندگی جدوجہد کا نام بھی ہے۔ میں یہ بھی مانتی ہوں کہ آپ غلط نہیں کہہ رہی ہیں لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہم جنہیں سچے اصول سمجھتے ہیں انہی کے خلاف بغاوت کی جائے۔ ہم نرالی کے خلاف بھی تو بغاوت کر سکتے ہیں۔ اخلاقی قدروں سے عاری ہمارا یہ معاشرہ اگر گڑھے میں گر رہا ہے تو کیا ہم جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس گڑھے میں گر جائیں۔۔۔ میں مانتی ہوں کہ یہ معاشرہ بہت ظالم ہے لیکن یہ بھی مانیں کہ اگر یہ ظالم ہے تو اس میں کچھ اچھائیاں بھی ہیں ورنہ یہ کب کا تاروہر باد ہو چکا ہوتا۔" راحیلہ نے دھمکے انداز میں اپنی بات کہہ دی۔

"بالکل۔۔۔ زندگی کو ہم جن سطحوں میں بھی لیتا چاہیں لے سکتے ہیں۔ بس یہ زندگی ہے جس سے فرار بہت مشکل ہے۔ کبھی کبھی اتنی تلخ حقیقتیں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں کہ باوجود کوشش کے ہم ان سے بھاگ نہیں سکتے۔! جسے منہ نہ کھان ہیں کہ بندہ ان میں پھنسن کر رہ جاتا ہے۔ نرالی ایک ایسی دلدل ہے جس میں سے انسان نکل ہی نہیں سکتا۔"

"ہاں ایک طریقہ ہے جب انسان اپنے خالق پر بھروسہ کرے تو انسان کا اختیار۔۔۔"

"انسان کا اختیار ہی تو اتنے جاں مانے بیٹھا ہے کہ دوسرا بچنے کی خواہش کے باوجود پھنسن جاتا ہے۔۔۔ خیر میرے آنے کا مقصد نہیں پوچھو کی تم۔۔۔؟"

میڈم نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو راحیلہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس کے علاوہ اور کیا کچھ سکتی ہوں کہ آپ مجھے بغاوت پر آمادہ کرنے آئی ہیں۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ میں تمہیں سمجھانے آئی ہوں کہ یہ جو ہزار ماحول ہے تا اس میں ان دیکھے! اتنے پھنسنے ہیں کہ باوجود کوشش کے ان سے بچا نہیں جاسکتا۔ تم یہاں پر زندگی کو دس کرنے آئی ہو۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم فقیر اپنی صحت اور کوشش سے یہ کورس مکمل کر کے یہاں سے چلی جاؤ گی؟۔۔۔ نہیں ایسا ممکن نہیں ہے۔"

"کیا آپ مجھے۔۔۔"

راحیلہ نے کہا جاتا تو میڈم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے کچھ بھی کہنے سے روک دیا اور بولی۔ "میں بھی تمہاری طرح یہاں آئی تھی۔ مجبور بے کس اور غربت کی ماری ہوئی لیکن اب میرے پاس ہر وہ سہولت ہے جس کی میں خواہش کرتی تھی۔ میں نے اس سسٹم سے تمہاری طرح بغاوت نہیں کی بلکہ اس کا حصہ بن گئی ہوں۔ میں جان گئی ہوں کہ ہوس کے اس کھیل میں کون مجبور محض ہے اور کون خام مال کے ضرورت ہے اور کون بد پارٹی۔ جتنی میری تنخواہ ہے! اتنا تو میں نے پورے پائلر میں خرچ کر دیتی ہوں اور۔۔۔"

"آپ مجھے یہ بتانے آئی ہیں کہ آپ۔۔۔"

”پہلے میری بات سن لو تمہارا ممبر کرو۔۔۔“ میڈم نے کہا اور پھر لفظ بھر بعد بول: ”میں کہہ رہی تھی کہ ہر سال فی آنے والی لڑکیاں کوئی فوشی سے نہیں آتیں۔ ایسے ہی آتی ہیں جیسے میں تھی اور جیسے تم ہو۔ اس ماحول میں اسے سنبرے جاں ہیں کہ ان کی آنکھیں چکا چند ہو جاتی ہیں میری بھی ہوئیں لیکن تمہارے جیسی کئی لڑکیاں ہیں جن کی آنکھیں خیر نہیں ہوتیں۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے کوشش کی کہ تم بھی ہمارے جیسی ہو جاؤ تم نہیں ہوئیں۔“

”میڈم! آپ صاف لفظوں میں اپنی بات کیوں نہیں کہہ دیتیں۔۔۔؟“

”اس لیے کہ میں باوجود کوشش کے کہہ نہیں پا رہی ہوں شاید میں شرمندہ ہوں۔۔۔ خیر تم نے پریشان نہیں ہیں، میں ہوں تمہارے ساتھ۔۔۔ ان دنوں تمہارے بارے میں بہت کچھ کہا جا رہا ہے، خصوصاً ڈاکٹر جمیل کی طرف سے تو بہت زیادہ مخالفت چل رہی ہے۔ وہ انا کا مسند بنائے ہوئے ہے لیکن میرا جمیر مجھے ملامت کر رہا ہے کہ ایک مجبور اور بے بس لڑکی کو ہم لوگ کیوں تباہی میں دھکیل رہے ہیں۔ اس میں ہم سب لوگ شامل ہیں۔ آخری وقت تک تمہاری مخالفت کی جائے گی تمہیں جو کایا جائے گا لیکن تم اسی طرح اپنے اصولوں پر ڈٹی رہنا تم ٹھیک ہو، ہم غلط ہیں۔۔۔ تمہیں کوئی مسئلہ ہو مجھے بتانا۔۔۔“ میڈم نے یوں کہا جیسے ایک بہت بڑا بوجھ اس کے سر سے اتر گیا ہو۔

”تھیک ہے میڈم، میں جانتی ہوں کہ میرے ساتھ بہت کچھ ہوگا لیکن میں نے تو یہ کر لیا ہے کہ گناہ کی زندگی میں قدم نہیں رکھوں گی چاہے وہ جتنی سنبری ہے۔ میری کوشش تو یہی ہوئی کہ میں سکون سے یہ کورس ختم کر کے یہاں سے چلی جاؤں آگے کا پتہ نہیں مگر مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے۔“

”میری دعا ہے کہ تمہارا بھروسہ قائم رہے میں یہی کہنے آئی تھی۔“

میڈم نے کہا اور اٹھ گئی۔ تب راحیلہ نے بھی اسے مزید بیٹھنے کو نہیں کہا۔ میڈم نے چلی گئی تو وہ اپنے بستر پر اٹلی اور سوچنے لگی۔ اسے آن گھبرا۔۔۔“

کیا اس کا آنا اور اس کا ارادہ بھی کوئی سنبری جاں ہے۔ وہ اُن کے دامن میں دھکیں اور ڈراوے سے تو نہیں آئی۔ لیکن بے اس سے ہمدردی جتا کر ہی اپنا مطلب نکال لیا جائے؟۔۔۔ اس نے جواب تک وہی اذیت برداشت کی تھی اس نے اسے بہت تھکا کر دیا تھا۔ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کبھی بھی نہیں سوچ سکی تھی۔ اس کی سوچ اس سے آگے کبھی بڑھی ہی نہیں تھی کہ کسی نہ کسی طرح نرسنگ کورس مکمل کر لیا جائے۔ اس کے بعد جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ میڈم کی ذات کا ایک نیاز خ اگرچہ اسے حیرت زدہ کر رہا تھا لیکن اسے چہری طرح یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس حقیقت کو تو ہی وقت سامنے آنا تھا جب وقت کے ساتھ اس کا اظہار کیا جاتا اور جب فیصلہ وقت پر ہی ہے تو خواہ مخواہ سوچ کر وقت کیوں ضائع کیا جائے؟۔۔۔ اس نے میڈم اور اس کے خیالات کو ذہن سے نکالا اور سونے کی کوشش کرنے لگی لیکن شاید سونا اس کے مقصد میں نہیں تھا۔ اس وقت وہ صبح سے جاگنے کی ہی کیفیت میں تھی کہ دھک ہوئی جس کے ساتھ ہی نرسین جوزف کی آواز آئی۔ وہ اٹھی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر سامان و فیروزہ رکھ دینے کے بعد جب نرسین قفل سے ٹھٹھی تو راحیلہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آج تمہیں ایک حیرت انگیز بات بتاؤں؟“

”ہلو—!“

اُس نے بستر پر ناخنیں پھاڑتے ہوئے لاپرواہی کے سے انداز میں کہا۔ تب راحیلہ نے میڈم اور اس کے خیالات پوری تفصیل سے اُسے بتلا دیے۔ وہ حیرت سے سختی اور میان میں سوال بھی کرتی رہی، جب ساری بات سن لی تو وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

”راحیلہ! میں نہیں مانتی کہ وہ تمہارے ساتھ غلط ہوگی۔ وہ ایک نئے روپ کے ساتھ تمہارے پاس آئی ہے۔“

”میرا بھی یہی اندازہ ہے لیکن اس کے غلط ہونے کو پوری طرح سے رد بھی تو نہیں کیا جاسکتا ہے نا۔۔۔؟“

”بالکل رد نہیں کیا جاسکتا مگر اس کا پتہ تو تب ہی چلے گا جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے رویے کا پتہ چلے گا۔“ نرس نے بھی اُس کے خیال کی تائید کر دی۔

”ہاں سنیں یہ بات سوچ چکی ہوں۔“ دو دھیرے سے بولی۔

”تو اس تمہارا ہوا جس طرح اپنا وقت گزار رہی ہو گزرتی چلی جاؤ۔ خدا تمہاری مدد کرے گا۔“

”چلو چھوڑو دان باتوں کو۔۔۔ تم سناؤ گھر میں سب ٹھیک تھے۔۔۔؟“ راحیلہ نے پوچھا۔

”یہ تمہیں بتانی ہوں پہلے کچھ کھانی لیں۔۔۔ آؤ چلیں۔“

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور راحیلہ بھی باہر جانے کو تیار ہونے لگی۔

وہ میڈم کو اپنے ذہن سے نکال چکی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی وہ ساری باتیں بھی جو سچ تو تھیں لیکن دماغ کو خراب کرنے والی تھیں۔۔۔ اصل میں یہ بتانی ہی ہے نا کہ جب بھی کسی نظام یا شخص پر تنقید کی جاتی ہے تو اُس کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ پیش نظر اس نظام یا شخصیت کی خامیاں ہوتی ہیں یا پھر تنقید کرنے والا سبکی آگ میں جلتے ہوئے احمقانہ انداز میں اول قول کہتا ہے۔ فی زمانہ اگر مسلمانوں پر تنقید ہو رہی ہے تو یہ ہمارے ہی اعمال کا شاعرانہ بیبے۔ ہم ذہن نے تمہارے معیار کے ساتھ خود کو مسلمان کہلوانا پسند کر رہے ہیں۔ کسی کی تنقید کے جواب میں کچھ کہنے سے پہلے ہمیں اپنے اعمال اور رویے کا اندازہ لگانا چاہئے۔ اس میں نہ صرف ذاتی بلکہ قومی للاح ہے۔

☆☆

”تم نے بہت غلط کیا ہے“ صنفیہ! تم اُس کی بات سن لیتیں یا نہ بھی سنیں لیکن کم از کم تمہارا مارنے والی حرکت تو نہ کرتیں۔“

سملٹی نے دو بے غصے میں جائے کاسپ لیتے ہوئے صنفیہ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ چونک گئی اور پھر طنز یہ انداز میں بولی۔

”وہ کچھ اتنا خوبصورت موسم ہے اور کتنی پیاری ہوا چل رہی ہے۔ شام ڈھلنے کو ہے! اس لان میں بیٹھے ہوئے کیا بھنی بھنی پھولوں کی خوشبو

آ رہی ہے۔! جی حریدار چائے ہے۔! مجھے رو مانگ ماحول کو تم اُس گھٹیا شخص کا ذکر کر کے کیوں خراب کرنا چاہتی ہو؟“ آخری لفظ کہتے ہوئے اُس کا نہج تلخ ہو گیا تھا۔

”تم ایسی باتیں کر کے میرے سوا کاجواب گول نہیں کر سکتی ہو۔“ سملٹی نے بیعت آرام سے کہا۔

"تو پھر کیا کرتی؟ وہ مجھے باتیں کرنے کے لیے کسی رستوران میں لے جاتا۔۔۔ نہیں بلکہ وہاں کیوں لے جاتا اس کنگھے کے پاس وہاں جانے کی ہمت ہی نہیں۔۔۔ خیر نہیں اس کی بات سن لیتی تب وہ کسی اگلی ملاقات کے لیے وقت مانگتا۔ ممکن ہے کہ وہ کسی خوفی رشتے کا واسطہ بنا اختیار محبت کرتا۔ نہیں کیوں نہیں اسکی باتیں اور پھر تمہیں اپنی بہن سے زیادہ اس کا ڈرکھ مارے جا رہا ہے۔ نہیں کہتی ہوں کہ تم اور ماں اس موضوع کو چھوڑتے کیوں نہیں ہو؟" اس نے زچہ ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے اندیشے ہیں نہ کیا یہاں ہوتا۔۔۔ ممکن ہے وہ تم سے کوئی اور بات کرنا چاہتا۔۔۔"

"سنا نہیں تم نے۔۔۔ کیوں اس موضوع کی جان نہیں چھوڑتے آپ لوگ؟" اس نے پھر فیصہ میں کہا۔

"چلو چھوڑو۔ تم بہت زیادہ کھمدار ہو نا۔۔۔" سلمیٰ نے جملے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری بہن! ہر انسان کو اپنے بارے میں اچھا سوچنے کا پورا پورا حقدار ہے۔ تم بھی جب اپنے بارے میں سوچو گی تو اپنے ذرا کبھی نہیں چاہو گی۔ مجھے وہ شخص بالکل بھی پسند نہیں ہے تو آپ لوگ کیوں اسے مجھ پر مسلط کرنے کی باتیں کرتے ہو نہیں نے ابھی پڑھنا ہے اپنا آپ کو بڑا بس وہ بہن کے طور پر ثابت کرتا ہے کسی بھی ایگزیکٹو پوسٹ کا انجوائے کرتا ہے۔ نہیں ان نکمیزوں کے لیے نہیں بنی ہوں۔"

اس نے بڑے آرام سے اپنی بہن کو سمجھاتے ہوئے کہا تو سلمیٰ اس وی۔ اس کی کسی میں نظر تھا۔ مجرورہ دہان کی عیبی گی سے بولی۔

"تم اپنا آپ جس طرح بھی چاہو ثابت کرو ایک دن تو پرانے گھر جانا پڑے گا۔ پاپا ساری زندگی تو اپنے پاس نہیں بٹھا سکتے۔"

"ٹھیک ہے نہیں باقی ہوں کہ میری شادی ہوگی لیکن ہوں جیسے لوگوں کا تو نہیں تصور بھی نہیں کر سکتی۔ وہ جو خود بھوکے ہیں نہیں وہاں کیا کروں گی جا کر۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو کیا پھر تمہارے لیے شہزادہ آئے گا۔" سلمیٰ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"شہزادہ آئے گا نہیں آچکا ہے۔" اس کے لہجے میں غرور تھا۔

"کیا کبہر ہی ہو تم۔" سلمیٰ حیرت زدہ رہ گئی۔

"میری بھولی بہن! تمہارا کیا خیال ہے میں کوئی معمولی شے ہوں؟۔۔۔ وہ اس شہر کے صنعت کار کا بیٹا ہے کسی شادی پر مجھے اس نے دیکھا تھا اور پھر بڑی مشکلوں سے مجھ تک پہنچا ہے۔ ابھی تو میں اسے طرح دے رہی ہوں۔ جب تک وہ چوری خراج پاگل نہیں ہو جاتا اس وقت تک میں اسے اپنا پلو بچرانے والی نہیں۔"

"یہ پلو وغیرہ کے پکر میں کہیں اپنے آپ سے بھی ملنی نہ جانا۔" یہ کہتے ہوئے سلمیٰ نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر بولی۔ "اسکی کون

کی شادی تھی جس میں وہ صنعت کار کا بیٹا اور تم اکٹھے شامل تھے؟"

سلمیٰ نے جیسے اس کا مہوت پکڑ لینا چاہا تو وہ تیزی سے بولی۔

"میرے ساتھ وہ پڑھتی ہے نا، یہاں اس کی بڑی بہن کی شادی تھی۔ نا، یہ کا باپ ایک سفارت کار ہے۔"

”کیا نام ہے اس کا۔۔۔؟“ سٹنی نے پوچھا۔

”وہ اس دنیا میں رہتا ہے تو کوئی نام تو ہوگا اس کا۔ تم چھوڑ دو تمہارے اس دنیا میں یہ سب کچھ نہیں آنے والا اور ہاں اب یہ ساری باتیں مانا کو نہ بتانے بیٹھ جانا ورنہ وہ بھی تمہاری طرح نصیحتوں کا چارہ لے کر بیٹھ جائیں گی۔“ اس نے صغیر احمد میں کہا جیسے اگر سٹنی نے یہ سب بتا دیا تو اس کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔

”صغیر! میں مانتی ہوں کہ ہمارا معیار زندگی بلند ہو چکا ہے اور ظاہر ہے ہم اپنے جیسے دولت مندوں سے ہی میل ملاقات رکھیں گے لیکن تم کیا سمجھتی ہو رشتے تاتے بھی۔۔۔؟“ اس نے جان بوجھ کر قہر واہورا چھوڑ دیا تاکہ وہ اسے عمل کر سکے۔

”جان رشتے تاتے بھی ہوں گے۔ تمہیں اگر ان کنگالوں کا خیال ہے تو میری زندگی کیوں برباد کرتی ہو خود کرو اس سے شادی۔۔۔ چار پانچ سال ہی تو بڑی ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ساری عمر کی روٹیاں لگ جائیں گی ان کی وہ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔“ صغیر نے مسکراتے ہوئے اس پر پلٹا کیا۔

”میں تمہیں کچھ اور سمجھانا چاہ رہی ہوں لیکن تم میری خیال میں وہ بات سمجھ ہی نہیں رہی ہو۔“ سٹنی نے فٹوہ بھرے لہجے میں کہا۔

”چلو بولو۔۔۔ تم سیدھے کیوں نہیں کہہ دیتی ہو بات۔۔۔؟“

”ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی تم سے شادی کرنے پر تیار ہو جائے۔۔۔ دیکھو جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس میں قسمت کا بڑا عمل دخل ہے مگر اس خواہش میں تم اپنا آپ مت گنوا لینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا دولت مند باپ تمہاری وجہ سے اپنا منہ چھپاتا پھرے۔“

سٹنی نے سنجیدگی اور ذکھ سے یہ بات کہی تھی لیکن صغیر نے ایک بھر پور تقبیلے میں آزادی پھر سنجیدگی سے بولی۔

”تم کیا سمجھتی ہو کہ میں صغیر سے جذبات اور میری عزت پونہی ہے؟۔۔۔ بہت جھگی ہوں میں اتنی جھگی کہ تیار ہونے کی حد تک ہوں۔

اگر اس نے اس معاملے میں ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“

”لیکن عزت واپس نہیں آتی اگر ایک بار چلی جائے تو۔۔۔“ سٹنی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”یار! کیوں خواہ مخواہ ڈرا رہی ہو۔ تم بس ہمایوں سے شادی کرنے کے بارے میں سوچو تم دونوں بہت جلد ایک دوسرے کو سمجھ جاؤ

گے۔ کیا خیال ہے؟“

صغیر نے شرارت بھرے انداز میں کہا تو سٹنی غلط اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے صغیر کو سمجھانا بہت مشکل بات ہے۔ وہ نہ

صرف اپنے خیالات میں بہت اُونچی اُڑان پھر چکی تھی بلکہ وہ اپنے تئیں اپنے مستقبل کے تانے بانے بھی بن چکی تھی۔ خیالوں میں کسی بھی معاملے کو

بہت دور تک دیکھ لینا اور بات ہے لیکن عملی زندگی میں مو فیصد نتیجہ سامنے نہیں آتا شاید اس بات کا اندازہ اسے نہیں تھا۔ سٹنی اس پر غصوں کے سوا اور

کچھ نہیں کر سکتی تھی دو اس نچ پر آ چکی تھی جہاں اس نے ہر حال میں اپنی مرضی کرنا تھی۔ سٹنی کو اپنے بچپن کے دو دن یاد آنے لگے جب دولت نے

حلق تاتے حلق بتا

ان کے گھر کی راہ نہیں دیکھی تھی۔ ان دنوں وہ دونوں اپنے کھلونوں سے اکٹھے کھیلتی تھیں۔ ان کی سوچ ایک جیسی تھی اور خواہشیں بھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب گھر میں دولت آنا شروع ہوئی تو ان میں بھی دوری ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ اب ان میں بہت فرق آچکا تھا۔ پتہ نہیں یہ دوری دولت نے پیدا کی تھی یا پھر وہ عمر کے اس دور میں آگئی تھیں جہاں ہر بندہ اپنی میٹنگ ہی سے دنیا کو دیکھتا ہے اور اسے اپنے تئیں بہتر خیال کرتا ہے۔

”ارے کہاں کھو گئیں۔۔۔ کیا تم بھی کسی شہزادے کے بارے میں سوچ رہی ہو؟“

مینی نے اُسے چلاتے ہوئے کہا تو سلیٹی کو اس کا یہ انداز بہت بُرا لگا۔ تاہم اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے بہت قہل سے کہا۔

”میری بہن! امیری دعا ہے کہ تو پوری زندگی خوشیوں میں رہے، تمہ پر غم کا سایہ بھی نہ پڑے۔۔۔ بہر حال محتاط رہنا ایک لڑکی کے لیے عزت سے بڑھ کر کوئی اور شے نہیں ہوتی۔“

”میں سمجھتی ہوں سلیٹی! تم بے فکر رہو۔۔۔“

پہلی بار مینی نے اُس کی بات کو سمجھ گئی سے لیا تھا۔ وہ بہت دیکھے لکھے اور عیار سے بولی تھی جس پر سلیٹی کو بہت عیار آیا۔ جب اُس نے ذہنی ہوئی شام پر لگاؤ ڈال تو چونک گئی اور اُٹھتے ہوئے بولی۔

”آؤ صفیہ! امیر چلیں۔۔۔ شام ہو گئی ہے۔“

وہ دونوں دباں سے اٹھیں اور اندر کی جانب چل دیں۔ دونوں ہی خاموش تھیں اور اپنے اپنے طور پر بہت کچھ سوچ رہی تھیں۔

☆ ☆

تہذیبی کے لیے ایک لڑ یا پھر ایک کنجی کافی ہوتا ہے۔ وہ اگر کچھ میں آ گیا اور دل نے اُسے پوری طرح سے تسلیم کر لیا تو بندے کی پوری شخصیت بدل کر رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات ہوتا یوں ہے کہ انسان اپنے مقصد میں اس قدر مگن ہوتا ہے کہ اُسے ارد گرد دیکھنے اور اس پر سوچنے بھگنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ وہ کلبو کے تیل کی مانند اپنی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے لیکن جیسے ہی وہ سزا خوار کر دیکھتا ہے تو اُسے پتہ چلا ہے کہ اُس نے تو کوئی سفر ہی نہیں کیا، وہ وہیں کا وہیں ہے۔ تب ذکا کی شدت کیا ہوتی ہے اُس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کا سفر ایشیاں جاتا ہے۔ جنیڈ کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ ڈیٹین نے سوچنے اور بھگنے کے لیے اسے اتنا کچھ دیا تھا کہ پہلے پہل تو وہ چکا کر رہ گیا، پھر دھیرے دھیرے اُسے بہت زیادہ کچھ آنا شروع ہو گئی۔ اُس کے بہت سارے ساتھی اپنے مقصد سے ہٹ چکے تھے۔ وہ تربیت یافتہ لوگ تھے اپنے لیے بہت ساری راہیں نکال سکتے تھے۔ جنیڈ کے لیے بھی اس معاشرے میں کھل ل جانا مشکل نہیں تھا مگر وہ اچھی طرح سوچ سمجھ لیتا، جانتا تھا کہ ڈیٹین بیک تو نہیں گیا اور اُسے بھی بہکانا چاہتا ہے؟۔۔۔ اس دن ڈیٹین نے اتنی باتیں کی تھیں کہ بہت کچھ تو وہ ویسے ہی بھول چکا تھا لیکن جو اُسے یاد رہا تھا اس پر نہ جاتے ہوئے بھی وہ بہت زیادہ سوچ رہا تھا۔ حقیقت کس قدر تلخ ہوتی ہے اس کا اندازہ اُسے ان دنوں ہوا تھا۔ وہ ایک سوچ کا سرا بکا کر چلا تو اس میں نجانے کتنی اُلجھنیں اُس کے انتظار میں ہوتیں۔ جن سے وہ ٹکاؤں، پھا کر فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے سب سے زیادہ ڈکا نا کھیر پرتا تھا جو اُس کا نہ صرف سینئر تھا بلکہ سیاسی

جماعت کے رہنماؤں میں ابھی خاصی ساکھ بنا چکا تھا۔ اگرچہ وہ ابھی مکمل کر سائے نہیں آیا تھا اور انہی کے ساتھ شامل تھا لیکن ڈیٹان کے مطابق وہ بہت جلد یہ تنظیم چھوڑ کر کسی دوسری سیاسی جماعت سے اپنی سیاست کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ وہ تنظیم میں دوہری زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ڈوہری زندگی کیا تھی ڈیٹان! اک یہی معرہ اس کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ یہ بات اس نے ایک ایسے انکشاف کی بنیاد پر کہی تھی جس کے بارے میں سوچ سوچ کر جنید کا دماغ گھوم گیا تھا۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس انکشاف کے سرے کو پکڑ کر یہ معرہ ضرور حل کرے گا۔

ایک شام وہ عائشہ کے اس شاندار ٹھکانے پر پہنچا گیا جہاں وہ بیٹھ کر بہت اہم فیصلے کر چکے تھے ڈیٹان اُس سے پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ وہ ٹھکانہ بلا ہر ایک عام ہی گوتھی تھی لیکن اس کے اندر تمام تر سہولیات میسر تھیں۔ اس وقت سیکورٹی کے نام پر دوڑ کے موجود تھے جنہوں نے ریلو اور چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ جب پہنچا تو عائشہ اور ڈیٹان ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"ارے آؤ جنید! بہت دن ہو گئے تم سے ملاقات کیے ہوئے۔۔۔" عائشہ اُس سے بغلیں ہوتے ہوئے بولا۔

"شاید یہ وقت مزے طویل ہوتا اگر تمہارے بارے میں باتیں معلوم نہ ہوتیں۔۔۔"

جنید نے گہری سچیدگی سے کہا تو ایک لمحے کے لیے عائشہ نے اُس کی جانب غور سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"ارے یار! باتیں تو ہوتی رہیں گی۔۔۔ بیٹھو۔" جنید ڈیٹان سے بھی ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا تو عائشہ نے کہا: "ہلوا کیا پیو گے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

جنید نے اُس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو عائشہ نے قدرے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"لکنا ہے جیسے تمہیں مجھ سے بڑے فکروے ہیں۔۔۔ ایسی کیا خاص بات ہے؟"

"ایک بات نہیں! نگیر! بہت ساری باتیں ہیں۔" اُس بار ڈیٹان نے کہا تو عائشہ نے چونک کر دیکھا لیکن اُس نے اپنی بات جاری

رکھی۔ "اگر تم ہماری باتوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دے دو گے تو اچھا ہوگا۔"

"ورنہ۔۔۔؟" عائشہ نے بدلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ورنہ تمہیں پتہ ہے کہ کیا ہو سکتا ہے۔"

ڈیٹان نے سرد لہجے میں کہا: "اُس کی نکالیں عائشہ کے چہرے پر تھیں۔ جب عائشہ نے بھی اسی لہجے میں پوچھا۔

"تم کیا تنظیم کے حکم پر آئے ہو۔۔۔؟"

"نہیں! ہم اپنے طور پر آئے ہیں۔۔۔"

ڈیٹان نے دھیرے سے تھی لہجے میں کہا تو عائشہ نے گہری سانس لی اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"پھر میں آپ لوگوں کو قتل کر لوں گا اور یقین جانو میں ہر بات سچ بتاؤں گا۔۔۔ پوچھو۔۔۔؟"

"تم نے سینٹو فیروز کو کس لیے قتل کیا۔۔۔ اُس کے بارے میں کوئی بھی حکم نہیں تھا؟"

دیشان نے پوچھا تو جنید بھی پوری طرح بہترین گوش ہو گیا۔

"وہ۔۔۔ ہاں وہ۔۔۔ میں نے اس سے صرف پانچ لاکھ ہاتھ تھے اس نے نہیں دیئے تو میں نے اسے ختم کر دیا۔" وہ انتہائی حائل سے

بول۔

"جانتے ہوئے تنظیم کے مقصد۔۔۔"

"۔۔۔ کے خلاف ہے یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟۔۔۔ میں مانتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے دونوں کی طرف دیکھا اور پھر بڑے عیظانہ

انداز میں کہا۔ "کیا تم لوگ یہ سوال نہیں کر دے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟" اس کے استفسار پر دونوں خاموش رہے تو وہ کھتا چلا گیا۔ "میں مانتا ہوں

کہ یہ کام اور اس جیسے کئی اور کام تنظیم کے بنیادی مقاصد کے خلاف ہیں مگر کیا کروں، میں بھی انسان ہوں اور اس دنیا میں رہتا ہوں۔ میں جنید کی

فراخ اپنا گھر مار نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے ایک زمانہ دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب کیا ہو رہا ہے اور کچھ عرصے کے بعد کیا ہونے والا ہے۔؟"

"تم ایک لحظہ بھی ہمارے سوال کے جواب میں نہیں بول پائے ہو نا تمگیر۔۔۔" جنید نے سختی سے کہا۔

"ذمیرج ذرا چھری تلے ذم تو لویا رہے۔۔۔ میں اپنی بات کہتا ہوں کہ میں ذہری زندگی گزار رہا ہوں۔ اسکا تنظیم کے بڑوں کو بھی علم

ہے۔ انہوں نے مجھ سے کئی ایسے کام کروائے ہیں کہ سنو کے تو تمہارا دماغ ہلکے سے اڑ جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ لوگ تمہارے سامنے مقدس

ہیں تو وہ ہیں میں تم لوگوں کو اگر سب کچھ بتا بھی دیتا ہوں تو وہ بڑے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ وہ بھی اس ختم میں نکلے ہیں۔ جب مقاصد کی جگہ

مفادات آ جائیں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔۔۔ کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ بہاری تنظیم کے کارکن پولیس سے 'فورمز' سے مفاہمت کر رہے ہیں۔ انہیں سختی

میان دے کر اپنا تعلق اس تنظیم سے ختم کر رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟۔۔۔ تم لوگ خود بخود ارہو جب احتیاج ختم ہو جاتا ہے تب ایسے ہوتا ہے۔"

"تم بھی اپنا تعلق کیوں نہیں ختم کر دیتے ہو۔۔۔" جنید نے جذباتی انداز میں کہا۔ "کیوں بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہو۔؟"

"میں نہیں۔۔۔ خیر چند دنوں تک تم لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا۔ مفادات کے لیے جب اور جن لوگوں سے ہمارے بڑوں کی

مفاہمت ہوگی تو تم احتجاج بھی نہیں کر پاؤ گے۔"

"عامگیر اتم معلومات دے کر یا پیشین گوئیاں کر کے اپنا دامن نہیں بچا سکتے ہو۔ تم تنظیم کے نام پر انسانیت سوز کام کر رہے ہو جس کا تنظیم

سے تو کیا انسانیت کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ تم نے۔۔۔ تم نے ایک لڑکی کو اغوا کر کے اس کے ساتھ قہم کیا۔۔۔"

جنید حد درجہ جذباتی ہو گیا جس پر عامگیر و میرے سے قہم لگاتے ہوئے بولا۔

"تو پھر مجھے اپنی تنظیم سے نکال ہا کر کو کیوں رکھا ہوا ہے مجھے۔۔۔؟"

"تم جیسے لوگوں کی وجہ سے 'علی' وارفع مقاصد کی پامالی ہوتی ہے۔ تم جیسے شیطان جب کلمس ترین لوگوں میں شامل ہوتے ہیں تو سب کچھ

غلط کر دیتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے اس ظلم کا کفارہ ادا کرو اس لڑکی سے شادی کرو اور تنظیم سے اپنا تعلق ختم کر کے گم نام زندگی گزارو۔ اسی میں تمہارا

ہلا ہے۔" جنید نے کہا۔

"یقیناً تم نے اب تمہارے جیسے لوگوں کو مبلغ بھی رکھ لیا ہے۔۔۔ جاؤ جا کر پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹو۔ میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟"

عالمگیر کا لہجہ سرد تھا۔

"تمہیں یہاں سے سمجھانے آیا ہوں کہ سمجھ جاؤ۔" ڈیشان نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

"۔۔۔ اور اگر نہ سمجھوں تو۔۔۔؟" عالمگیر نے انتہائی غصے میں فراتے ہوئے کہا۔

"ہم غدار تو رواشت کر رہے ہیں لیکن بے غیرت نہیں۔ تمہیں اپنے کیسے کی سزا بھگتنا پڑے گی۔"

ڈیشان نے کہا تو اگلے ہی لمحے عالمگیر نے ریو الوورنگل لیا پھر اسی لہجے میں بولا۔

"دُعا ان ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔ میرے ہی گھر میں بیٹھ کر مجھے ہی دھمکیاں دے رہے ہو کیا سمجھا ہے تم لوگوں نے مجھے؟ منشا تمہیں قسم

بھی کروں تو مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔۔ جاؤ کسی اچھے وقت کی خاطر منشا تمہیں جاننے کی اجازت دے رہا ہوں۔ اٹھو اور چلے جاؤ۔"

ڈیشان اور جنید دھیرے دھیرے اٹھ گئے۔ جنید کو بہت زیادہ افسوس ہو رہا تھا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا وہ تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ ممکن ہے

ڈیشان کو غلط سمجھ سکتی ہو لیکن عالمگیر اس طرح سب کچھ مان کر انہیں ذلیل کرے گا ایسا اُس کے ذہن میں دور دور تک نہیں تھا۔ وہ رواشت نہیں کر

پا رہا تھا۔ اُس کے اندر سب کچھ چمکانوں سے ٹوٹتا چلا جا رہا تھا۔ سچی اُس نے زندگی اور موت کی پروا نہ کیے بغیر پیٹ کر ریو الوور پر ہاتھ ڈال دیا اور

پوری قوت سے وہ ریو الوور چمچتے ہوئے اُس کے گھونٹ مارا جو اُس کی گردن پر لگا۔ وہ ڈکارتے ہوئے تالین پر گر اور اُس کے ہاتھ سے ریو الوور نکل کر

اُس سے قدرے فاصلے پر گر اچھے اٹھانے کے لیے عالمگیر کا تو جنید اُس کے اوپر جا پڑا۔ اسی جھینا جھپٹی میں ایک دھماکا ہوا۔ گولی چل جی ڈیشان

نے دیکھا، گولی عالمگیر کے پیٹ میں لگ جی جس سے خون اُٹنے لگا تھا۔ فائر کی آواز سن کر سیکورٹی والے لڑکے ڈرامنگ روم میں تیزی سے داخل

ہوئے تو ڈیشان نے اپنا ریو الوور نکال کر انہیں گور کر لیا۔

"ہاتھ اوپر کر لو۔"

انہوں نے ہاتھ اوپر کر لیے تو ڈیشان نے انہیں تبا کر دیا پھر انہوں میں انہیں ہاندھ کر پھینک دیا۔

"لکو۔"

ڈیشان نے کہا تو جنید نے انتہائی نفرت سے عالمگیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ڈیشان! ابھی یہ زندہ ہے۔ منیں اس کی زندگی بچانے کی کوشش کروں گا۔ اس کی طرف سے ابھی میرا دل نہیں بھرا۔"

"کیوں بے وقوفوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ تمہیں جو مظلوم کرنا تھا وہ۔۔۔" یہ کہتے ہوئے ڈیشان چونک گیا۔ اس کے ذہن میں ایک اور

خیال آ گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اُس نے کہا۔ "پلو اٹھاؤ اسے منیں گاڑی نکالو۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے دو ہارنگلا تو جنید نے اُسے اٹھا لیا اور باہر کی جانب لپکا۔

☆☆

دو گہرے جس جدید ماڈل کی سیاہ کار شہر سے دو ایک نہر کے ساتھ جاتے ہوئے کچے راستے پر مڑ گئی اور پھر تھوڑے سے فاصلے پر نہر سے مشرق کی جانب پتھر راستہ آ گیا جو سیدھا ایک فارم ہاؤس میں جا کر ختم ہو جاتا تھا۔ اس فارم ہاؤس میں کھڑکی کا کام بہت زیادہ ہوا تھا۔ دُور سے بھی لگتا تھا کہ جیسے درختوں اور پھولوں سے لہری ہیلوں اور پودوں سے ڈھکی یہ کانچ لکڑی ہی کی بنی ہوئی ہے۔ سبز گھاس سے مزین بڑے بڑے لان کے عین درمیان میں بنی کانچ کسی مٹرنی ملک کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ ایک جانب ملا زمین کے کوارٹر تھے۔ جہاں قدرے زندگی کی پتیل پتیل تھی جبکہ دوسری طرف ہوکا عالم تھا۔ وہ کار پورچ میں جا کر رک گئی جس کے زکے بن ایک نوجوان نکلا۔ سرخ و سپید چہرہ کلین شیوا جیسے نقوش، گہری آنکھیں۔ اس نے غل پنا کیپ قسم کی ٹوپی سر پر لی ہوئی تھی کالی پتلون اور آف وائٹ شرٹ کے ساتھ وہ خاصا ہینڈسم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر آیا اور دروازہ کھولا۔

"آئیے ہماری منزل آئی ہے۔"

"اُس نے خوشدلی سے کہا تو اس میں سے تھوڑی سی کنفیوژن صاف باہر آئی۔ وہ اس ماحول کو دیکھتے ہوئے اپنی حیرت کو چھپانا بھن پاتھی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو۔۔۔؟" تیمور نے جنتے ہوئے کہا۔

"آں۔۔۔ ہاں امیں۔۔۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ کانچ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔" صنفیہ نے فوراً خود پر قابو پاتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"صنفیہ! اس کانچ کا سارا ڈیزائن میں نے بنایا ہے یہاں کھڑے ہو کر میں نے اپنی نگرانی میں یہ بنوایا اور اس پر خرچ ہونے والا سارا سرمایہ میرا اپنا ڈونتی تھا پاپا کا ایک روپیہ بھی خرچ نہیں ہوا اس پر۔" اُس نے فخریہ انداز میں بتاتے ہوئے مزید کہا۔ "میں جب برطانیہ میں تھا تو میں نے بہت سارے پیسے جمع کیے تھے۔ میری خواہش تھی کہ میں ایک ایسا فارم ہاؤس بناؤں جو ایک بار میں نے رینڈل میں دیکھا تھا۔ وہ پورا آنتھ مرے لائن میں رہا اور گہری بن گیا۔" تیمور نے یوں کہا جیسے وہ خود کلائی کر رہا ہو یا پھر یہ سب بتانے میں اسے بہت لطف آ رہا ہو۔

"بہت خوبصورت ہے۔" صنفیہ نے اس کانچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ جھپیں لگتا ہے لیکن میرے لئے ابھی دو دو جوہ کی بنا پر ادھوری ہے ایک یہ کہ جس طرح کا ماحول رینڈل میں تھا وہ یہاں نہیں ہے۔ وہ گہرا ایلا آسمان گہرے ہاولی سرنگی اور دووہیا بھیک ہونا حول۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"۔۔۔ اور دوسری۔۔۔؟"

صنفیہ نے لاشعوری انداز میں پوچھا تو اُس نے چمکتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"تم۔۔۔ جب تم ڈیہن بن کر میرے ساتھ اس کانچ میں رہو گی۔" اُس نے صنفیہ کی آنکھوں میں جھانکا اُس کا لہجہ بہت غمور ہو گیا تھا۔

صنفیہ نے شرم سے منہ دوسری جانب پھیر لیا تب اُس نے کہا۔ "آؤ اندر چلتے ہیں میں نے! سے سہا پہلی ویٹرین سٹائل میں ہے۔ آؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ تبھی اندر کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا اندر کا ملازم اپنی چوٹی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"سنا صاحب۔۔۔!" وہوں نے تقریباً ایک زبان ہو کر کہا۔

"وہ علیکم السلام۔۔۔ کہو تم لوگ ٹھیک ہو نا۔۔۔؟" تیمور نے ان پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں لگتا ٹھیک ہیں۔۔۔ آئیں صاحب!"

ملازم نے انتہائی خوشامدانا انداز میں کہا تب تیمور نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور صفیہ سے بولا۔

"آؤ۔۔۔!"

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ اسے لگا جیسے وہ کسی ظلم کا سینہ دکھ رہی ہے یا پھر اچانک وہ غیر ملک میں آگئی

ہے۔ وہ ڈرائنگ روم بالکل یونہی تھا جیسے کسی مغربی ملک سے اٹھا کر یہاں پر لے آیا گیا ہو۔ وہ گہری نگاہ سے ارد گرد دیکھ رہی تھی کہ تیمور بولا۔

"پہلے یہ کچھ دیکھ لی جائے پھر سکون سے بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہیں۔۔۔"

"مجدد میں دیکھیں گے۔۔۔"

صفیہ نے کہا اور ایک صوفے میں جھنس گئی۔ اس کے ملازمین جا چکے تھے۔ ان میں خاموش ڈرائی پھر تیمور ہی نے تھکوکا سلسلہ جوڑا۔

"تم صنفو! اس وقت اتنی گھبراہٹ کیوں تھی جب منیں نے شادی کا ذکر کیا تھا؟"

"یہ باتیں قبل از وقت ہیں تیمور۔۔۔!" صفیہ نے دھیرے سے کہا۔

"ہوں گی لیکن تمہارے لیے۔۔۔ منیں تو فیصلہ کر چکا ہوں۔" وہ قہقہے انداز میں بولا۔

"اتنی جلدی۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں۔۔۔ منیں تو فیصلہ کر چکا ہوں لیکن تم پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کروں گا۔ جب تم چاہو گی تب ہی منیں اپنے والدین سے کہوں گا کہ وہ

تمہیں مانگنے کے لیے تمہارے پاپا کے گھر جائیں۔ تم اپنا فیصلہ کرنے میں جتنی دیر مرضی لگاؤ مگر جب کرو تو اتنی مضبوطی سے کہ پھر کوئی اور سوچ نہیں

ڈسٹرب نہ کر سکے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنی بات کہی۔

"منیں نے ابھی پڑھتا ہے اپنا آپ آنا ہے۔ تم اس وقت تک میرا انتظار کرو گے۔۔۔؟"

تیمور صفیہ کے چہرے کی جانب غورنگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔" صفیہ! میری زندگی میں بہت ساری لڑکیاں آئیں اور تمہیں۔۔۔ یورپ

میں بہت سارا حسن دیکھا لیکن جب سے منیں نے تمہیں دیکھا ہے پہلی نگاہ میں ہی منیں نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جو ایک چہرہ کہیں من میں چھپا ہوا ہے

تم ہانکل و سکی ہو۔ میری یہ خوش قسمتی ہو گی کہ تم میری ہو جاؤ۔ یہ۔۔۔ منیں تمہیں اپنے جذبات بتا رہا ہوں۔ میری خواہش ہے۔ تمہیں کونسی نہیں کر

رہا ہوں۔ تم سوچو سمجھو اور پھر جو فیصلہ کرو۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو تیمور! تم اپنی تعلیم مکمل کر چکے ہو اپنے باپ کے ساتھ بزنس دیکھ رہے ہو۔ اب تم شادی کرنا چاہو گے لیکن میرے پاس

ابھی یہ فیصلہ کرنے کا اتنا حوصلہ نہیں ہے منیں۔۔۔"

وہ بڑی مشکل سے کہہ پارہی تھی کہ تیور نے اسے ٹوک دیا۔

”چھوڑو صفو! یہ سب مستقبل کی باتیں ہیں۔ ابھی ہم بہت سارا وقت اچھے دوستوں کی طرح انجوائے کریں گے پھر فیصلہ بھی ہو جائے گا تم لینٹن مت لو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو صفیہ ایک دم سے خوش ہو گئی۔ وہ اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ جیسے کوئی بچہ اپنے من پسند کھلونے کو دیکھتا ہے۔ ”تم ہتھے ہوئے بہت اچھی لگتی ہو۔“

تیور نے کہا تو صفیہ پھر سے شرمائی۔ دونوں کے درمیان پھر سے خاموشی ڈرائی۔ یوں کتنا ہی وقت بیت گیا۔ وہ یوں بیٹھے رہے جیسے خاموشی بھی ایک زبان رکھتی ہو۔ ان کی یہ خاموشی اس وقت ٹوٹی جب دونوں ملازم میاں بیوی چائے کے ساتھ کافی سارے لوازمات رکھے وہاں آئے۔

”میں چائے بنا لوں گی۔“ صفیہ نے کہا تو وہ دونوں چلے گئے تب اس نے پوچھا۔ ”یہاں بیوی رہتی رہتی ہیں جبکہ باہر۔“

”یہاں کم از کم تیرہ ملازمین ہیں۔۔۔ اچھا لگتا ہے مجھے یہاں آنا سنیں پھر چھٹی کے دن یہاں ضرور آنا ہوں۔ یہ غلام ہاؤس بیارا تو ہے لیکن۔۔۔“ وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”نیکین کیا۔۔۔؟“ وہ تجسس سے بولی۔

”تم سے زیادہ خواہمورت نہیں ہے۔ یہ گہری آنکھیں یہ خواہمورت لب۔۔۔“ وہ اتنے غماز بھرے لہجے میں کہہ ہاتھاکر صفیہ سے چائے چھلک گئی۔ تب وہ بولا۔ ”وہت تیرے کیا سارے رومانس بھرے موڈ کا ستیا ناس مار دیا۔“

اس پر صفیہ کھٹکھٹا کے منس وی پھر چائے کا کپ اُسے تھماتے ہوئے بولی۔

”یہ تم مرد شادی سے پہلے عورت کی بڑی تعریفیں کرتے ہو۔ اُسے عورت پر ہی افسر اور نجانے کیا کیا کہہ کر تعریفیں کرتے ہو لیکن جیسے ہی وہ بیوی بن جائے تو وہ عورت پر ہی اہلزارے جاری چڑیل ڈائن اور نجانے کیا کیا جاتی ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔۔۔؟“

”نہیں اقلہ کہہ رہی ہو۔ کم از کم میں اپنے معاملے میں ایسا ہوتا ہوا محسوس نہیں کر رہا ہوں کیونکہ میری جھٹوں کی جو شدتیں ہیں نا وہ شادی کے بعد ہی شروع ہوں گی۔ اس وقت تم نہ صرف میری قانونی بیوی ہوگی بلکہ ہم آزادانہ محکم پھر سکیں گے۔ وہ جو درمیان میں ایک پردہ ساحل رہتا ہے وہ نہیں رہے گا۔۔۔ یقین رکھنا صفو! شادی کے بعد ہی میری محبت میں جو لاناں آئیں گی۔“

”جس کے ہارے میں کم از کم مہرا بھی کوئی فیصلہ نہیں ہے۔۔۔“

”میں مانا ہوں۔۔۔“ تیور نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا خیر چھوڑو۔۔۔ وہ تم کوئی خاص بات کرنا چاہ رہے تھے؟“ صفیہ نے اُسے یاد دلایا۔

”ہاں وہ بات۔۔۔“ جیسے وہ اہم بات اُسے یاد آگئی ہو تب وہ خمیدگی سے بولا۔ ”صفو! میں آج تمہیں یہاں صرف اس لیے لایا تھا کہ مستقبل کے بارے میں ہم ٹھوڑا پلان کریں گے۔ جو بہر حال باتوں ہی باتوں میں مجھ پر واضح ہو گیا ہے لیکن ایک بات اب بھی وضاحت طلب

"ہے۔"

"وہ کون سی ہے؟" صفیہ نے لا پرواہی سے پوچھا۔

"وہ یہ کہ میں نے یہ سنا ہے تمہاری منگنی تمہارے کسی کزن کے ساتھ ہو چکی ہے۔ کیا جی ہے؟"

"جس میں یہ سب کیسے پتہ چلا۔۔۔؟"

"تاجہ سے، وہ یونہی باتوں ہی باتوں میں کہہ گئی تھی۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ۔۔۔"

"میری کوئی منگنی نہیں ہوئی نہیں کسی بچپن کی منگنی کو نہیں مانتی اور اگر ہے بھی تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، نہ میری نظر میں اور نہ پاپا کی نگاہ میں۔۔۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ منگنی ہوئی تھی لیکن تم اور تمہارے گھر والے نہیں مانتے۔"

"ہاں۔۔۔ اور پلیز تم اس کا نام مت لو۔ کوئی اور بات کرو۔"

"اس نے خالی کپ رکھتے ہوئے کہا، اسی لمحے تیور نے بھی کپ رکھ دیا۔"

"آؤ تمہیں فارم پاؤس دکھاتا ہوں۔ پھر ہمیں واپس بھی جانا ہے۔"

"صفیہ نے یہ سنا تو اس کے ساتھ اٹھ گئی۔ بظاہر اس کا موڈ بہت اچھا تھا، دو تیور سے بہت دیر باندھنا انداز میں باتیں بھی کرتی جا رہی تھی لیکن

"اندھے دو منگنی والی بات پر بہت کڑھ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہماریوں سامنے آ جائے تو اسے جان ہی سے مار دے۔۔۔ بہاریوں سے

"اس کی عزت مزید بڑھ گئی تھی۔"

* * *

"بہت دنوں بعد اس صبح ہماریوں گھر سے نکلا تھا۔ شاید اس دن بھی وہ اپنے گھر میں اپنے ہی کمرے میں خود کو قید کئے رکھتا لیکن رات اس

"کے پروفیسر جعفری صاحب کا فون آیا۔ وہ اسے اپنے کسی کام کے سلسلے میں بلا رہے تھے اور اس نے آنے کے لیے کہہ دیا تھا۔۔۔ بہت دنوں بعد

"جب وہ گھر سے نکلا تو شہر کی فضا اسے اچھی نہیں لگی تھی، کوئی مضر بھی اس کے دل کو نہیں بھایا تھا۔ وہ دھیرے قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف بڑھتا

"چلا گیا، نہ کسی پیرے پر ٹکاؤ ڈالی اور نہ راستوں کی خبر رکھی۔ اس کے ذہن میں کیا سوچ چل رہی تھی، کسی کو اس کے بارے میں اندازہ ہی نہیں تھا۔ وہ

"پروفیسر جعفری کے پاس کالج پہنچ گیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ حال احوال کے بعد پروفیسر نے ایک طرف

"بڑھتے ہوئے کہا۔"

"آؤ ادھر لان میں سکون سے بیٹھتے ہیں۔"

"وہ اُن کے ساتھ کالج ہی کے لان میں ایک تنہا گوشے کی طرف من پڑا۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا۔" بیٹا مجھے تمہارے

"بارے میں معلوم ہوا ہے کہ پولیس نے تم سے زیادتی کی ہے، اس کا سبب حدافسوس ہے۔"

"سر! آپ کو کیسے معلوم ہوا۔۔۔؟" اس نے وحیرے سے پوچھا۔

"تمہارے انہی دوستوں سے جو تمہیں وہاں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بہت غلط کیا تھا انہوں نے۔" پروفیسر یہ کہہ کر چند لمحے خاموش رہے اور پھر بولے۔ "دستی کا معیار ہی نہیں رہا۔ منہ سمجھتا ہوں کہ دوست چاہے ناپا کرے یا صحیح ہر حال میں دوست کا ساتھ دینا چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ دوست کو کسی بھی ناپا کام سے روکا جاسکتا ہے۔ وہ دوست ہونے نہیں سکتا جو اپنے دوست کو تباہ چھوڑ دے۔"

"جی سر! لیکن بہت سارے لوگ جو اپنے ہی بنائے ہوئے معیار پر پورا نہیں اترتے انہیں کیا کہا جاسکتا ہے؟" اس نے دستی رو میں نکتے ہوئے کہا۔

"جینا وہ لوگ انتہائی خود غرض اور پرلے درجے کے احمق ہوتے ہیں! اسی کا نام تو منافقت ہے۔۔۔ خیر ہم نے یہاں معیار کی بات کی ہے تو ایسے معیار اصول یا ضابطے بنا لینا بہت آسان ہوتا ہے لیکن ان پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایک ٹاٹا سے دیکھیں تو زندگی انتہائی مختصر ہے لیکن جنب سبکی بات کسی ایسے شخص سے پوچھی جائے جو کسمپرسی کی زندگی گزار رہا ہے تو اسے یہ زندگی بہت طویل لگے گی۔ درو کی شدت میں تو ایک رات کا شام مشکل ہو جاتا ہے۔" پروفیسر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں سر! اور ضروری نہیں کہ درد کسی ظاہری زخم کی کاہوسا احساس نہامت شرمندگی اور اپنی کم مائیگی کا احساس تو بندے کو ویسے ہی مار ڈالتا ہے۔"

ہمایوں نے تلخی سے کہا تو پروفیسر جو تک اٹھے۔ تب انہوں نے بڑے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"دیکھو میں زندگی کی نصف صدی گزار چکا ہوں۔ بے شمار تجربات میرے سامنے ہیں۔ میں صرف قانون ہی نہیں پڑھا بلکہ قانون اور جرم کی نفسیاتی وجوہ پر بھی نگاہ رکھتا ہوں۔ مجھے احساس تھا کہ پولیس کی پینڈیاوتی تمہیں نفسیاتی طور پر تباہ کر دے گی اور اس کے اثرات میں تمہاری ان باتوں سے محسوس کر رہا ہوں۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ اس وقت تمہارے من میں کیا چل رہا ہوگا۔" جی! اس احساس کو اپنے اندر سے نکال پھینکو ورنہ یہ تمہیں دیمک کی مانند چاٹ جائے گا۔"

"کیا ایسا ممکن ہے پروفیسر صاحب۔۔۔؟" کبلی ہارا اس کے لہجے میں طنز عود کر آیا تھا۔

"ہاں ایسا ممکن ہے۔" پروفیسر نے اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں انسان کو تھوڑا اخلاقی جرأت سے کام لینا پڑتا ہے۔ دیکھو زندگی گزارنے کے لیے صرف دو راہیں ہیں عقل اور مثبت۔ تیسری کوئی راہ نہیں ہے۔ ہمارے ماحول میں عقل اور مثبت دونوں رجحان موجود ہیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہمارے ارد گرد کے حالات ہی ہمیں یا تو عقلی راہ پر چلنے کا اشارہ دے دیتے ہیں یا مثبت کا لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ نتیجے کے اعتبار سے کون سا رجحان درست ہے۔ بس ہم اندھاؤندہ چلتے چلے جاتے ہیں اور پھر ایک بات اور ہے ہماری جینے! ان کا مقصد بالکل نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو وہ کوئی عقلی دار فاضل نہیں ہوتا۔ جس سے کم از کم انسانیت کا بھلا ہو بلکہ اسے مشکل ترین تصور کر کے اسے اپنا ہی نہیں جانتا۔ ہر شخص آسانی تلاش کرتا ہے شہادت کٹا ہونے کا ہے حالانکہ شہادت کٹ بیسہ خطرات سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔"

”سر! آپ نے بڑی آسانی کے ساتھ مثبت اور منفی رجحان کے بارے میں بتا دیا۔ ہمارے معاشرے میں دن بدن سختی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہزار مجموعی رویہ دکھا چھائی نہیں ہے، برعکس میں قصہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ انہیں بالکل ہی نہیں دیکھا جا رہا ہے یہ بھی تو ظلم ہے! جب معاشرے میں ظلم بڑھے گا تو اس کے رد عمل میں کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔“

”ہاں ظلم کا رد عمل بغاوت ہوتی ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ دراصل ہمارے معاشرے میں طبقاتی تفاوت بہت زیادہ ہے۔ جہاں معاشی طور پر لوگ غریب یا امیر ہیں وہاں پر غریب یا امیر ہونے کی نفسیاتی وجہ بھی ہے۔ غریب امیر ہونے کی کوشش میں ہے اور امیر امیر ترین بن جانے کے چکر میں ہے۔ یہ دوڑ ہے! اس میں بہت سارے کچھ چلے جا رہے ہیں لیکن کیوں نہ ہم اس دوڑ میں شامل ہی نہ ہوں تب کچھ جانے کا امکان نہیں ہوگا۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ ہم معاشرے سے الگ ہو کر بیٹھ جائیں؟“

”ہاں! میں نے تیزی سے کہا تو پروفیسر مسکرائے اور بڑے قہقہے سے بولے۔“

”میں یہی بات تم سے کہتا ہوں، چاہے ہر بات کہ جب ہم معاشرے سے کسی طور پر بھی الگ نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر کیوں نہ ہم صحت مند رجحان کے ساتھ مثبت راہ کو چنیں! اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے مگر ہمیشہ باصلاحیت لوگ مشکل معاملات ہی کو اٹھاتے ہیں۔ تم باصلاحیت ہو، ہاں! ایک ذرا سادہ معاشرے کا منفی حادثہ نہیں تو زچھوڑ دے گا۔ کیا تم اتنے کمزور ہو؟“

”نہیں! میرے بیٹے! ہمیں۔۔۔ وہ جو کوئی نہیں کر سکتا، وہ تم کو۔۔۔ منی سوچ“

”منی رجحان اور منفی رویے کو اپنے وجود سے نکال باہر کر ڈیکھیں تمہاری جیت ہے۔“

پروفیسر نے انتہائی ہنسی انداز میں کہا تو ہاں میں نے یوں محسوس کیا جیسے شفاف پانی میں دھیرے دھیرے کوئی رنگ گھلتا چلا جائے جیسے مایوی کے اندھیرے میں کوئی کرن روشنی نکھیرتی چلی جا رہی ہو یا پھر کوئی بے ہوش وجود ہوش میں آتے ہوئے دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی آوازوں کو پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تب اس نے اچانک کہا۔

”سر! ہمیں مانتا ہوں کہ اچھے مقصد کا سچا اگر من میں لایا جائے تو اسے اپنے خون سے سیراب کرنا پڑتا ہے لیکن! سر! تاکہ اور درخت ہو جانے کے باوجود اگر اس پر کوئی پھل نہ آئے تو۔۔۔؟“

”یہ سوچ ہی غلط ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ درخت شربار نہیں ہوگا۔ اس کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے اور پھر مقصد بھی تو محبت کی بات ہوتا ہے جو کسی غرض کے بغیر کی جاتی ہے۔ محبت کے بدلے میں کچھ مانگنا ایک طرح سے غرض ہے اور محبت غرض نہیں ہوتی۔“

”سر! محبت کو بھی تو خون بھر دینا پڑتا ہے۔“

”ہاں! محبت جب عشق میں اُصطیق ہے تو اس میں اپنا آپ تو رہتا ہی نہیں ہے سب کچھ محبوب کا ہوتا ہے۔ پھر اپنی مرضی کہاں رہ جاتی ہے۔ نہ کوئی خواہش نہ کوئی امید۔۔۔ ہاں! جب مقصد ہوتا ہے تو اسے حاصل کیا جاتا ہے۔ چاہے اس کے حصول کے بعد اس کی قدر رہے یا نہ رہے۔۔۔ اپنی زندگی کو با مقصد بناؤ! میرے بیٹے! تم سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کوزے کے اور پھر کہتے چلے گئے۔

"ہاں ہوں! تم میرے بہترین سنوڈنس میں سے ایک ہو۔ میں چاہتا ہوں تم میں بہت زیادہ صلاحیتیں ہیں! انہیں برہادمت کرو۔"

"میں کب چاہتا ہوں کہ میری صلاحیتیں برہاد ہوں لیکن جب ظلم۔۔۔"

"میں ہمیشہ استحقاق میں ہی سوئی ہوئی صلاحیتیں اُجاگر کرتی ہوں۔ جس طرح کوئی ہاشور ذرا سے اشارے میں سے اپنی نکتہ تلاش کر لیتا ہے بالکل ایسے ہی جب تم جیسے حساس شخص پر ظلم ہوتا ہے تا تو بہت زیادہ ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے۔ پھر ٹھنڈے میں بہت دقت لگتا ہے لیکن جانیں اسے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ ساری باتیں سمجھتے ہوئے بھی کیا تم بولیں ہو جاؤ گے؟ ظلم تو ہوں گے اگر ہم اس معاشرے میں رہتے ہیں اس کے ساتھ برتاؤ کریں گے تو یہاں ظلم ہوگا لیکن کیا ایک کبھی کی مانند مر جائیں گے؟۔۔۔ نہیں۔ ہم پر اگر ظلم ہوتا ہے تو پھر ظلم کو بھی پتہ چلنا چاہیے کہ وہ کس سے کرایا ہے۔"

اس بار خود پر دھیر بہت زیادہ جذبہ پائی ہو گئے تھے۔ ہمایوں دھیرے سے مسکرایا۔

"ٹھیک ہے سراسر امنیں خود کو مضبوط بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

"دلیل ڈان بیٹے اچھے پوری امید تھی کہ تم میری بات سمجھ جاؤ گے۔۔۔ کچھ ہی دنوں میں روزگٹ آنے والا ہے لیکن تم اس کا انتظار مت کرو! کل ہی کورٹ جانا شروع کرو۔ منین نے سر دار اقبال ایڈووکیٹ سے کہہ دیا ہے وہ تمہاری ہر طرح سے راہنمائی کریں گے۔ میرے بہت اچھے دوستوں میں شامل ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ تم اس پروفیشن میں بہت جلد اپنا نام بناناو گے۔ بہت محنت سے کام کرنا۔۔۔" پروفیسر نے خوشدلی سے کہا۔

"ٹھیک ہے سراسر امنیں کل سر دار صاحب سے مل لوں گا۔" ہمایوں نے کہا۔

"تمہیں کل نہیں آج۔۔۔ منین ابھی تمہارے ساتھ چلنا ہوں چاہئے بھی وہیں جا کر نہیں گے۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تو ہمایوں بھی ہنس دیا۔ ہنستے دنوں میں وہ پہلی بار دل سے ہنسا تھا۔

ہمایوں نے وہ دن بہت بھر پور گزارا تھا۔ وہ جو سچ ناچی کی حالت میں مگر سے لگا تھا وہاں آیا تو اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ اس نے اپنے والدین کو بتایا وہ بھی خوش ہوئے لیکن جیسے ہی وہ اپنے کمرے میں گیا تنہائی میں اپنا کھینچا کا خیال اس کے سامنے آ گیا اور اس کے ساتھ ایک سوال تن کر اس کے سامنے آ گیا جو نہانے کب سے اس کے لاشور میں پھنسا ہوا تھا۔

"ہمایوں! تم اپنا کیریئر بناناو گے یا پھر صنفیہ کی حاصل کرو گے؟ تمہیں دونوں میں سے ایک کو چھوڑنا ہوگا۔"

اس پر ہمایوں نے چند لمحوں سوچا پھر دھیرے سے مسکرایا اور زبردست بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"منین صنفیہ کو اپنا کیریئر بنا کر ہی حاصل کروں گا۔ یہی میری محبت ہے۔ کیا میرا عشق۔"

اس نے خود کو جو ب دیا تو پھر کوئی سوال نہیں ابھرا گویا اس کا اندر مطمئن ہو گیا تھا۔

☆☆

راہیلہ شام کی ڈیوٹی کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ اس نے یونیفارم پہن لیا تھا اور آؤٹ لکٹ کو سر پر جمادیا تھی۔ اسی دوران اس نے غور سے خود کو

آئینے میں دیکھا تو مجھ کو کھتی رہی۔ اسے اپنے آپ میں تبدیلی محسوس ہوئی۔۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی سوال کا جواب ڈھونڈتے ہوئے اس نے اپنا آنچل درست کیا اور ہانکل تیار ہو گئی مگر ایک خوشگوار تاثر نے اسے اب بھی گھبرا ہوا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اس کا جواب حاصل کر لینا چاہتی تھی ڈیوٹی شروع ہونے میں ابھی وقت تھا لہذا وہ اپنے لیے چائے بنانے لگی۔ اس دوران اس کا سارا دھیان اسی تاثر کی جانب ہی رہا۔ پھر جب وہ نصیحتان سے بیٹھ گئی اور چائے کا سپ لیا تو اسے جواب مل گیا۔۔۔ پہلے وہ اپنے طور پر چلتی کڑھتی رہتی تھی۔ ہر وقت اپنے آپ کو جلائے رکھنا سکتی ہوئی سوچیں ہر وقت اسے باہوی کے اندھیرے میں رکھتی تھیں۔ اسے اپنے آپ سے ڈرتے رہنے کے علاوہ اور کچھ بھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ سوچ چاہے جیسی بھی ہو انسانی وجود پر اثر انداز ضرور ہوتی ہے۔ سو وہ ہمیشہ کھلائی ہوئی رہتی تھی۔ کوئی مانے یا نہ مانے عورت بہر حال بھول کی مانند ہوتی ہے نہ موافق فضا اسے کھلا دیتی ہے مگر جیسے ہی خوشگوار ہوا کا جھونکا آئے تو پھر سے تردد تازہ ہو جاتا ہے ایسا ہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ اس نے ساری سوچوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ بوجھ جو انہی سوچوں کی وجہ سے اس پر رہتا تھا وہ اس نے اتر کر پھینک دیا تھا۔ کوئی کیا ہے اسے اب پرواہ ہی نہیں تھی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اسے اگر کسی کام سے منع کر دیا جائے تو وہ اس کے بارے میں مزید سوچتا ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ اس پر حاوی بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی کام سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ ایسا اس کے سامنے رکھ دیا جس سے اس کی توجہ بٹ جائے تو نہ صرف پہلے کام کی اہمیت شرم ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ وہ نئے کام کی جانب دھیان دیتا ہے۔ یوں بنا کسی مشکل کے غیر ارادی طور پر وہ منع کیا جانے والا کام بھول جاتا ہے۔ قدرتی طور پر راحیلہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ جنید کے خیال نے جہاں اسے پراگندہ کرنے والی سوچوں سے چھٹکارا دلا دیا تھا وہاں آنے والے دنوں میں ایک آس اور خوشگوار امید نے سب کچھ ہلا کر رکھ دیا تھا جیسے جنید کا خیال اسے یکسو کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ چائے پیتے ہوئے مسکرا دی ایک معمولی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس نے خالی کپ ایک جانب رکھا کرے پر اپنی ہنسی ہوئی نگاہ ڈالی اور واہ لاک کیا اور ڈیوٹی کے لیے پل دنی۔ خوشگوار خیال نے اسے سرور کیا ہوا تھا ایسے میں نجانے کیوں اس کے لبوں پر یہ دعا چل گئی کہ اسے جنیٹل جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر وہ اسے اپنے نگاہوں سے اجمل نہیں ہونے دے گی۔ انہی خیالوں میں گم وہ چلتی چلی جا رہی تھی کہ سامنے سے اسے دوسری سٹاف نرسوں کے ساتھ نرسین بھی آتی ہوئی دکھائی دی۔ راحیلہ کو دیکھتے ہی اس کے قدم تیز ہو گئے تھے۔

"راحیلہ! تمہارے لیے ایک چاری ہی خوشخبری ہے۔"

"خوشخبری تو بہر حال چاری ہوتی ہے۔ تم کب کیا بات ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ وہ لاکھ جوتوں نے مجھے دکھایا تھا کیا نام تھا اس کا۔۔۔ ہاں وہ جنیٹل اوہ نہیں نے آج یہاں ہسپتال میں دیکھا ہے۔"

"دیکھا ہے مطلب۔۔۔؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ خود تو ٹھیک تھا کہ ہے۔ ایک مریض کو لے کر آیا ہے۔ کچھ دیر پہلے وہ ایمر جنسی میں تھا اب پوچھ نہیں۔۔۔" نرسین نے تفصیل

بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔۔" اس نے اطمینان کا سانس لیا پھر فوراً بولی۔ "تم اس کے بارے میں پوچھ کر تمہیں اسے روکتیں۔"

"مجھے تا وقت ہی نہیں ملا وہ خود پریشان تھا۔۔۔ خیر اگر دو ہاں ہوا تو تمہیں مل جائے گا۔" نسرین نے کہا اور کھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اوجا ڈیوٹی پر۔۔۔ پورے دو منٹ لیت ہو چکی ہو۔"

نسرین نے احساسِ دہانہ تو دوا آگے بڑھ گئی۔۔۔ راحیلہ کو پورا یقین تھا کہ جنیفر سے ضرور ملے گا۔ اسے اپنی ذرا چھوری ہو جانے کا پورا یقین تھا اور وہ اسی یقین کے سہارے آگے بڑھتی گئی۔

دو دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ایمر جنسی کی طرف چلی گئی۔ بھلا ہر دو پر سکون تھی لیکن اس کی نظریں بے تابانہ اُسے تلاش کر رہی تھی۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی تم ہوئی پسندیدہ و شے کے بارے میں اچانک معلوم ہو جائے اور وہ اُس کی تلاش میں کھل پڑی ہو۔ ممکن ہے کشش اسے ہی کہا جاتا ہو۔۔۔ اسے اپنی ڈیوٹی کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ وہ بجائے اپنے وارڈ کی طرف جانے کے ایمر جنسی کے سامنے آگئی اور پھر اٹھ رہی گئی۔ دو سیدھی وہاں تک پہنچی جہاں مریض کو لایا جاسکتا تھا۔ شام نے دخل کر دیا تو وہ پوچھا کہ کیا اس لیے وہاں رہیں گے؟ اکاؤ کا لوگ تھے۔ اُس نے ڈیوٹی پر موجود نرس کو دیکھا جو ہاتھل میں رہنے کے باعث چہرہ شناسا تھی۔ اُس نے نرس کو جنیفر کا حلیہ بتاتے ہوئے پوچھا تو جواباً وہ بولی۔

"ہاں ایسا ڈاکٹر اور مریض کے ساتھ۔۔۔ تم اسے آپریشن تھیمز کی طرف دیکھو مریض کو ادھر ہی لے گئے ہیں۔"

"مریض کیا سیریس ہے؟" راحیلہ نے دیرے سے پوچھا۔

"گولی لگی ہے اُسے۔۔۔"

وہ حام سے انداز میں بولی۔ اس پر راحیلہ چمکتی گئی۔ پھر اپنے ہی خیال میں کھوئی ہوئی آپریشن تھیمز کی جانب بڑھ گئی وہاں بھی اُسے جنیفر دکھائی نہیں دیا۔ وہ یہی سوچ کر پلٹ گئی کہ ممکن ہے وہ مریض کو ہسپتال پہنچا کر وہاں سے چلا گیا ہو۔ وہ اچس ہو گئی اور اسی عالم میں اس وارڈ کی جانب چل دی جہاں اُس کی ڈیوٹی تھی۔ وہ قدرے دیر سے قدموں سے جا رہی تھی کہ اچانک اُس کی نگاہ ایک طرف لان میں کھڑے جنیفر پر پڑی جو سیل فون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ راحیلہ کو یوں لگا جیسے کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو اچانک۔ شے والی خوشی کا اس میں معمول سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کھڑی ہو کر اُسے باتیں کرتا ہوا دیکھتی رہی پھر اُس کی جانب بڑھ گئی۔ وہ لان سے باہر کھڑی تھی جبکہ جنیفر روشنی کے پہلے تلے کھڑا تھا۔ وہ بات کر چکا تو اُس کی نگاہ راحیلہ پر پڑی جو اُس کی جانب چھوری کیسوٹی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اُسے پہلی نگاہی میں پہچان گیا تھا اسی لیے وہ آگے بڑھا اور قریب آ کر بولا۔

"آپ۔۔۔؟" اُس کے لہجے میں شناسائی جھٹک رہی تھی۔

"ہاں منین۔۔۔ آپ یہاں پر کیا کر رہے ہیں؟" اُس نے اپنی ساری بے تالیاں چھپاتے ہوئے لاپرواہی سے پوچھا۔

"ایک ڈنشی کے ساتھ آیا ہوں دو آپریشن تھیمز میں ہے۔ منین یہاں بات کرنے آیا تھا۔" اُس نے وضاحت سے کہا۔

"کیا وہ ہے اُسے۔۔۔؟" راحیلہ نے اُس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس ڈنشی ہو گیا۔ گولی لگی ہے اُسے۔۔۔ میرا ایک دوست ہے وہاں منین دو انیاں دے آیا ہوں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟" جنیفر نے یوں کہا جیسے وہ اس موضوع پر بات نہ کرنا چاہتا ہو۔

"اچھا میرے لیے کوئی خدمت --- میں آپ کے کسی کام آسکتی ہوں؟" راحیلہ نے پورے غلوں سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ میرے کسی کام آسکتی ہیں یا نہیں۔ فی الحال تو ---" اس نے جان بوجھ کر قہر و ادھر اچھوڑ دیا۔ پھر جیسے اے خیال آ گیا تو وہ جیزی سے بولا۔ "آپ نے جو اس دن ایک بات کہی تھی اس نے مجھے بڑا حوصلہ دیا تھا۔ میں آج تک یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کہا تھا؟"

"ہاں ---" راحیلہ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں بھی آج تک یہ سوچ رہی ہوں اور مجھے یقین کچھ نہیں آ رہا ہے کہ میں نے ایسا کیوں کہا دیا تھا؟"

اس کے یوں کہنے پر جنید چونک گیا اور پھر حیرت سے بولا۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے ---؟"

"ممکن ہے عجیب ہو لیکن لگتا نہیں ہے۔ ضرور اس کی کوئی وجہ ہوگی جو نہ آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے اور نہ میری گرجج یہ ہے کہ ایسا ہوا۔ اب دیکھیں یہ بات کب سمجھ میں آتی ہے؟" وہ ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولے۔

"کہنا ایسا ہوسکتا ہے کہ ہم تھوڑی دیر میں ہمیں اور باتیں کریں پھر شاید اس بات کی سمجھا جائے۔"

جنید نے کہا۔ شاید وہ اسپتال کے اس ماحول سے فرار چاہ رہا تھا۔

"ہاں ایسا ہوسکتا ہے لیکن شاید ابھی نہیں سمجھ سکتی ہیں پر جارہی ہوں اور آپ کا دوست آپریشن تھیمز میں ہے پھر کن وقت ---" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اپنی نسانہ جھک کر برقرار رکھا۔

"ٹھیک ہے پھر کسی وقت سنی۔ آپ چاہیں تو میرا نمبر نوٹ کر لیں۔ جب بھی آپ کے پاس وقت ہو تو مجھے بتا دیجئے گا۔"

"تاکیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے ہال پن نکالا اور اپنی جیب پر لکھنے کے لیے تیار ہو گئی یوں جیسے وہ اپنی قسمت کی لکیروں میں اسے بھی شامل کر رہی ہو۔ جنید نے اپنا نمبر دے دیا۔ اس نے جیب پر لکھ لیا تو وہ بولی۔

"اچھا خدا حافظ ---!"

"خدا حافظ --- لیکن کیا آپ نام نہیں پوچھیں گی؟" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے جنید ہے آپ کا نام ---"

"اوہ ---!" اس نے سوچتے ہوئے کہا اور بولا۔ "--- اور آپ کا؟"

"راحیلہ ---!"

اس نے اختصار سے کہا اور آگے بڑھ گئی حالانکہ اس کا وہاں سے جانے کو نکلنا تو نہیں چاہ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ وہاں سے چلی گئی اس

احساس کے ساتھ کہ چینیا سے جاتا ہوا ضرور دیکھ رہا ہوگا۔ اُسے خوشی ہوئی تھی کہ مجید سے اس کا رابطہ ہو گیا ہے۔

رات کے سنانے میں منیہ اپنے بیڈ پر پڑی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ پہلی بار تہذیب کے ساتھ تھا گئی تھی۔ کئی دنوں سے وہ اسے فارم ہاؤس دکھانے کے لیے کہہ رہا تھا مگر وہ یوں تھا نہیں جا سکتی تھی۔ وہ دولت مند ہوجانے کے باعث ایک خاص طبقے میں آگے تھے جنہیں دولت مندوں کو دُنیا کہنا جاتا ہے لیکن ابھی تک ان کی رگوں میں وہی پرانی روایات اور خیالات گردش کر رہے تھے جو اسے وراثت میں ملے تھے۔۔۔

دراصل تقسیم ہند کے بعد بہت کچھ تکلیف ہوا۔ کئی شرفاء اپنی شرافت کا لہواہ اڑھے پستے رہے اور کئی نام نہا شرفاء نقاب اڑھ کر دولت مند بن گئے۔ یوں لوہو دلتیوں کا ایک طبقہ اس معاشرے میں ابھرا جس نے روایتی جاگیرداروں، صنعتکاروں اور بیوروکریٹس کے مقابلے میں آنے کے لیے نمودار نمائش کا سہارا لیا۔ خود کو دولت مند ثابت کرنے اور طبقہ امراہ میں سے ہونے کے لیے بہت سارے اٹکنڈے بھی آزمائے جس کا خاطر خواہ اثر ہوا یا نہیں یہ انہی بات ہے لیکن اُس نے اس طبقے کی جدوجہد کو بہت حد تک نمایاں کر دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی روایات، خانہ دانی حیثیت اور زندگی گزارنے کا سلیقہ طریقہ تک بدل لیا۔ اسی دوران مادیت پرستی کے رجحان نے اپنا کام دکھایا اور یہی طبقہ اس سے متاثر بھی ہوا۔ روایتی جاگیرداروں اور صنعتکاروں کی گرفت اس معاشرے پر سخت سے سخت ہوتی چلی گئی۔ عسکرانی سے لے کر مصیبت تک پردہ نوک چھاتے چلے گئے اور پاکستان کی حقیقی عوام جذباتی نعروں، تصوراتی سبز بانوں اور انقلاب کی راہ دیکھتے دیکھتے دوسری نسل بوڑھی کر چکی ہے۔ اس سارے تناظر میں درمیانہ طبقہ اور نو دلیجے نری طرف بھنس چکے ہیں۔ فریب مزید غریب تر ہونا چاہا جا رہا ہے اور امیر امیر تر۔ اب یہ دونوں طبقے امیر ہو گئے ہیں۔ فریب کی طرف جا نہیں سکتے، بھنسنے سے ایک اور طبقے نے جنم لیا جسے جرائم پیشہ کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ بغاوت کے ظہور دار ہیں۔ ممکن تھا کہ یہ لوگ اگر اپنی تحریک کو مثبت رکھتے اور ان میں کچھ مرکزیت ہوتی تو انقلاب کی راہ ہمارے ہو سکتی تھی لیکن یہاں بھی بدقسمتی کا سایہ رہا۔

درمیانہ طبقے اور نو دلیجے نے کالے دھندے ہی سے اپنے آپ کو بڑی۔ وہ یہ بھول گئے کہ دراصل یہی ناکا کا راستہ ہے۔ لیکن ساری گفتگو کے اثرات ان کے خاندان کے اندرونی معاملات پر بھی پڑے۔ ایک قسمت کے نیچے رہنے والوں کے خیالات، خواب، امیدیں، خواہشیں اور ارادے بالکل مختلف ہیں۔ ان کی آنسو آنے والی نسل یہ بھول گئی ہے کہ جس ملک کی آزادی لڑنا ہے وہ سانس لے رہے ہیں اس کا حقیقی کلچر کیا ہے۔ وہ کس نام سے وجود میں آیا، کتنی قربانیاں دی گئیں؟ لڑکی جو میکینڈولڈ میں بیٹھ کر گر کر کھاتے ہوئے اپنے بوائے فریڈ کے ساتھ یورپ اور امریکہ میں آزادی کی بات کرتی ہے! اسے قطعاً احساس نہیں ہے کہ اس ملک کی خاطر کتنی محنتیں نہیں اور کتنی غیرت مند بٹیوں نے اپنا آپ فتح کر لیا۔ یہ قصور کس کا ہے؟ نئی نسل کا بالکل تصور نہیں ہے یہ قصور ان لوگوں کا ہے جن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ پاکستان کی عوام کو پاکستانی قوم

لے یہ کوئی باقاعدہ اجتماعی کوشش نہیں بلکہ انفرادی تھی۔ کہ پٹن کی راہ دکھانے کو دولت کمانے کی دُعا سوار ہوئی، جس میں دھیرے دھیرے جموریوں دہل انداز ہوتی چلی گئیں۔ جاگیرداروں کے خلاف اجتماعی شعور نہ ہونے کے باعث یہ لوگ جاگیرداروں کے جال میں پھنسنے چلے گئے۔ بعد ازاں سرمایہ دار بھی اس میں شامل ہو گئے۔ پاکستان کی تاریخ میں جتنے بھی رکن اسٹیبل منٹ ہوئے ہیں، ان میں جاگیردار کتنے ہیں؟ اور ملک کی جمہوری ترقی

عشقِ قتا ہے عشقِ بتا

کس طبقے کے کھانے میں گئی ہے۔ اس سے ساری حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ اس ملک کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ کیا ہم نے اس کا تھین کیا؟ اگر کر لیا ہے تو پھر اعلان جیسا کیوں نہیں؟ اصل میں یہی طبقہ اس ملک کا مسئلہ ہیں۔

ہونے کا یقین دیں۔ بلاشبہ یہ دانشوروں کا طبقہ ہے جو اپنا فرض بھول چکا ہے۔ آج اگر کسی نو روٹھے کی بیٹی یہ سوچتی ہے کہ وہ مزید دولت مند کس طرح بن سکتی ہے تو یہ کوئی نئی یا الو کی بات نہیں ہے۔ اسے وہ ہری جگ نرنا پڑ رہی ہے۔ اپنی روایت کے خلاف اور جدید تقاضوں کے ساتھ چلنے کی شدید آرزوئوں ڈیپریشن کے ساتھ جرم بھی بڑھ رہا ہے۔ یہی سب کچھ منیہ کے دماغ میں تھا۔ وہ اسے اپنی خوش قسمتی تصور کر رہی تھی کہ تیور جیسا دولت مند اس میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر تیور کی یہ دلچسپی برقرار رہی اور وہ خود اسے حوصلہ دے کر پیارا اور محبت کی راہ پر لے آئے میں کامیاب ہو گئی تو دولت کا ایک خزانہ اس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ ایک صنعتکار کا بیٹا جس نے یورپ دیکھا اور اپنے لیے اسے پسند کر لیا یہ اس کے لیے معمولی بات نہیں تھی۔ اسے اپنی راہ پر لانے کے لیے بہت مہر اور قفل کی ضرورت تھی، کوئی ایک بھی الٹا قدم اس کی راہ کھولنی کر سکتا تھا۔ اسے تیور کے بارے میں اس قدر تفصیلی معلومات نہیں تھیں۔ بس اس کے بارے میں اتنا معلوم تھا جو ادھر ادھر سے اُسے سننے کو ملا تھا۔ وہ دیکھتا تھا، باہر تھا، جیسے جیسے تھا، خرچ اس کے ذہن میں اپنے شریک زندگی کے لیے ایک خاکہ سا تھا اس پر وہ پورا اترتا تھا مگر وہ دولت مند کس قدر تھا اس کا اسے احساس نہیں تھا، وہ جو اس کے ساتھ فارم ہاؤس پر گئی تو اسے دولت کی ایک بھٹک دکھائی دی۔ وہیں اسے تجسس ہوا کہ یہ مزید کتنا دولت مند ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے ایسی معلومات کے لیے تیور اذیت چاہنے تھا۔ اس وقت منیہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ تیور کو تیور اذیت ہی ہوا ہے برطانیہ سے آئے ہوئے اور ممکن ہے کہ یہ اس کا جذبہ ملی فیصلہ ہو جو کچھ عرصے کے بعد ختم ہو کر رہ جائے یا شاید اسے یہ بھی علم نہ ہو کہ جب اس کے والدین کو معلوم ہوگا تو جس طرح وہ غربت میں جانا پسند نہیں کر رہی ہے اسی طرح اُس کے والدین بھی کم دولت مندوں سے ہونا پسند نہ کریں۔ تب اس کی حیثیت کیا ہوگی؟ وہ غوری طور پر اس کے لیے ہاں یا نہ کا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی، اس کے لیے وقت چاہنے تھا تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ تیور اس کے لیے کتنا سیریس ہے۔ اگر وہ اسے دل سے چاہتا ہے تو محبت کی راہ پر وہ اسے لے کر ضرور چلے گا، ورنہ اس راہ پر چلنے سے پہلے ہی وہ اس کا ساتھ چھوڑ جائے گا۔ اس وقت منیہ کے دماغ میں یہ بھی چل رہا تھا کہ تیور کو محبت کی راہ پر لاتے ہوئے وہ خود کتنی اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ جس طرح وہ اس کی دولت دیکھ کر اس کی جانب بڑھی ہے، کہیں وہ اس کا حسن دیکھ کر تو اس کی طرف نہیں لپکا اور مگر کسی بیٹھوسے کی طرح اس میں جھون کر آئے۔ ایسے میں وہ کچھ بھی نہیں کر پائے گی اور سارا نقصان اس کی اپنی ذات کا ہوگا۔ وہ آسان کو چھوٹے ہوئے منہ کے بل آگرے گی۔ اس نے اپنے من کو ٹھوٹا کیا واقعی ایسا ممکن ہو جائے گا؟ تکی دیر تک اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ شاید وہ تیور سے محبت کر رہی نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کی اپنی نگاہ فقط تیور پر نہیں تھی بلکہ اس کے ساتھ آنے والی دولت پر تھی جو تیور کے حاصل ہوتے ہی اس کی ہو جانے والی تھی۔ اسے اس راہ پر بہت قحط ہو کر چلنا تھا۔

اس کے ذہن میں یہ خیالات بھی آ رہے تھے کہ جب وہ تیور سے ابھی نہیں ملی تھی تب اس کے اپنے خیالات کیا تھے وہ اپنے ہارے میں کیا سوچتی تھی۔ اگر وہ خود ہی تیور کی راہ پر چل رہی ہے تو اس کے اپنے خواب ادھر سے رہ جائیں گے۔ تیور کے مقابلے میں اس کی اپنی حیثیت کیا ہے وہ خود کیا ہے؟ اگر تیور کا معیار فقط حسن ہے تو اگر اس کا حسن نہ رہے تب پھر اسے اپنی زندگی کا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ وہ دوسروں کی دست بگر

رہے یہ اُس کی اتا کے خلاف تھا۔ اُس نے اپنے ہارے میں یہ سوچا ہوا تھا کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُس کی اپنی ایک سماجی حیثیت ہونی چاہئے جہاں اُس کا نام ہو اپنی ایک پہچان ہو لوگ اُسے اس کے سماجی زہے سے جانیں۔ وہ یہ بات اُنھی طرح جانتی تھی کہ اُس کے ارد گرد کا معاشرہ اُس کی ملا جلتوں سے نہیں اُولت کے معیار سے اُس کی عزت کرے گا۔ بہت کم لوگ ہیں معاشرے میں جو کسی کی مثبت ملا جلتوں کو سراہتے ہیں ورنہ یہ معیار بن چکا ہے کہ اُس کے سماجی زہے سے ہی اُس کی عزت کی جائے۔ جب تک کوئی کسی زہے پر ہے اُسے اس کی حیثیت کے مطابق نہ صرف عزت دی جاتی ہے بلکہ اسی قدر خوشامد بھی ہوتی ہے لیکن جیسے ہی اُس کا سماجی زہہ ختم ہوا اُس کی کرسی چھینی وہ عزت کے اس معیار پر نہیں رہتا یہ ہمارا معاشرتی اصول بن چکا ہے اسی لئے بہت سارے لوگ اس معاشرے سے عزت و احترام کے حصول کے لیے نقاب اوڑھنے پر مجبور ہیں۔ وہ جانتی تھی کہ اُس کا کوئی سماجی زہہ ہو۔ چاہے اپنے باپ کا کاروباری سنبھالے یا کوئی حکومتی ملازمت کرے۔ جب تک وہ اپنی تعلیم مکمل نہیں کر لیتی اور اپنا خواب پورا نہیں کر لیتی تب تک وہ تیمور سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے لئے ابھی تھوڑا وقت درکار تھا اور اس وقت میں میرا اور برواشت اُس کے اپنے فائدہ سے ہی میں تھی۔ اگر تیمور اُس سے واقف ہونے سے محبت کرتا ہے تو اُس کا انتظار کرے گا۔ وہ اُسے مزید جوصلہ دے گی تاکہ تیمور کے دل میں اُس کی محبت مزید گہری ہو جائے۔ اس طرح وہ نہ صرف تیمور کو پالے گی بلکہ اپنا خواب بھی پورا کرے گی۔ اگر تیمور اُسے راد میں چھوڑ بھی گیا تو کم از کم وہ اپنا خواب تو پورا کرے گی۔

رات و میرے دھیرے دھیرے بڑھتی چلی جا رہی تھی اور صفا اپنے ہی خیالوں میں اُبھی ہوئی تھی۔ تیمور کے دولت مند ہونے کی مہلک نے اُسے نہ صرف بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا بلکہ ایک طرح سے اُسے ڈپریشن میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔ اُسے کوئی فیصلہ کرنے میں ڈھسوا رہی ہو رہی تھی کہ آخر وہ کیا کرے؟ — وہ شام سے ہی سوچ رہی تھی اور بھرات کے دوسرے پہر میں بہت سوچ کر اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ اُسے بہر حال وقت چاہئے تھا سوا اُس نے فیصلہ آنے والے وقت پر چھوڑ دیا۔ یہ سوچتے ہی اُس نے گہری سانس لی ایک بوجھ اُس کے سر سے اتر گیا تو وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔

ہالیوں اپنے کمرے میں پڑا سلسل سوچ رہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا مگر میں مکمل خاموشی اور اُس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ اُسے یہ قطعاً احساس نہیں تھا کہ رات و بے پاؤں چلتے ہوئے کہاں سے کہاں تک جا چکی ہے۔ وہ بس سوچتا چلا رہا تھا اور اُس کی یہ سوچ بالکل غیر اہتیار تھی۔ وہ اپنی زندگی کا ایک اہم ترین دن گزار چکا تھا جس نے اُسے سوچوں کی آماجگاہ بنا دیا تھا۔ ان سوچوں میں جہاں وہ وقتی دہاؤ کا شکار ہو کر رہ گیا تھا وہاں وہ انہی سوچوں میں سے مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

صبح جب وہ پہلے دن عدالت جانے کے لیے تیار ہوا۔ سفید قمیص پر اُس نے کالا کوٹ زیب تن کیا تو ایک ایسا احساس اُس کے اندر پھیل گیا جس میں اپنے آپ پر اطمینان ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ وہ ناشتے کے لیے برآمدے میں آ بیٹھا تو ماں نے محبت اُس کی جلا میں لے لیں اور پھر ڈھیر ساری ڈعامیں اپنے زہے سے ماتیں۔ اس دن ماں نے بہت عیار سے اُسے ناشتہ کروایا تھا اور پھر جس وقت وہ گھر سے باہر نکلنے لگا تو نہ بلی

بی نے اپنے پلوں میں بندھے چند ٹوٹے ہوئے صدقہ دل سے کہا تھا۔

”جا میرے بیٹے اللہ تجھے خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے۔“

اُس نے اپنی ماں کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں ممتا کے سارے رنگ پھیلے ہوئے تھے لیکن اُس کی اپنی مٹھی میں وہ مڑے تڑے ٹوٹے ٹوٹے یوں جل رہے تھے جیسے اُس نے انکار سے اپنے ہاتھوں میں لیے ہیں۔ اِس دن اُسے اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ ہاتھوں کا دل بھرا آیا لیکن وہ ٹھنسا جاتا تھا کہ اُس کی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو اُس کی ماں دیکھ لے اُس نے پورے زور سے اپنی مٹھی بند کی اور وہ مڑے تڑے ہوئے ٹوٹے ٹوٹے ہاتھ کیپے اپنی جیب میں رکھ لیے۔ اُس کے پاس اتنے پیسے تھے کہ وہ نہ الٹ جا کر پھر واپس آ سکتا تھا۔

خلاف توقع اُسے بہت اچھے انداز سے خوش آمدید کہا گیا تھا۔ گزشتہ دن تکلف بھری ملاقات تھی آج ویسا نہیں تھا لیکن ہے پُر وہ فیسر نے اپنے انداز سے مزید سرد اور قابل ایڈووکیٹ کو سمجھا دیا ہو۔ وہ جیسے اُس کے منتظر میں تھا۔ اُس نے بہت اچھے انداز میں محنگو کی اُصول دیا اور محنت سے کام کرنے کے بعد اِس ڈیپارٹمنٹ کا کامیابی کا نشہ اُسے بتایا۔ پھر وہ گریجویٹ اور سینئر وکیلوں سے اُس کا تعارف کروایا۔

”آج کے لیے اتنا کافی ہے ہاتھوں اتم آج اپنے کونسلرز سے ملنا ان سے تعارف حاصل کرو۔ ان سے پوچھو کہ کیسے کیس سٹڈی کیا جاتا ہے۔ یہاں کے ماحول کے بارے میں واقفیت حاصل کرو۔ تم اگر محنت لگن اور دیانت داری سے کام کرو گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ تمہارا شمار بہترین وکیلوں میں نہ ہونے لگے اور ہاں کوئی بھی مسئلہ ہو تو مجھے بتانا۔“

سردار اقبال کی باتوں سے اُسے بہت حوصلہ ملا تھا۔ اگرچہ وہ سارا دن یونہی تعارف وغیرہ میں گزار گیا تاہم اِن باتوں میں اُسے بہت ساری باتیں ایسی بھی ملیں جن میں آگے بڑھنے اور بہت کچھ کر سکنے کی نشاندہی موجود تھی۔ شرط صرف یہی تھی کہ وہ مستقل مزاجی سے اپنے کام میں ڈال رہے جبکہ اِس کے سامنے ماں کا چہرہ تھا جو صبح آتے وقت اُس نے دیکھا تھا اور ٹوٹے اُس کی جیب میں تنگ رہے تھے۔

عدالتی معمولات شروع ہوئے تو ہر بندہ اپنے اپنے کام میں لگ چکا تھا۔ سردار اقبال وہاں سے اُٹھ کر کہیں چلا گیا اُس کے باپرنشی اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ عدالت کا احاطہ لوگوں سے بھرتا چلا جاتا تھا۔ ایسے میں ہاتھوں اپنے سامنے ایک پرانے کیس کی فائل رکھے اپنے ہی جیسے ایک جونیئر وکیل سے کیس پڑھنے کے بارے میں سمجھ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اِس میں مصروف رہے۔ جو بھی اُس نے سمجھا یا تھا ہاتھوں اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

”ہل بس کریں یاد! آج ہی سارا کچھ سمجھ لینا ہے۔“ جونیئر وکیل عابد الہی نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔ ”ہل چائے پیتے ہیں۔“

اُس نے آفر کی تو ہاتھوں بھی اُٹھ گیا۔ احاطہ عدالت میں نئی اِس عام سی کینٹین پر وہ چلے گئے جہاں پہلے ہی لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ وہ چائے کا آرڈر دے کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ اِن کی گفتگو وہی عام سی تھی جو یہاں کے ماحول کے بارے کی جا سکتی تھی۔ اسی دوران اِن سے قدرے فاصلے پر ایک کردار آ کے رکی جس میں سے ایک بھاری بھر کم جسم والا شخص برآمد ہوا۔ اُس نے کاشن کا کھڑکھڑاتا ہوا شٹلوار سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

سیاہ ہال پیچھے کی جانب کھینچی کر کے جمائے ہوئے تھے۔ کال سینک کے ساتھ کان میں سونے کا ایک ٹاپس تھا۔ ہلکی ہلکی سیاہ واڑھی اور موچھیں، موٹی گردن میں سونے کی تین چار زنجیریں ڈالی ہوئی تھی۔ سفید لباس پر مردن کھرکی دلیں کوٹ وہ شان بے نہازی سے اتر اور اس سے پہلے چار گارڈ اسٹریٹ گاڑی سے اتر چکے تھے۔ وہ ایک جانب کوچل دینے تو عابدہ انہی نے اٹھائی تھی یہ انداز میں کہا۔

”بڑی ٹھور ہے آج کل اس کی۔“

”کون ہے اور آج کل ٹھور۔۔۔؟“

بچا اختیار ہاویں نے اس سے پوچھا تو عابدہ یوں بولنے لگا جیسے وہ اس سے پہلے ہی خار کھا تھا۔

”تھا ایک تھوڑا کھاس فٹنڈہ یونیورسٹی میں ہم سے محض ایک سال ہی آگے تھا۔ کوئی ماٹکے کی سائز سا نیگلی نہیں دچ تھا اسے اور آج یہ اپنی اینڈ کرور میں مگھرتا ہے۔“

اس کے یہ کہنے پر ہالیوں یوں متوجہ ہوا جیسے عابدہ نے اس کی ڈکھتی ہوئی رنگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس نے اس سے تیزی سے پوچھا۔

”ایسا کون سا جاوہ ہے کہ دونوں میں ہی کا پاپٹ گئی؟“

”ٹویار ایسے فٹنڈہ قسم کے لوگوں کو استنباط کرنے والے تھوڑے ہیں یہاں پر؟ اگر یہ ایک لاکھ کھاتے ہیں تو دس لاکھ کسی اور کی جیب میں جاتے ہیں۔ اس نے ایک سیاسی پارٹی کو ان دونوں میں ہی جو ان کر لیا تھا جب یہ یونیورسٹی میں تھا۔ اب ان کی حکمت ہے تو دونوں ہاتھوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ نقل ڈکھتی غشیات فردوسی بلیک میٹنگ اور نجانے کیا کیا۔“ عابدہ نے قصے کے طے جٹے لہجے میں کہا۔

”نیکن عابدہ! اتنی چٹھری اور اتنی تیزی سے یہ اکیلا۔۔۔؟“

”تم نہ جانے کس دنیا سے آئے ہو یا ر! کیا آنکھیں کھلی نہیں رکھتے ہو؟۔ ایسا کام ایک آدھ بندہ نہیں کرتا۔ پورے گردو ہیں گینگ بنے ہوئے ہیں۔ اب پتہ نہیں کہ اس کی قسمت اچھی ہے یا خراب، مہر حال اسے کوئی گینگ مل گیا ہے اور یہ دونوں میں دولت سے کھیلنے لگے۔“

”کیا نام ہے اس کا۔۔۔؟“ ہالیوں کو ایسے لگا جیسے وہ اس کا ہیر وہو۔ ایسا ہی سب کچھ وہ اپنے تصور میں دیکھا کرتا تھا۔ ایسا جب سے وہ سوچ رہا تھا جب اس نے ایک مات حوالات میں گزارا تھی۔

”ماجدوڑا۔۔۔“ عابدہ حیرے سے بولا۔

”اچھا تو یہ ہے۔۔۔“

ہالیوں نے یوں کہا جیسے یہ نام اس کے لیے اچھی نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی ماجد کے ہارے میں سٹی ہوئی بہت ساری باتیں اسے یاد آئیں۔ شاید ان کے درمیان مزید بات چیتی مگر چائے آچکی تھی اور وہ چائے پینے لگا۔ اس خاموشی کے دوران ہالیوں نے اپنے اندر ایک خاص قسم کی سنسنی محسوس کی تھی۔ جب تک وہ عدالت میں رہا ماجدوڑا کے ہارے میں ہی سوچتا رہا۔ ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کے ذہن میں کوئی قصور آتی خاکہ ہو اور اسے اگر حقیقی روپ میں دیکھ لیا جائے تو بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ اس دن ہالیوں سے تھوڑا بہت کام بھی لیا گیا اور چائے وقت اسے تھوڑے

سے لوٹ دے دیئے گئے۔

"یہ کیا ہے۔۔۔؟" اس نے عابدائی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں! بس تمہوڑے سے روپے ہیں جو ہم نے کام کیا ہے۔ ہمارا خرچ کہاں سے چلنا ہے۔ یہی تو بات ہے سردار صاحب کی او اپنے جو نیرز کا بھت خیال رکھتے ہیں۔"

اس دن اس نے پہلی کھائی اپنی جیب میں ڈال لی اور پھر گھر آ کر دو روپے اپنی ہاتھ کو پتے ہوئے بولا۔

"امی ایہ لیں یہ میری پہلی کمائی ہے۔"

"اللہ تجھے بہت دے گا میرے بیٹے!"

ماں نے وہ روپے یوں پکڑتے ہوئے ڈعا دی جیسے وہ کوئی مقدس شے ہو۔ وہ اپنے کمرے میں گیا اور جیب میں سے ماں کے دیئے ہوئے مڑے تڑے لوٹ نکال کر احتیاط سے اپنی انداری میں رکھ دیئے۔ اُسے قطعاً سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ وہ کھانا کھا کر سو گیا۔ اس سوچا اسے بڑے عجیب عجیب سے خواب آتے رہے وہ خواب ڈر خواب میں رہا۔

دورات دیر سے دیر سے گزارتی چلی جا رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نیند ابھی تک نہیں اتری تھی۔ اس نے ساری سوچوں کو ایک طرف بھٹک دیا اور پھر اپنے آپ سے ایک سوال کیا کہ وہ واقعی دولت کیوں کمانا چاہتا ہے؟ اس کے ساتھ ہی لمبے کے ہزاروں حصے میں اندر سے آواز آئی تاکہ میں صاف کواپنا سکوں۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا وہ اگر میری محبت ہے تو میری دشمنی مجھ سے نہیں اگر اس سے بدلہ لینا چاہتا ہوں تو وہی میرا مقصد ہے۔ وہی میری آنا ہے اور وہی میری مجبوری۔ صاف کا خیال آتے ہی وہ جسم اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ لہوں میں وہ سارا منظر اس کی آنکھوں میں محسوس کیا جو کالج کے سامنے ہوا تھا۔ ہا یوں نے سب کچھ ذہن سے نکال دیا۔ بس یاد رکھا تو اس کا حسین چہرہ جس پر وہ سو جان سے فدا ہو گیا تھا۔ اس کی نگاہوں میں وہ منظر جم گیا جب وہ کالج گیٹ سے باہر نکلی تھی ابھی عرصے بعد جب اس نے اسے دیکھا تو مبہوت رہ گیا تھا۔ پھر عرصے جسم پر کالج یونیفارم کسی ہوتی تھی۔ سیدھے ریشمی ہاتھوں کو یونین کھلا چھوڑا ہوا تھا جو دیر سے دیر سے چٹنے والی ہوا سے لہرا رہے تھے۔ ستواں ناک کے ساتھ بڑی بڑی غلانی آنکھیں جن میں کاجل کی ڈور تھی۔ میک آپ سے بے نیاز چہرہ گلابی پتلے پتلے ہونٹ الٹی گردن جس میں ہار یک سی چین تھی۔ وہ اپنے خردلی انگلیوں والے ہاتھ سے ہالوں کو سنوارتی۔ اس کے ساتھ ہی چٹانخ کے ساتھ آواز ابھری اور لاشعوری طور پر اس کا ہاتھ اپنے گال پر چلا گیا پھر سب کچھ ٹاپٹ ہو گیا۔ چٹانخ کی آواز نے ورنہ سلائی جیسا کام کیا اور پھر ہر طرف آگ لگ گئی اور سٹک کر رہ گیا۔

☆☆

راہیلہ نے دیر سے سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تاکہ سوئی ہوئی نسرین جاگ نہ جائے اور کمرے میں آگئی۔ دو بجائے فوراً یونیفارم تبدیل کرنے کے کرنی پر بیٹھ گئی جیسے بہت تھک گئی ہو۔ ہمیشہ یہی ہوتا تھا کہ جن دنوں جس ناسٹک میں ان کی ڈیوٹی ہوتی تھی دو دنوں ہی ایک دوسرے کو ڈسٹرب نہیں کرتی تھیں۔ وہ ڈیوٹی سے آنے کے فوراً بعد یونیفارم تبدیل کرتی اور عام لباس پہن کر سو جاتی۔۔۔ جس روز وہ کرسی پر بیٹھی

سوچ رہی تھی کہ نسرین نے دھیرے سے کہا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ تمک گئی ہو یا کوئی اور بات ہے؟"

راحیلہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا جو سر ہانے پر سر رکھے چادر میں سے منہ نکالنے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔" راحیلہ نے یونہی کہہ دیا اور پھر جوتے اتارنے لگی۔

"کوئی بات تو ہے یا۔۔۔!" نسرین نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں تو اب سے آدھا گھنٹہ پہلے آ جانا چاہئے تھا۔ یہ اتنی

دیر کہاں لگا دی خیر تو ہے؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"پارہ ایوینیو آف ہونے کے بعد میں نے سوچا جنید کو دیکھ لوں۔۔۔ اس کا مریض تو آئی سی یوشس ہے لیکن وہ خود وہاں نہیں تھا وہاں کوئی

اور ہی تھا میں نے پوچھا سنا سب نہیں سمجھا اور تھوڑی دیر انتظار کے بعد وہاں سے آ گئی۔ بس اس میں دیر ہو گئی۔" راحیلہ نے بتایا۔

"راحیلہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے کیوں ہوا کو اپنی مٹھی میں بند کرنے کی ضد کر رہی ہو؟" ہوا کا کچھ نہیں جائے گا تمہی خالی ہاتھ رو جاؤ گی

"نسرین نے نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"ایسا نہیں ہے نسرین! جب میں یہاں سے گئی تو وہ مجھے ملا تھا۔ اس سے باتیں بھی ہوئیں فون نمبر دیا ہے اس نے مجھے۔۔۔ وہ کہیں

نہیں جائے گا اور ہی رہے گا میں اب اسے اپنی نگاہوں سے اوچھل نہیں ہونے دوں گی۔" راحیلہ نے یوں کہا جیسے وہ نسرین سے نہیں کہہ رہی بلکہ

اپنے آپ کو تسلیم کر رہی ہو۔

"تم نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا راحیلہ! میں نے اسے ہوا کہا ہے جس کے مقدر میں سکوت نہیں ہوتا ہوا ایک جگہ ٹھہری نہیں

سکتی۔" نسرین نے انتہائی ذہنی دل سے کہا

"میں بھی نہیں۔۔۔ آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" وہ واقفا کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"جس طرح تم نے اس کے بارے میں مجھے بتایا تھا میں نے اسے بہت سوچا۔ پھر میں نے خود اپنی آنکھوں سے بھی اُسے دیکھا ہے وہ

کسی اور ہی دنیا کا ہاشمہ ہے میری جان! وہ ہمارے معاشرے کے بدصورتوں میں بندھ کر نہیں رہ سکتا وہ اتنی ہی عمر میں شعلہ جولا ہے تو آگے کیا ہوگا"

وہ محض جراثیم پیدہ ہوتا تو اس کی واپسی ممکن تھی وہ ایسا نہیں ہے۔ وہ ایک مقصد کو لے کر نکلا ہوا ہے جہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں ہے۔" نسرین کا

انداز اسے سمجھانے والا تھا۔

"تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو میں اور تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

راحیلہ نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جیسے خیالوں میں کھو گئی اور پھر جوتے ہونے لگی۔

"ڈاکٹر اور میں بچپن ہی سے ایک سکول میں پڑھے ہیں۔ سب کو بھی معلوم ہے کہ وہ پادری بننے کے لیے نکلا ہے۔ کس ملک میں ہے یہ کس

کونسی مضمون۔ اس کے گروا لے چکی کہتے ہیں کہ وہ دینی گمن سنی میں ہے لیکن ایسا قطعاً نہیں ہے۔ اُسے مذہبی جنون تھا۔ میں اس کے خیالات سے

واقف تھی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے راحیلہ کی طرف دیکھا "لو مجھ کو خاموش ہوتی اور پھر کہتی چلی گئی۔" بر مذہب امن کا پرچار کرتا ہے لیکن کون سا ایسا ملک ہے جس کی پچھان مذہب ہے اور وہ حالت جنگ میں نہیں۔ وکٹر بھی اس آگ کا اہدہ من بنے چلا گیا ہے تاریخ سے کسی نے سبق نہیں سیکھا۔ میں آج بھی وکٹر کو یاد کرتی ہوں حالانکہ مجھے اس سے سخت نفرت کرنی چاہئے۔"

"تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا نسرین؟" راحیلہ کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"کیا بتاتی تھی کہ وہ اپنی ملا جلی چیزیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے جا رہا ہے جنہیں میں پسند کرتی ہوں۔ میں کسی کرسچین لڑکی کے ساتھ رہ سکتی تھی لیکن میرے اور اس کے نظریات میں بہت فرق ہوتا۔۔۔ اچھا نہیں کہ ہم اس موضوع پر بات ہی نہ کریں جو دکھ دینے والی ہو نفرت بڑھانے والی ہے۔ ہم کب یہ سمجھیں گے کہ ہم ان کے مفاد کا اہدہ من بن رہے ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہی نہیں ہے۔"

"میں بات چیدگی۔"

"وہی؟ اور وہ کبھی شاید ایسا ہی مقصد اپنے دل میں چھپائے پھرتا ہے۔ اس کا راستہ اور ہے نہ تم اس کے ساتھ چل سکتی ہو اور نہ وہ تمہارے ساتھ آ سکتا ہے۔ تم اس سے کوئی آس مت نکالنا اور نہ بہت بچھتاؤ گی۔" آخری لفظ کہتے ہوئے نسرین کا لہجہ ٹھیک گیا تھا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جو ہوا کی مانند ہوتے ہیں ان کا کوئی پتہ نہ لگانا نہیں ہوتا اور وہ اپنے ہی کسی مقصد کی خاطر دنیا جہاں بھلائے بیٹھے ہیں مگر کیا وہ لوگ پیار کے قابل نہیں ہوتے؟ کیا ایسا کوئی شخص ہمارے سامنے آ جائے اور وہ شدید زخمی ہو تو کیا ہم اس کی دیکھ بھال علاج اور نگہداشت نہیں کریں گے؟ اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیں گے؟ نہیں ایسے لوگ بھی انسان ہوتے ہیں اور ان بے طہیرت منافق اور بے حسن لوگوں سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں جو دوسروں سے لطف اپنے مفادات کی توقع رکھتے ہیں۔ میں تم سے کوئی مذہبی بحث نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی میرا یہ منصب ہے لیکن مذہب سے بڑھ کر سچائی کے لیے کوشاں رہنا بھی تو زندگی ہے انسانیت کی بھلا ہے اور نہ شیطانی قوتیں انسانیت کو کب کا شتم کر چکی ہوتیں۔ کیا ہم اخبار نہیں پڑھتے؟ کیا ہر روز ہمارے ارد گرد۔۔۔؟" راحیلہ نے کئی حد تک جذبہ بانی ہوتے ہوئے کہا۔

"تم جذباتی ہو گئیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ مذہب کے لیے جنگ لڑنا چاہیے یا نہیں یہ ساری بحث میں فقط ایک سوال پر ختم کرتی ہوں کہ کیا خدا جنگ چاہتا ہے؟۔۔۔ میں نے اپنے قاور سے بھی یہ سوال کیا ہے وہ مجھے مطمئن نہیں کر سکے۔ ہاں سچائی کے لیے جدوجہد کرنا انسانیت ہے لیکن یہ نفرت سے نہیں محبت سے۔۔۔ یہ سارے لوگ کسے خافت دکھا رہے ہیں اپنے خدا کو کہ وہ اس کے لیے شخص ہیں۔ کسی کا گناہات دینے سے خدا خوش ہوتا ہے؟۔۔۔ نہیں میں نہیں سمجھتی۔۔۔ خیر یہ بڑی بڑی باتیں ہیں ہم جیسی بے بارود مددگار زکھر دار اور مجبور لڑکیوں کو کوئی ہی نہیں چاہئیں۔ ہم کہیں گی تو ہمیں ملامت کی جائے گی جس طرح قاور نے مجھے ملامت کی تھی۔ میرے کہنے کا مطلب صرف یہی ہے کہ تم اپنے مستقبل کی فکر کرو۔" نسرین نے عجزی سے کہا۔

"کیا کروں میں اپنے مستقبل کی فکر۔؟"

"جیسے میں نے سوچا ہے۔ میں یہاں سے فراغت لوں گی تو کرسی کروں گی اسے پسند نہ کر کوئی مرد تلاش کر کے اس سے شادی کر لوں گی"

اُسے اور اپنے بچوں کو پالوں گی۔ پھر ایک وقت آئے گا میں سر جاؤں گی۔ بس یہی ہے ہم جیسے لوگوں کی کہانی جو ساری عمر سکتے ترستے اور گدھے کی طرح مزدوری کرتے ہوئے اپنی زندگی ختم کر لیتے ہیں۔“

نسرین نے گلو گیر لہجے میں کہا تو راحیلہ ایک دم سے جھٹک گئی پھر دیر سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”تم بایوی کی باتیں کر رہی ہو اور بایویں انسان مرنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے۔ تمہارے جسم میں ابھی زندگی بھٹک رہی ہے۔ تم ماحول اور حالات میں خود کو دیکھ رہی ہو اور اسی طرح سوچتی ہو۔ ہم سے زیادہ زندگی اور موت کو کون سمجھ سکتا ہے جن کے سامنے روزانہ کئی انسان اپنی زندگی بارتے ہیں اور اس دنیا کو چھوڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح روزانہ ہمارے سامنے ہی نو زائیدہ بچے اس دنیا میں آ کر سانس لیتے ہیں۔ اس کو بھی چھوڑ دوں گے سے لے کر شام ہو جانے تک کتنے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے ہمارا کتنے دو بچے نہیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہر انسان اپنی ہی لگاہ سے ہمیں دیکھتا ہے۔ کیا لوگوں کی آنکھوں میں اُن کے ارادے نہیں پڑھ سکتی ہو پھر بھی تم زندگی کو نہ دیکھنے کا گلہ کرو تو یہ تمہاری کوتاہی ہے۔ کیا ہم ایسا ہی کرتے چلے جائیں جیسا دنیا چاہتی ہے؟ ہمیں اپنے طور پر بھی زندگی جینے کا حق حاصل ہے۔ یہ بات تم کیوں نہیں سمجھتی ہو؟“

راحیلہ ایک دم سے ہی جذباتی ہو گئی تھی۔ اس پر نسرین پوری طرح اٹھ کر بیٹھ گئی اور دیر سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہم تو بات جنید کی کر رہے تھے کہ ان زندگی کے خازنوں میں بھٹک گئے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ”مغنیہ نہیں کہتی کہ تم جنید کی طرف نہ بڑھو۔ دل کے معاملات میں کوئی صیحت کوئی سرزنش یا پھر کوئی خوف اثر انداز نہیں ہوتا لیکن میں نظام سے اتنا ہی کہوں گی کہ اگر اس تعلق میں کوئی زخم مل جائے تو پھر کسی سے بھی گلہ مت کرنا کہ اس کی ذمہ دار تم خود ہو گئی پھر اس زخم کو ہرگز گویا اس پر مرہم لگاؤ و بھی تمہاری مرضی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو نسرین! مغنیہ ہی اس کی ذمہ دار ہوں گی۔“ اس نے خود بخود ہی کے سے اعجاز میں کہا اور پھر تیزی سے بولی۔ ”اچھا“

تم نے بہت سولیا بہت آرام کر لیا۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ ہم دونوں ہی اس سے ملنے جائیں گی۔“

پارس

رخسانہ نگار عدنان کی خوبصورت تخلیق..... معاشرتی اصلاحی ناول پارس کہانی ہے ایک لالہابی کمن لڑکی کی جس کی زندگی اچانک اُس پر ناہم زبان ہو گئی تھی۔ یہ ناول ہمارے معاشرے کے ایک اور چہرے کو بھی بخوبی اور واضح طور پر دکھاتا ہے اور یہ پہلو ہے ہائی سوسائٹی اور ان میں موجود برگر ٹیمپلز اور بی گلابی ہوئی نسل۔ پارس ایک ایسے نوجوان کی کہانی بھی ہے جو زندگی میں ترقی اور آگے بڑھنے کے لیے شارٹ کٹ چاہتا تھا۔ قسمت نے ان دونوں کو ملا دیا اور کہانی نے نیا رخ لے لیا۔ پارس ناول کتاب گھر کے روزنامے میں معاشرتی اصلاحی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

”نہیں نہیں جاؤں گی میری ڈیوٹی دوپہر کے بعد شروع ہوگی میں تمہی جاؤں گی۔ ہاں تمہارے لئے ناشتے کا بندوبست کر سکتی ہوں۔ پراگ تم جانا چاہو تو چلی جاؤ۔“ نسرین نے صاف جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تم کیوں نہیں جاؤ گی۔۔۔؟“ راحیلہ نے پوچھا۔

”اس کی بہت ساری وجوہ ہیں سمجھا کر۔۔۔“

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔ اُس کا رخ ہارولڈ دروازے کی طرف تھا۔ راحیلہ چند لمحے سوچتے ہوئے وہیں پہنچی رہی۔ اُس کی سمجھش نہیں آ رہا تھا کہ نسرین کیوں نہیں جانا چاہتی۔۔۔ کچھ سمجھ آئے پر اُس نے سر جھکا کر یونینارام بدلنے کے لیے اٹھ گئی۔ وہ ناشتے کے بعد منید سے ملنا چاہتی تھی۔

☆ ☆

عالمگیری کی حالت خطرے سے باہر تھی اور اُسے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا لیکن ابھی تک اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ یہ ادویات کے زیر اثر سو رہا ہے، تھوڑی دیر میں ہوش آجائے گا۔ ذیشان اور جنید دونوں ہی اُس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اُس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اگرچہ ابتداء میں جب ذیشان نے جنید سے یہ کہا تھا کہ اگر عالمگیری ہوش میں آتے ہی قیادت کو مطلع کر دیتا ہے یا پھر سیکورٹی پر موجود ڈاکٹر ہی بتا دیتے ہیں پھر ان کی پوزیشن کیا ہوگی تو ایک لمحے کے لیے منید پریشان ہو گیا تھا لیکن تھوڑی سی بحث کے بعد اُس نے خود ہی قیادت کو بتا دیا تھا۔ تب اُسے یہی حکم ملا تھا کہ اس کی زندگی کے لیے پوری کوشش کی جائے اُس سے ابھی بہت سے کام لینے ہیں۔ اگر وہ مر گیا تو پھر سارے کام انہیں منانے پڑیں گے۔ قیادت کی طرف سے حکم تو خالصاً طویل تھا لیکن ان کا مدعا یہی تھا جسے سن اور سمجھ کر جنید کو بہت ناہوشی ہوئی تھی۔ قیادت کو فقط اپنے کام سے غرض تھی ایک مہر دہٹ گیا تو دوسرا مہر آگے لے آیا جائے۔ بلاشبہ قیادت کو بھی اس کے کانٹے کر تو توں کے بارے میں علم تھا ورنہ ایسا سن کر وہ کسی کو تو سزا اور ٹھہراتے۔۔۔ جنید جس قدر اس پر سوچتا چلا جا رہا تھا اُس کے سامنے نئے سے نئے پہلو واضح ہو رہے تھے۔ یہ بات تو طے ہے کہ کسی بھی تحریک یا تنظیم کو چلانے کے لیے سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کہاں سے آتا ہے؟ غرض اس ڈریہ سے نہیں بلکہ غرض اس سرمایے کے ساتھ آنے والے مفاد سے ہے۔ بلا جواز اور بلا مفاد کوئی بھی سرمایہ ضائع نہیں کرتا دوسری صورت میں سرمایہ خود چھینتا پڑتا ہے۔ سرمایہ کسی بھی تحریک یا تنظیم کی رکوں میں دوڑنے والا خون ہوتا ہے اگر وہی بند ہے تو بول دھڑکتا بند ہو جاتا ہے اور مارغ کسی قائل نہیں رہتا۔ اُس نے ایک نگاہ عالمگیری پر ڈالی تو اُسے غصہ آنے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے لوگ کسی گمناؤنی حرکت کے مرکب ہو سکتے ہیں کسی مصوم لڑکی کی زندگی برباد کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔ اُس نے اپنے ظہور پر سوچ لیا تھا کہ وہ اس مصوم لڑکی کی کسی حد تک ضرور مدد کرے گا۔ یہ بات اُس نے ابھی تک ذیشان سے شہر نہیں کی تھی۔ یہی موقع اُسے لیک لگا تو وہ بولا۔

”ذیشان! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ لڑکی جسے عالمگیری نے۔۔۔“

”ہاں، بس اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی آر بہت مشکل سے لکھوائی تھی۔ پھر کچھ نہیں ہوا۔ سنا ہے کہ انہوں نے کسی وکیل سے رابطہ کیا ہے۔۔۔“

عشق تباہ عشق بنا

"ڈیکل کے بارے میں جانتے ہو۔۔۔؟"

"فاردق چوہدری ہے نام اُس کا ا سے ساری معلومات ہوں گی۔" ذیشان نے سوچتے ہوئے کہا۔

"پارا! جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ اُس نے تو اس کے لیے کچھ نہیں کرنا۔ تمہڑی بہت دلجوئی تو ہونی چاہئے۔ کم از کم اپنے ضمیر کو تو مطمئن کر لیں۔ ہمیں معلوم نہ ہوتا تو الگ بات تھی۔"

"نہیں تم ٹھیک کہتے ہو ہمیں ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" ذیشان نے سوچتے ہوئے لہجہ میں کہا۔ پھر چند لمحے ڈک کے دو بولا۔ "جنید! کون"

کس وقت کیا ہو جائے کسی کو کیا پتہ؟ ہم جو چند دن سے اپنے فیصلہ خود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ایک طرف سے یہ بھی تو تنظیم سے غداری ہے۔"

"اس فیصلے کے پیچھے کوئی ایسی بات تو نہیں ہے نا جس سے ہم انہیں نقصان پہنچائیں۔ قیادت سے ہمارا اختلاف ہو سکتا ہے یہ باتیں ہم

بہت کر چکے ہیں۔" جنید نے پھر سے اپنی بات ڈہرائی۔

"نہیں ہمیں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ قیادت سے اختلاف ایک الگ ایٹو ہے ہمیں عالمگیر جیسے لوگوں کی بات کر رہا ہوں۔ ہماری اختلاف

کی وجہ جو بھی رہی ہو ہم اپنا راستہ الگ کرنے کی سوچ رہے ہیں لیکن یہ لوگ تنظیم کے اندر تک اس طرح گھس جاتے ہیں کہ قیادت بھی ان سے بلیک

میل ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ بجائے تنظیم چھوڑنے کے اس کی آڑ میں اپنا مطلب نکالتے ہیں۔"

"یہ سب کیسے ہو جاتا ہے جبکہ ہمارا مقصد بہت اعلیٰ درجہ ہے! اس میں اس طرح کی گنجائش نہیں ہے۔" جنید نے یوں کہا جیسے احتجاج کر

رہا ہے۔

"بہت سارے راستے ہیں۔ ہر قاعدہ فوراً مزید ایک مکان کی فرخ ہوتی ہیں جہاں اندر داخل ہونے باہر نکلنے اور اس مکان میں رہنے کے

اصول اور قاعدے ہوتے ہیں لیکن تنظیمیں تو ایک کھلا میدان ہوتی ہیں جس میں جب جی چاہئے کوئی آئے اور جب جی چاہے کوئی چھا جائے۔ پھر

بنیادی خود پر کب کوئی حامی ہے کون کتنا دشمن بن جائے گا! اس کا بڑا چانس ہوتا ہے۔ بس یہی ایک غائی یا خوبی ہوتی ہے جس پر کوئی تنظیم ختم ہوتی

ہے یا زیادہ دیر تک چلتی ہے صرف تربیت میں کمی ہوتی ہے ورنہ ہمارا فورمز سے زیادہ ان میں جان قربان کر دینے کا جذبہ ہوتا ہے۔"

ذیشان نے اُسے دھیرے دھیرے سمجھاتے ہوئے کہا۔ یہ ساری باتیں اُس کے گمان میں بھی تھیں لیکن یوں جیسے ڈھنڈی ہوں۔۔۔ وہ سوچ

میں پڑ گیا۔ پھر کافی دیر تک یونہی بیٹھنے کے بعد بولا۔

"اگر یہ کیا تو۔۔۔؟"

"میرے خیال میں یہ ابھی خطرے سے باہر ہے کچھ نہیں ہوگا اسے۔۔۔ یہاں سے چلا جائے تو پھر ہماری ذمہ داری نہیں ہوگا۔" ذیشان

نے اُسے یقین دلانے ہوئے کہا۔ اس پر جنید کچھ نہیں بولا تو ذیشان نے مزید کہا۔ "تم آج ہی اس ڈیکل سے ملنا میرا مقصد ہے فاردق چوہدری نے

اس سے ہی لڑکی کے بارے پتہ چلے گا۔"

"ٹھیک ہے ہمیں آج ہی کئی وقت اس سے مل لوں گا اور اُس لڑکی کا پتہ کر دوں گا۔۔۔"

جنید نے پورے غلوں سے کہا اور پھر سوچنے لگا کہ وہ ایسا کیونکر کرے کہ پانے گا؟ --- دونوں کے درمیان خاموشی دوڑا گئی تھی۔ کتنے ہی لمبے پونجی گزر گئے۔ تب اچانک عالمگیر کسمایا۔ وہ دونوں جیزی سے اُس کی جانب بڑھے۔ دھیرے دھیرے اُسے ہوش آتا چلا گیا۔ جنید نے فوراً ڈاکٹر کو بلا دیا۔ اس دوران ڈیٹان اسی کے پاس رہا۔ ڈاکٹر نے آ کر اُسے اچھی طرح دیکھا اور پھر بولا۔

”مریض خطرے کی حالت سے باہر ہے۔ اب اسکی کوئی ڈرنے والی بات نہیں ہے بس احتیاط بہت ضروری ہے۔ آکسیجن ابھی لگی رہے گی اُمید ہے شام تک اُتار دیں گے اور ہاں مریض سے زیادہ بات کرنا منع کرنا ہے۔“

ڈاکٹر نے ہدایات دینے چارٹ پر کچھ لکھا اور وہاں سے چلا گیا۔ تب جنید نے فوراً سے عالمگیر کی طرف دیکھا۔ عالمگیر کی آنکھوں میں نفرت اُبل رہی تھی۔ جیسے اُس کے بس میں ہو تو وہ ابھی اُسے ختم کر دے۔ جنید اُسے یوں دیکھتا پا کر دھیرے سے سسکا دیا۔ انہی لمحات میں عالمگیر نے آکسیجن ماسک ہٹا کر اُسے کچھ کہنا چاہا۔ پھر اُسے پیرے کے تیوریوں سے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اُسے کوئی غلط بات ہی کہنا چاہتا ہوگا لیکن غرا کر رہ گیا۔ ڈیٹان نے فوراً اُس کے ماسک لگایا تو اُس نے پھر سے اُتار دیا۔ جیسے کوئی گالی اُس کے منہ میں اُتک گئی ہو اور وہ بچے بغیر اُسے چھین نہا رہا ہو۔ اسی کشمکش میں دو تین منٹ گزر گئے تو جنید نے آگے بڑھ کر ڈیٹان کو پیرے کیا اور خود ماسک لگا لیا چاہا جسے اُس نے ہاتھ مار کر نفرت سے الگ کر دیا۔ اس پر جنید کو حسد آ گیا۔ اُس نے فوراً پیرا اور نکالا اور اُس کے منہ پر رکھنے ہوت انتہائی سرد ٹیچ میں کہا۔

”ماسک لگانا ہے یا ابھی کوئی تیرے منہ کے پار کروں۔۔۔ بہت شوق ہے تاجھے مرنے کا نہیں ماروں؟“

اچانک پھر سے موت کو سامنے دیکھ کر عالمگیر ڈھیلا پڑ گیا۔ اس نے مزاحمت چھوڑ دی تب جنید نے ماسک اُس کے منہ پر لگا دیا۔ ابھی وہ ایسا کر رہا تھا کہ اُسے احساس ہوا جیسے کوئی کمرے کے دروازے پر کھڑا ہے۔ جنید نے مز کر دیکھا۔ دروازے کے درمیان میں راحیلہ کھڑی اُسے حسرت سے دیکھ رہی تھی یوں جیسے یہ منظر دیکھ کر وہ ساکت ہو گئی ہو۔ جنید نے ماسک لگایا اور ڈیٹان سے بولا۔

”اُسے سنبھالنا ذرا کوئی گڑبڑ کرے تو گھٹا دیا جتا بے غیرت کا۔۔۔“

یہ کہہ کر اُس نے ریواں اور اُسار اور راحیلہ کے پاس آ گیا۔ چند لمبے اس کے چہرے کو دیکھا اور جیسے کچھ پڑھ رہا ہو۔ پتہ نہیں اُسے کوئی تحریر ملی بھی یا نہیں وہ باہر کی طرف لکھا ہوا بولا۔

”آؤ باہر چل کر بات کرتے ہیں۔“

وہ دونوں چلتے ہوئے ڈاہرلان میں آگئے جہاں پہلے ہی بہت سارے لوگ تھے۔ کالی دیر بعد ان میں خاموشی ٹوٹی۔ راحیلہ نے وجہ سے لہجے میں پوچھا۔

”آپ اُسے کیوں مار رہے تھے؟“ اُس کے لہجے میں خوف تھا۔

”اُسے۔۔۔ اُسے تو بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا۔ میں اب بھی اُسے مار دینے کے حق میں ہوں مگر۔۔۔“ جنید نے جمل سے کہا۔

”مگر کیا۔۔۔؟“ وہ جیسے میں بولی۔

"کچھ نہیں۔" جنید نے تیزی سے کہا پھر چند لمحے غمگین ہو کر پوچھا۔ "تم کیوں آئی ہو؟۔۔۔ مجھے فون کر لیا ہوتا۔"

"منیں بس یونہی آگئی تھی۔ سوچا آپ کے مریض ہارے پوچھ آؤں۔" اس نے گھبرواتے ہوئے بہانہ بنا کر پھر بات بدلنے ہوئے بولی۔ "ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔ آپ کا لہجہ بتا رہا ہے کہ آپ اس سے نفرت کرتے ہیں لیکن منیں کی جان بچانے کے لیے ہسپتال بھی لائے ہوئے ہیں یہ۔۔۔ ایسا کیوں؟۔۔۔"

"تم نہیں سمجھ پاؤں گی۔" اس نے خود پر توجہ پاتے ہوئے کہا۔

"چلیں چھوڑیں۔۔۔ یہ بتائیں کہ آپ کا مریض زخمی کیسے ہو گیا تھا اور آپ بدحواس سے۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ اس کی۔۔۔"

اس نے ہنسی بھرتے ہوئے بات مکمل چھوڑ دی۔ جس پر جنید نے راحیلہ کے چہرے کی جانب دیکھا اور پھر ویرے سے لہجے میں بولا۔

"اُسے منیں نے گولی ماری ہے۔۔۔ منیں اُسے جنا سے مار دینا چاہتا تھا لیکن یہ بچ گیا ہے تو منیں نے اُسے مارنے کی بجائے کچھ اور

سوچ لیا ہے۔"

"کیوں۔۔۔ آپ کیوں مارنا چاہتے تھے اُسے۔۔۔؟" راحیلہ نے شدید حیرت سے کہا۔

"اس نے کسی کی عزت پامال کی تھی منیں چاہتا ہوں کہ۔۔۔ چھوڑو منیں جو بھی چاہتا ہوں۔ تم بتاؤ تم کیوں آئی ہو؟" اس نے اپنی بات

درمیان میں چھوڑ کر اُس سے پوچھا۔

"بتاؤ منیں آپ کے مریض کو دیکھنے آئی تھی۔" راحیلہ نے جیسے یاد دلایا۔

"دیکھ لیا۔۔۔؟" جنید نے حتمی انداز میں پوچھا۔

"ہاں دیکھ لیا۔ ایک کام اور بھی تھا آپ سے۔" راحیلہ ایک لمحے میں فیصلہ کرتے ہوئے تمہاتے چہرے کے ساتھ اُس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے تمہیں کام ہے۔ کیا کام ہے؟" جنید نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کہیں سکون سے بیٹھ کر بات سننے کا وقت دیں منیں اطمینان سے آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔"

اس نے کہا تو جنید سوچ میں پڑ گیا پھر چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

"اگر آج تم کو تو سواری مجھے کورٹ جانا ہے۔ شام کے وقت۔"

"میری ڈیوٹی ہوگی۔ چلیں کل اسی وقت منیں آپ کا سیں انتظار کر دوں گی۔ پھر کہیں بھی بیٹھ کر بات کر لیں گے۔" راحیلہ نے اُس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔"

جنید نے وعدہ کر لیا تو راحیلہ چند لمحے اُس کی جانب دیکھتی رہی پھر اُسے خدا حافظ کہہ کر واپس پٹت گئی۔ جنید وہیں کھڑا چند لمحے سوچتا رہا

بھروسہ کی دیکھی قدموں سے چلتا ہوا کر کے کی جانب چل پڑا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اُسے کیوں ملتا چاہتی ہے؟

☆ ☆ ☆

فارم ہاؤس کی اوپر کی منزل پر کمرہ انتہائی جدید انداز میں سنوارا گیا تھا۔ صفیہ نے جیسے ہی اس کمرے میں قدم رکھا ایک لمحے کے لئے وہ حیرت میں ڈوب گئی۔ پھر فوراً ہی خود پر قابو پواتے ہوئے وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ تیور آگے بڑھا اور اُس نے ریشمی پردے سے کادینے اور تک کا منظر کھڑکی سے عیاں ہو گیا۔ سبز کھیت، ہرے بھرے شاداب درخت، بہتی نہر کے ساتھ کراں کرتی ہوئی سڑک، کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ، موٹسی، ٹوب وٹیل، چھوٹے کھال اور اڑتے ہوئے پرندے، اُسے یہ منظر بہت خوبصورت لگا تھا۔ وہ جو ایک لمحے کے لیے وینسرن سائل میں بیٹھ کرے کو دیکھ کر محبت ہوئی تھی اپنے ویس کے اس دیرپائی منظر نے اُسے احسا دیکھش دیا تھا۔

"اس کمرے کا سارا سامان منی یورپ سے لایا تھا بس فرنیچر یہاں سے بنوانے میں بڑی محنت کرتا ہر ہی تھی۔" تیور نے بیلہ پر بیٹھے ہوئے کہا۔

"تیور! منی کھلی بار جب آئی تھی اور اس دفعہ بھی آئی ہوں یہاں آتے ہی تم تھوڑا جذب پاتی نہیں ہو جاتے ہو جیسے اس جگہ تمہارا ماضی سا س لے رہا ہو؟" صفیہ نے تجسس سے پوچھا۔

"کہہ سکتی ہو یا ر۔۔۔!" تیور نے فوراً ہی اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ پھر چند لمحے سوچ کر بولا۔ "لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے ہر دھرتی کی منی اور وہاں کی ہوا میں اپنی انگ تاخیر ہوتی ہے۔ منی تقریباً چار سال تک رجنڈل میں رہا ہوں لیکن بریڈ فورڈ مطلب وہاں میں کچھ پڑھنے کم اور ڈنیا کو دیکھنے زیادہ گیا تھا۔ لیکن زیادہ رہا ہوں۔ یہ سب اپنے حراج کے ہیں میرا ملک اپنے حراج کا ہے۔ بہت سارے لوگ آتے جاتے ہیں لیکن میرے خیال میں بہت کم لوگ ایسے فرق کو محسوس کرتے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی یا دونوں کے ساتھ تو نہیں گزارنی جاسکتی! ایک انہنی ویس کا ماحول تم دوسرے ملک میں پیدا کرنے کی کوشش کرو تو اس میں سکون نہیں ہوتا کھلی سہرا حال رہے گی۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو صفیہ! پہلے پہل مجھے جنون تھا کہ یہاں اگر میں وہاں کی طرز پر کوئی عمارت بناؤں گا تو نہ صرف میری خواہش پوری ہوگی بلکہ ایک طرح سے انفرادیت بھی ہوگی لیکن بہت بعد میں مجھے یہ احساس دلا گیا کہ ایسا احساس کتری کی وجہ سے بھی ہوتا ہے حالانکہ منی نہیں سمجھتا کہ مجھ میں کسی قسم کا کپٹیس پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان کے لاشعور میں یہ سب چھپا ہوا ہو۔"

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ صفیہ جواباً کچھ کہتی فارم ہاؤس کے ملازمین جوڑے نے دروازہ کھولا اور لوازمات کے ساتھ پر کلف چائے لائے۔ کچھ بریٹنوں کی کھٹکناہٹ رسی ٹھکروہ چلے گئے۔ تیور اُس کے پاس صوفے پر آ بیٹھا۔ صفیہ چائے پیتے ہوئے بولی۔

"منی سمجھتی ہوں تیور کہ انسان کے کچھ خواب ہوتے ہیں جنہیں دوپورا کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ خواب شدید خواہش میں بدل جاتے ہیں۔ انسان کو یوں لگتا ہے کہ اگر اُس کے یہ خواب پورے نہ ہوں تو شاید ادموراہ جائے گا۔ لاشعور پر وہ ان خوابوں کو اپنا مقصد بنا

لیتا ہے۔ مطلب پوری طرح ان خوابوں میں کھو جاتا ہے۔"

"ہاں ایسا ہوتا ہے منیں نے اپنے ایک نچر سے سنا تھا کہ یہ انسان ہی ہے جو خواب دیکھتا ہے دوسری اور کوئی مخلوق خواب نہیں دیکھتی۔"

وہ میرے سے بولا۔

"یہ کیسے ممکن ہے اور ہمیں کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ کوئی اور مخلوق خواب نہیں دیکھتی؟" وہ حیرت سے بولی۔

"اس سے حقیقت وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ انسان ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ غار کی زندگی سے نکل کر اس جہ پیدوار

میں آ گیا ہے کس وجہ سے؟۔۔۔ ایک تڑپ تھی اس کے اندر اور وہ تڑپ کس شے سے پیدا ہوتی ہے؟ یہ خواب ہی ہوتے ہیں جو انسان کو آگے ہی

آگے بڑھنے رہنے پر مجبور کرتے ہیں جبکہ دوسری مخلوق ابھی تک اس ڈگر پر چل رہی ہے۔"

"خواب تو بہت اہم ہوئے نا پھر۔۔۔" منین نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ تیسری جانب بڑھا دیا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن یہ ایک مغربی خیال ہو سکتا ہے۔ وہ اسے خواب یا "ڈوریم" کہتے ہیں۔ منین نے اسی تیسوری کو یہاں کے ایک صاحب

سے دیکس کیا تو پتہ مجھے اک نئی بات معلوم ہوئی۔ انہوں نے یہ کہا کہ خواب پیدا ہونے کی وجہ خیال ہے۔ جب خیال ذہن میں آتا ہے تو پھر بہت

ساری صورتوں میں دخل جاتا ہے۔ خواہش اور وہ خواب امید اور نجانے کیا کیا۔ مثلاً تاج محل کا وجود میں آنا ایک خواب نہیں خیال ہے۔ متاثر نکل

سے شاہ جہاں کی محبت اس عمارت کا نائل ہے۔ اسی خیال نے پھر کتنے ہی روپ و حارے یہ ساری دنیا کے سامنے ہے اور تاریخ کے اوراق میں

مخونڈا ہے۔ اسی طرح بہت ساری مثالیں دی جا سکتی ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے چائے کا کپ لیا اور اس کی جانب دیکھنے لگا جو اپنے لیے چائے ہاتے ہوئے گہری سوچ میں تھی پھر سر اٹھاتے ہوئے

بولی۔

"یہ خیال کہاں سے آتا ہے نہیں بتایا ان صاحب نے۔۔۔؟" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اس کی مجھے اتنی سمجھ نہیں آئی جس ان کا کہنا تھا کہ جس طرح بارش برتی ہے ہانکل اسی طرح خیال آتے ہیں جو انسان کی مطابقت سے

اپنی ہیئت تبدیل کرتے ہیں۔ خواہش و ہم امید خوشی اور نجانے کیا کچھ اور پھر انسان اسی طرح چلتا ہے۔ جیسے بارش کا قطرہ زمین پر گرنے سے قبل

تک ہانکل خالص ہوتا ہے اور جیسے ہی وہ زمین پر گرتا ہے تو اسے جس طرح کی زمین میسر آئے اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی انسان کے ساتھ

ہے۔" تیسور نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھیں؟" منین نے صوفے سے ٹپک لگاتے ہوئے پوچھا۔

"منیں نے کوئی ریسرچ نہیں کی بس ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے کا اثر ہے کہ ان کی باتیں ذہن میں درہ جاتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے جیسے

اسے یاد آیا فوراً ہی بولا۔ "ایک اور بات بھی ہے جو مجھے بڑی عجیب سی لگتی ہے۔ یہاں کے دانشور قسم کے لوگ جب اپنی کسی کمزور بات کو سہارا دینے

کے لیے یورپ اور امریکہ کی بات کرتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں یہاں یوں ہے یا وہاں پر ایسے ہو رہا ہے تو یہاں یہ ہے وغیرہ وغیرہ تو یقین جاننا

عشق تباہ عشق بنا

ان پر ہنسی آتی ہے۔ جمہوریت کی خاص طور پر بات کرتے ہیں۔ کسی بھی دو اشیاء کے تقابل کے لیے ان کا ایک جیسا ہونا بہت ضروری ہے۔ ہم سوچتے ضرور ہیں لیکن اس کی صحت درست نہیں۔۔۔ "تیور نے تیزی سے کہا اور ایک دستک اٹھا لیا۔

"خیر نجات کہیں اور طرف کھل گئی سیں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

منیہ نے سیدھے ہوتے ہوئے تقاطع انداز میں کہا تو تیور نے فوراً اس کی طرف دیکھا اور انتظار کرنے لگا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ چند لمبے پونجی گزر گئے تو بولی۔

"بچپن بار جب میں یہاں آئی تھی تو ہمارے درمیان کچھ باتیں ہوئیں تھیں۔"

"مشکل کون سی یا تو دلا دو۔۔۔" ہنستے ہوئے بولا۔

"تم نے کہا تھا کہ ابھی ہم اچھے دوستوں کی طرح انجوائے کریں گے شادی وغیرہ کا چکر ابھی نہیں ہوگا۔" وہ قدرے جھنجھتے ہوئے بولی۔
 "آف کورس۔۔۔ مطلب تم چادری ہو کہ ابھی ہم شادی کے لیے جلدی نہ کریں تو اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" تیور نے تیزی سے کہا۔

"اور میرے خواب جن میں آپ آکر چاہتی ہوں کیا تم اس میں میری مدد کرو گے۔ تب تک میرا انتظار کرو گے؟"

"کیوں نہیں! صبر نہیں تمہارا انتظار کروں گا بلکہ یہ انتظار بھی تو بے معنی سا لگتا ہے۔ ہم پاس پاس ہیں جب چاہتے ہیں مل لیتے ہیں بات کر لیتے ہیں۔ اتنی دوری نہیں ہے اور یہ تمہاری مدد کی بات تو منیہ تمہارے لیے کچھ نہیں کروں گا تو پھر اور کس کے لیے کروں گا؟"

"یہ ہوئی بات۔۔۔" وہ یکدم خوش ہو گئی جیسے اسے اپنی من کی مراد مل گئی ہو۔

"یہ اچھا ہے تم از ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے نہیں بہت سارا وقت مل جائے گا۔ ہماری جو خوبیاں ہیں یا خامیاں ایک دوسرے پر واضح ہو جائیں گی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اپنے آپ کو بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کر سکتے ہیں یوں شادی کے بعد ہم بھرپور لائف انجوائے کر سکیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"بہت شکر یہ تیور! تم نے مجھے سمجھا۔" منیہ نے اس کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم آن پار ایک ہی تو مجھے لڑکی پسند آتی ہے اور میں اس کے بھی غرے برواشت نہ کروں۔"

دو ہنستے ہوئے بولا تو منیہ تھمب گئی۔ پھر بات بدلنے ہوئے بولی۔

"تیور! ہم کتنی جلدی ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں تو مجھے یہ سب کچھ خواب سا لگتا ہے۔ میں اگر اس دن تاہیک کی بہن کی شادی میں نہ جاتی تو تم ہی کسی وجہ سے نہ آ سکتے تو کیا ہمارے ملنے کا چانس تھا؟۔۔۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا آج ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے۔۔۔" وہ خواب ہانک انداز میں بات کر رہی تھی جس پر تیور نے جمیدگی کے ساتھ حتی لہجہ میں کہا۔

"نہیں! ہر بات اتفاق سے نہیں ہوتی۔ بہت سارے واقعات ماضی سے جڑے ہوتی ہیں اور انہیں کسی نہ کسی منطقی انجام تک پہنچانا ہوتا

ہے۔ بالکل اسی طرح کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جو مستقبل میں کسی واقعے کی بنیاد بنتے ہیں جنہیں ہم اتفاق کا نام دیتے ہیں۔ اگر ہم بہت غور کریں تو ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ اتفاقات ہوں گے ہیں جیسے یہ پہلے سے طے شدہ ہوں۔ کسی بھی معاملے کو بہت غور سے دیکھ لو۔

”یہ تصویر بھی تمہیں کسی نے سمجھائی ہوگی؟“

صفینہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو اس پر تھوڑی دیر تک کھول کر ہنسا اور اسی مسکراہٹ میں اس نے کہا۔

”یار اذواق اپنی جگہ لیکن ایسی باتیں جو دلی کو چھو جائیں اور وہ اچھی لگیں تو کم از کم انہیں یاد ضرور رکھ لینا چاہیے۔ وہ آپ کی عقل کو بہر حال بڑھاتی ہیں۔۔۔ اب دیکھو ہم نے اتنی باتیں کی ہیں اس کے مقابلے میں یہاں پر پڑی ہوئی قرآن اشیاء کے پارے سے اس باتیں کروں تو کیا تمہیں بوریہ کا احساس نہیں ہوگا؟“ تیمور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم اگر اس پر بات کرنا چاہتے ہو تو کسی موضوع پر بھی بات کرنا مجھے اچھا لگے گا میں بھی بوریہ سے محسوس نہیں کروں گی۔“ صفینہ خمار آلود لہجے میں بولی۔

”تیمور چند لمحے اس کی طرف حیرت اور حیرت سے دیکھا اور پھر کہہ مہینے ہوئے بولا۔“ اب میں سمجھا شادی سے پہلے میں بھی باتیں کروں تم سنو گی اور بوریہ ہو گی مگر شادی کے بعد فقط تم بولو گی اور میں سنوں گی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سچی اور سچی ہی۔۔۔“

”تیمور انہیں نے اتنی رومانٹک بات کی جس کا تم نے حلیہ بگاڑ دیا۔“ وہ مصنوی طعنے میں بولی۔

”تیمور کا قہقہہ بلند ہو گیا پھر بولا۔“ آؤ میں تمہیں قارم ہاؤس دکھاؤں۔ اس دن تمہیں دیر ہو گی تمہی۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔“

صفینہ نے کہا اور اٹھ گئی اور ہر حال میں اسے خوش رکھنا چاہتی تھی۔۔۔ دونوں قارم ہاؤس دیکھنے کے لیے کمرے سے نکل گئے۔

☆☆

ہالیوں ٹھیک وقت پر عدالت پہنچ گیا تھا۔ اس وقت تک سزاوار اقبال اپنے جیمبر میں نہیں آئے تھے۔ پہلے دن کا تجربہ اسے بہت اچھا لگا تھا اور وہ بھی ان کے دینے ہوئے کام میں مصروف ہو گیا۔ عابد کی اس کے ساتھ اچھی خاصی شناسائی ہو گئی تھی۔ دوپہر سے ڈرا پہلے تک انہوں نے بہت سارا کام منجایا تھا اس لیے گپ شب کے دوران عابد نے یونٹی سرسری سے انداز میں پوچھا۔

”کہیں تمک خوش نہیں مئے ہو؟“

”نہیں یار! میں کون سا پھاؤڑا چلا رہا ہوں۔“ ہالیوں نے ویرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ارے یہ کام پھاؤڑا چلانے سے کیا کم ہے۔ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کرنا تمہارے خیال میں ایسے ہی ہو جاتا ہے؟۔۔۔ میری جان! دانوں بیہذا آ جاتا ہے و ماغ کی چولیس مل جاتی ہیں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہاں یہ تو ہے۔۔۔ کسی بھی تو یوں لگتا ہے یار کہ یہاں جنگل کا قانون ہے جو بہت طاقتور ہے۔۔۔“

"یہ کسی فیورڈ کیا نہ لکھو کر رہے ہو۔ ایسے خیالات اگر تمہارے ذہن میں ہیں تو انہیں نکال باہر مجھ کو، ہمارا ایسے خیالات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہماری تو یوں سمجھو کہ دوکانداری ہے۔ ہمارے نزدیک ہر شخص معصوم ہے۔ اس کی تائید تو قانون بھی کرتا ہے۔ طوائف اور بے گناہ معصوم لڑکیاں دونوں برابر ہیں جب تک کہ ان پر ثبوت کے ذریعے کوئی قانون لاگو نہ ہو جائے۔ عدالت ثبوت مانگتی ہے جس کے مل بوتے پر ہی وہ فیصلہ کرتی ہے۔ جان لو کہ طرم اس وقت تک مجرم نہیں ہوتا جب تک اس پر جرم ثابت نہ ہو جائے۔ یہاں پر آنے والا ہر بندہ خود کو بے گناہ ظاہر کرتا ہے۔" عابد نے اسے اچھی بھلی سرزنش کر دی۔

"قانون تو انسانوں کے لیے ہوتے ہیں، قانون کے لیے انسان تو نہیں ہوتے۔ ہماری سماجی زندگی میں جب ایسے معاملات ہوں گے کہ جنہیں ثبوت ختم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو پھر یہ سماج ---"

"میں نے کہا، یہ ہمارا معاملہ نہیں ہے۔ قانون بھی حرکت میں آتا ہے جب جرم ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لاکانویت ہونی چاہئے ایسا نہیں ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ سماج کے ان راستوں کو بند کیا جائے جہاں سے جرائم کو حاصل ملتا ہے۔ جب قانون شکنی کرنے والے زیادہ ہوں طاقتور بھی ہوں تو قانون پیارے کی کیا بساط ---" عابد نے طنز یہ انداز میں کہا پھر سامنے پڑے کاغذات کو سمیٹتے ہوئے بولا۔ "آؤ چلو آج بحث ہے ---"

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک عدالت کے سامنے کھڑے تھے۔ جہاں کچھ دیر بعد بحث ہونے والی تھی۔ ہمایوں کو وہاں کھڑے ابھی تو ہوا سا وقت ہوا تھا اور اسے یوں انتظار کرنا پور لگا تھا۔ وکیل منشی مدنی مزم سب کھڑے تھے اور ابھی جج صاحب کرسی انصاف پر براجمان نہیں ہوئے تھے۔ ججی اس نے تھی سے سوچا کہ انصاف کا حصول بھی کس قدر مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے بارگردد دیکھا۔ ججی اسے سامنے ایک شباسا چہرہ دکھائی دیا۔ چند لمبے تک اسے سمجھ نہ آ سکی کہ اس نے کہاں دیکھا ہے یہ چہرہ؟ وہ اسے خود سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ پھر اچانک ایک جھماکا ہوا۔ اسے حالات کی وہ رات یاد آگئی جب اس پر تشدد کیا گیا تھا اور وہ شخص بھی وہیں تھا۔

"مردین اوئے مرد ---" بازگشت کی طرح یہ فقرہ اس کے کانوں میں گونج گیا۔ اس نے پھر اس فقرے پر غور کیا وہ پھر سے اس کے کان میں بجتے لگا۔ "مردین اوئے مرد! جو کہا ہے اس پر قائم رہو --- چار دن ہو گئے ہیں مجھ سے ایک بات بھی نہیں منوائے تھے۔" جیسے ہی اسے پوری بات یاد آئی اس نے عابد کی پرواہی نہیں کی اور تیر کی سی تیزی کے ساتھ اس لڑکے کی جانب بلا حاد گہری لگا ہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ ہمایوں اس کے چہرے پر دیکھ رہا تھا جس پر حیرت، فہم اور تجسس کے تاثرات تھے پھر چند لمحوں بعد ہی اس کے چہرے پر سے وہ سارے تاثرات ختم ہو گئے وہاں پر شباسائی آتر آئی۔

"تم ---؟" اس نے خامسی حیرانگی سے کہا جیسے اس کا یوں نہ جانا اچھے کی بات ہو۔

"بچاں لیا مجھے ---؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"تم وہی ہونا جسے وہ سب انپکٹر اس رات لے کر آیا تھا؟ اس کریم ہوالے کے ساتھ ---؟"

جنید نے مزہ لیتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں گردن بلا دی۔ اس پر جنید نے زوردار تہمت لگایا۔ اسے یہ ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں گھڑا ہے۔

"آڈا دھراؤ بیٹھے ہیں۔۔۔" بھائیوں نے جلدی سے کہا اور کیشنین کی جانب بڑھ گیا جہاں رش نہیں تھا دو خالی کرسیوں پر بیٹھ کر اس نے نصفاً بھجوانے کا کہنہ دیا۔

"تو یہاں کیا کر رہا ہے۔۔۔ یہ کالے کوٹ سے تو لگ رہا تھا کہ تو وکیل ہے تو پھر وہ۔۔۔؟" جنید نے ہنسنے سے پوچھا۔

"منیں وکیل ہی ہوں" تہجرتاً چائے کا تو پھر باقاعدہ وکیل بن جاؤں گا اور اس رات۔۔۔"

یہ کہہ کر اس نے انتہائی اختصار سے وہ بات بتادی۔ جنید نے پوری سنجیدگی اور خاموشی سے سنا اس دوران نصفاً بھی آ گیا جسے دھیرے دھیرے سب لیتے ہوئے وہ پیٹے رہے۔ سب کچھ سن کر اس نے کہا۔

"ہوں یہ اس انسپلر کے بیچے نے بد معاشی دکھائی۔۔۔ خیر یہ تو چلتا ہے ہمارے معاشرے میں۔ ہماری اس نچلیس کا قسط ہی یہی ہے کہ عوام پر ظلم کروا سے دبا کر رکھو اور چند خاندانوں کو جو اس ملک کی تقدیر کے فیصلے کرتے ہیں انہیں تحفظ فراہم کرو۔" جنید نے وائٹ پیٹے ہوئے کہا۔

"اور تم۔۔۔ تم کیوں وہاں تھے اور اب یہاں۔۔۔ کیا معاملہ ہے؟" بھائیوں نے پوچھا۔

"منیں وہیں کیوں تھا! اسے چھوڑو۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کسی وقت سناؤں گا۔ یہاں منیں ایک وکیل سے ملنے آیا تھا اس سے تھوڑا کام تھا۔"

"کام۔۔۔؟" بھائیوں نے وضاحت چاہی۔

"بس تھا یار۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔۔۔ "ویسے تم نے اس سب انسپلر کے بارے میں کوئی کارروائی نہیں کی؟"

"کہاں یار! امرے جیسے لوگ 'غرب فریادہ' کچھ نہیں کر سکتے۔ پہلے تو میری کسی نے مننی ہی نہیں تھی پھر کیا پولیس والے اپنے ساتھی کے خلاف کوئی کارروائی کرتے؟ انہی مجھے ہی حالات میں رہنا پڑتا اور پٹائی الگ سے ہوتی۔ ہم جیسے فریبوں کے لیے ممکن نہیں ہے ہم حوصلہ ہی نہیں کر سکتے۔ اپنی عزت بچانیں روٹی پوری کریں وہاں سے لڑائی لیں۔ ہم فوراً ہی نہیں کر سکتے یار۔"

"کیوں نہیں کر سکتے۔۔۔ کیا تمہارے دو ہاتھ نہیں ہیں ان میں جان نہیں ہے؟" جنید نے تیزی سے کہا۔

"سب کچھ ہے لیکن کیا منیں اپنے گھر والوں کو بھول جاؤں؟۔۔۔ ہاں منیں بھی دولت مند ہوتا تو کئی ایسے سب انسپلر کو خرید کر اپنی جیب میں رکھتا جسے منیں نے گل یہاں ماجدوڑا کچھ کو دیکھا ہے۔ وہ۔۔۔"

"کیا۔۔۔ کیا کہا تم نے ماجدوڑا کچھ۔۔۔؟" جنید نے انتہائی حیرت سے تیزی کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں کل ہی۔۔۔ میں نے کل اسے دیکھا ہے۔" ہمایوں نے عام سے انداز میں کہا۔

"تم جانتے ہو اسے۔۔۔؟" جنید نے اسی لہجہ میں پوچھا اور ہاتھ میں پکڑی خالی بوتل رکھ دی۔

"میں میرا کوئی گانا اسے جانتا ہے اسی نے مجھے بتایا تھا، پر تم اپنا تجسس کیوں کر رہے ہو؟" ہمایوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے پوچھا تھا کہ میں پولیس کے پاس کیوں تھا صرف اسی کی وجہ سے۔۔۔ تفصیل تمہیں بعد میں بتاؤں گا" کیا تم اس کے بارے میں معلومات دے سکتے ہو؟" جنید نے اقبالی سرو لہجہ میں پوچھا۔

"میں اسے نہیں جانتا۔ بتایا ہے نا عابد جانتا ہے۔ میں نے تو کل اسے پکلی مرچہ دیکھا تھا۔" ہمایوں نے صاف لفظوں میں اسے بتا دیا۔

"تو کچھ۔۔۔ کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟" جنید نے پوچھا۔

"ہمایوں۔۔۔" اس نے اپنا نام بتایا۔

"ہمایوں میرا نام جنید ہے۔ تم اگر اس شخص کے بارے میں کثرم اطلاع دے دو عابد کو احساس ہوئے بغیر تو میں تمہیں ایک لاکھ روپیہ دے دوں گا۔" وہ تیزی سے کہتا چلا گیا۔

"ایک لاکھ۔۔۔؟" ہمایوں حیرت سے بولا۔

"ہاں۔۔۔ اگر معلومات زیادہ ہوں تو اس سے بھی زیادہ۔۔۔ بولو کیا کہتے ہو؟" جنید نے پوچھا تو ہمایوں خاموش ہو گیا۔ جنید نے اس

کی دکھتی رنگ پر ہاتھ رکھتے مزید کہا۔ "دیکھ سوچ لے اور یہ میرا نمبر لے لے۔ اگر جواب ہاں میں ہوا تو فالانہال کروں گا۔ یہ جو تو غربت کے رونے رو رہا ہے نا یہ نہیں ہوں گے۔"

"جنید! میں بونہی وعدہ نہیں کرتے" کثرم ہوا تو میں تم سے شیر کر لوں گا۔ اگر وہ مجھے یہاں دکھائی دیا تو میں تمہیں بتا دوں گا۔" وہ قدرے بے چارگی سے بولا۔

"تھیک ہے۔۔۔ وہ کل کیوں آیا تھا کس کے پاس آیا تھا۔ تم یہیں سے شروع کر سکتے ہو۔" جنید نے کہا۔

"وہ میرا کام ہے لاؤ نمبر۔۔۔"

ہمایوں نے اس کا موبائل پکڑا اپنے نمبر ملائے اور فیڈ کر لے پھر تھوڑی دیر تک وہ وہاں بیٹھنے کے بعد اٹھ گئے۔ جنید نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہمایوں نے اسے روک دیا۔

"نہیں رہنے دو میں دے دیتا ہوں۔ تم مہمان۔۔۔"

"تم ہی دینا۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے چند بڑے نوٹ نکالے اور اسے دیتے ہوئے بولا۔ "یہ رکھو تمہارے کام آئیں گے۔"

یہاں دولت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔"

یہ کہہ کر اس نے قدم بڑھا دیئے۔ ہمایوں نے مل دیا تو جنید غائب تھا ابھی وہ اسے حیرت سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا جنید کی کال تھی۔

”اچھا خدا حافظ۔ منس نے تمہارے فون کا انتقال ابھی سے کرنا شروع کر دیا ہے۔ منس نہیں چاہتا کہ اب تمہیں اور مجھے کوئی اکتلا دیکھے۔ خدا حافظ!“

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ ہمایوں چند لمحوں ہی کو دیکھتا رہا۔ مگر اسے جیب میں ڈالا اور اس طرف چل دیا جہاں عابد تھا۔ سارا دن وہ ڈسٹرب رہا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پار پا رہا تھا کہ کیا کرے؟ ایک جانب اچانک اپنی بڑی رقم ملنے کی توجیح تھی مگر دوسری جانب کئی خدشات تھے۔ پچھلے دنوں وہ ماہر ڈرائیو کے بارے میں معلومات حاصل کر بھی پا رہا ہے یا نہیں۔ کیا عابد سے جب وہ پوچھے گا تو وہ جو کئی نہیں ہو جائے گا؟ بالفرض مجال اسے معلومات مل بھی گئیں اور اس نے جنید تک پہنچا بھی دین تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ اسے اتنی بڑی رقم دے دے گا اور رقم دے بھی دے تو کیا جنید پر اتنا بار کیا جاسکتا ہے کہ وہ اسے کسی طرح استعمال بھی کر سکتا ہے۔ یہ اور ایسی کئی سوچیں سارا دن اسے پریشان کرتی رہیں لیکن منس میں کہیں ایک بات تھی جو اسے جنید کی بات مان لینے پر آمادہ کر رہی تھی شرمناک یہی تھی کہ وہ عابد سے سب کچھ اگلو لے کر وہ ایسا کیوں کرے؟۔۔۔ یہی سوال تھا جس نے اسے آمادہ کر دیا کہ وہ جنید کے لیے ضرور کام کرے گا۔ اس کی پہلی ترجیح دولت تھی یہی وہ ستر تھا جس سے صفیہ کو حاصل کیا جاسکتا تھا۔ صفیہ اس کی منزل تھی۔۔۔ اس نے آنکھیں بند کیں، ایک گہرا سانس لیا اور فیصلہ کر لیا۔ اسے اپنی ہمدردی کی سستل گئی تھی۔

رات ڈھل گئی تھی جب عالمگیر کو ہوش آیا وہ کسمپاسیا تو جنید نے اس کی جانب دیکھا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت غور سے عالمگیر کو دیکھ رہا تھا۔ گزشتہ شام جب وہ واپس آیا تھا تب وہ خواب آور و دائیوں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ پہلی نگاہ میں تو جنید کو نہیں لگا تھا کہ جیسے وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹے سے اشارے کے ساتھ پوچھا تھا کہ اسے کیا ہوا ہے؟

”ٹھک بہت کر رہا تھا ڈاکٹر نے اسے نئے کپڑے لگا دیے۔ ایک انجکشن اور لگا تو صبح تک یہ یونہی سو رہا ہے گا۔“

”ٹھیک ہے اس کا علاج ہی یہی ہے۔“

اس نے لا پرواہی سے کہا تو ڈیڑھ گھنٹے اُٹھتے ہوئے بولا۔

”یار انہیں چلتا ہوں۔۔۔ رات تم اس کے پاس رہو صبح منس آ جاؤں گا۔“

”یہی اہم خواہش تو اس کی تہہ در تہی میں لگے ہوئے ہیں۔ قیادت کو اگر اس کی ضرورت ہے تو کسی کو اس کے پاس بھیج دے ہمارا وقت

تو بہاؤ نہ کرے۔۔۔“

جنید نے قدرے غصے میں کہا تو ڈیڑھ گھنٹے میں مسکرا دیا اور پھر خوشگوار لہجے میں بولا۔

”ہاں رات۔۔۔ کیا کر رہے ہیں ہم؟ ادھر بھی تو پڑے ہی رہتا ہے۔“

"ہاں یہ بھی ہے۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بولا پھر اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا جاؤ لیکن قیادت سے بات کر لو ورنہ اس کے پاس بندے بھیج دے۔"

"کروں گا بات یا رات تم آج رات تو رہو؟ اس کے پاس۔"

ذیشان نے کہا اور باہر کی سمت چل دیا تھا۔ تب جنید کے پاس سوچنے کو وقت عدالت دہ گئی جہاں اسے اگر مایوسی تھی تو ایک غیر متوقع امید بھی بندھ گئی تھی۔۔۔ عالمگیر کسمسا کر پھر بے سدھ ہو گیا تھا۔ جنید اٹھا اور کونے میں رکھی ہوئی پانی کی بوتلوں تک گیا، اس نے پانی پیا اور پھر واپس آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے دماغ میں پھر سے عدالت ٹھونسنے لگی تھی۔

اس دن جب وہ فاروق چوہدری سے ملا تھا تو اس نے بہت مشکل سے اس کی پوری بات سنی تھی۔ اس کا رویہ یوں تھا جیسے کوئی بہت مشکل اور پورترین سوال کر دیا گیا ہو۔ پھر بھی جب اس نے اپنا تعارف کرایا تو بات سننے پر مجبور ہو گیا۔ ساری بات سن کر وہ بولا۔

"دیکھئے میرے پاس ایک ایسا کیس آیا تھا لڑکی کے ساتھ واقفانہ ازدواجی ہوئی تھی لیکن بہت جلد انہوں نے آ کر کیس واپس لے لیا تھا۔ میں نے جب پوچھی تو انہوں نے یہی بتایا تھا کہ دوسرے فریق سے ان کی صلح ہو گئی ہے اور لے دے کر معاملہ ختم کر دیا ہے اس لیے وہ کیس کو آگے نہیں بڑھانا چاہتے۔"

"آپ نے کیس دائر کر دیا تھا۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ لیکن ابھی باقاعدہ سماعت شروع نہیں ہوئی تھی۔"

"آپ کے پاس ان کا کوئی ایڈریس وغیرہ۔۔۔ مطلب کوئی ایسا اشارہ جس سے ان کے بارے میں معلومات مل جائیں؟"

"سوری سنیں کچھ نہیں جانتا۔"

"اگر کوشش کی جائے۔۔۔ میرا مطلب ہے سنیں دو چار دن ٹھہر کر آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

"میں نے کہا نا سوری۔۔۔ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر پاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ بہت شکریہ آپ نے مجھے دقت دیا۔"

اس نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اٹھ گیا۔ وہ وہاں سے چپے ہوئے وٹاخ اور مایوسی کے عالم میں اٹھ کر آیا تھا۔ وہ پورے غلوں سے اس لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن اب جبکہ اس کے بارے میں معلوم ہی نہیں تھا تو وہ کیا مدد کر سکتا تھا؟ ایک عالمگیر ہی تھا جس سے وہ پوچھ سکتا تھا لیکن سو فیصد امکان نہیں تھا کہ وہ اسے بتا دیتا۔۔۔ عدالت کے احاطے میں ہمایوں سے ملاقات اس کے لیے خاصی حیران کن تھی کیونکہ اس نے غیر متوقع طور پر ایک خبر سنی تھی۔ ہمایوں کو وکیل دانے روپ میں دیکھ کر جنید کو اچھا لگا تھا لیکن اس کے چہرے پر خوف، غربت اور مایوسی کے سائے اپنا تلاء جمانے ہوئے تھے۔ جنید کو اس کی سادگی کا احساس اس وقت ہو گیا جب اس نے ماجد ڈرائیج کا نام لیا تھا۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کیا شے ہے۔ اس نے ہمایوں کو فوراً ہی آفسر تو کر دی تھی جنید کو احساس تھا کہ اگر اس سے رابطہ ہو گیا تو وہ اس کے بہت کام آسکے گا۔ اگر اس

نے ہاپوں کو تھانے میں نہ دیکھا ہوتا تو شاید ایسی کوئی آفر نہ کرتا یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اگر وہ ماجد وڑائچ کے بارے میں کوئی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔

ماجد وڑائچ اس کے لیے جہاں عزت کی علامت بن چکا تھا وہاں وہ کئی مہینوں سے اس کا ہدف بھی تھا۔ اگرچہ ان دونوں میں دشمنی کی ابتدا انہو خورشیدی کے دنوں ہی میں ہو چکی تھی لیکن بڑھتے دنوں کے ساتھ صرف اسی شخص نے عین ان کی عظیم کوبہت نقصان پہنچایا تھا۔ جنید کی خواہش تھی کہ وہ عین اسے اپنے ہاتھوں سے ختم کرے لیکن ایسا نہیں کر پایا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کی جزیں جرائم پیشہ افراد میں زیادہ تھیں۔ پھر جس تیزی سے اس نے اپنی سیاسی جماعت میں جگہ بنائی تھی اس نسبت سے سیکورٹی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ قیادت اسے ترغیب دینی سمجھتی رہی لیکن وہ بہت آگے نکل چکا تھا۔ پھر جن دنوں اس کی پارٹی کی حکومت آئی وہ بجائے سامنے آنے کے بالکل ہی غائب ہو گیا۔ اس کی سرگرمیاں کیا تھیں اس کے بارے میں تو کیا معلوم ہونا تھا وہی لگا ہوں سے ہو چکا ہو گیا۔ ہانچوں نے جب ماجد وڑائچ کا ذکر کیا تو جہاں اس کے ہندرجوش بھر گیا تھا وہاں احساس شکست کو ختم کرنے کی امید جاگ اٹھی تھی۔ کاش اسے وہ مل جائے۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے واضح طور پر اپنی انگلیوں اور بازوؤں کی پٹلوں میں پانچھن مسموم کی تھی۔

عالمگیر اطمینان سے سو رہا تھا۔ اس نے وقت دیکھا رات کے دو بج رہے تھے اسے نیند نہیں آرہی تھی وہ کمرے سے باہر نکل کر بیٹھ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خود بھی ماجد کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے یا ہاتھوں کی کسی کوشش کا انتظار کرے۔ وہ جس قدر سوچتا چلا جا رہا تھا اس قدر ہی وہ اُلجھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اسے یوں لگا جیسے اس پر وہاؤنا قابل برداشت ہو رہا ہے سو اس نے احساس ہونے ہی ساری سوچوں کو جھک دیا اور باہر کھیلان میں آ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ بوڈے نکل چکا تھا۔ انہی لمحوں میں راحیلہ اس کی سوچوں میں ڈرا آئی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا اسے یوں لگا جیسے وہ جسم اس کے سامنے آ کھڑی ہو۔۔۔ نہانے وہ کیا چاہتی ہے؟ اس خیال کے ساتھ اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی بلاشبہ کوئی اُلجھن ہے جسے وہ تفصیل کے ساتھ بتانا چاہتی ہے پر مجھے ہی کیوں؟ اس سوال نے اسے نئی راہ پر ڈال دیا تھا لیکن وہ سوچتا نہیں چاہتا تھا اس لیے راحیلہ کے خیال کو بھی جھک دیا۔۔۔ وہ اگر وہیں بیٹھا رہتا تو کوئی نہ کوئی اور سوچ اسے دسترب کرے گی اس لیے وہ اٹھا اور کمرے میں آ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اس وقت ڈاکٹر راؤ نڈ کر کے جا چکے تھے اور ڈیشیاں آگیا تھا جب جنید نے عالمگیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”نو بھئی ڈیشیاں! اب تم جانو اور تمہارا کام۔ میں جا رہا ہوں بہت کرنی تیار داری۔“

”میں نے ہات کر لیا ہے آج کوئی نہ کوئی آ جائے گا۔ لھیک ہے تم جاؤ۔“

اس نے جنید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تو وہ وہاں سے نکل آیا۔ کار پڈر سے نکلے ہوئے جنید کے ذہن میں راحیلہ تھی جس سے اس نے ملنا تھا۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی وہ تھوڑا ایٹ ہو چکا تھا۔ اس کے قدم تیز ہو گئے لیکن چند قدم چلنے کے بعد اچانک اسے خیال آیا کہ وہ کیوں اس سے ملنے کے لیے بے تاب ہے؟ وہ اس کے لیے محض ایک اجنبی لڑکی جا رہی ہے!۔۔۔ کیا تعلق ہے؟ بس اتنا ہی کہ اس نے ایک بار اسے پانی پلایا تھا اور ایک ایسی بات کہی تھی جس سے اسے بہت حوصلہ ملا تھا۔ بس یہی تعلق نہیں ناتا اور یہی شہسائگی ہے؟۔۔۔ یہ سوچتے ہوئے اس کے قدم ڈھیلے پڑ

گئے۔ سچی بات تو یہی تھی کہ اسے خود پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ اس لڑکی کے لیے وہ اتنا کیوں سوچ رہا ہے۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ راحیلہ سے ملے یا نہیں؟۔۔۔ وہ چند لمحوں سوچا رہا لیکن کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکا اور پھر اسے خیال آیا کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے وہ انتظار کر رہی ہوگی۔ کیا تم اپنی ہی کیا ہوا وعدہ نہیں نبھائو گے؟ اپنے آپ سے اس سوال پر وہ دیر سے مسکرا دیا اسے بہر حال اپنا وعدہ تو نبھانا تھا۔

راحیلہ لان میں موجود تھی اور ادھر ادھر یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ بے یقینی سے کسی کی رائے دیکھ رہی ہو۔ جنید کو اس کی بے یقینی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ دیر سے قدموں سے چلتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا۔ کچھ بعد راحیلہ کی نگاہ پڑی تو اس کا چہرہ کھل گیا۔ پھر بلائے تحمل سے وہ اس کی جانب بڑھی قریب آتے ہی اس نے کہا۔

”میں کبھی آپ تک مصروف ہو گئے ہوں گے۔۔۔ کیا حال ہے آپ کے مریض کا؟“ راحیلہ کے لہجے میں سرشاری کھلی ہوئی تھی۔

”میرے ساتھ آؤ ہم کبھی بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔۔۔“

جنید نے کہا اور باہر کی جانب چل دیا راحیلہ بھی اس کے ساتھ چل دیا۔ ہسپتال کے گیٹ پر انہیں ٹیکسی مل گئی۔ جنید کے ساتھ جیسے ہی وہ پہنچی اس نے ایک مشہور ریستوران کا نام لے دیا۔

”ہاں اب بولو تم کیا کھانا چاہتی ہو؟“

ریستوران کے ایک کونے میں اطمینان سے بیٹھنے کے بعد جنید نے راحیلہ کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحوں اس کی طرف دیکھتی رہی پھر دیر سے بولی۔

”یہ نہیں پوچھیں گے آپ کہ میں آپ ہی سے کیوں بات کرنا چاہ رہی ہوں؟“

”راحیلہ! میں نہیں جانتا کہ تم مجھ سے کیا بات کرنا چاہتی ہو اور کیوں؟۔۔۔ تم جو کہنا چاہتی ہو کہہ دو۔ کم از کم یہ تخفیف ہو۔“

وہ جمیدگی سے بولا تو یہ چند لمحوں خاموش رہی شاید راحیلہ بات کا وہ سرا تلاش کر رہی تھی جہاں سے ابتداء کرے پھر اس نے سر اٹھایا اور کہتی چلی گئی۔

”میں ایک فریب گمر سے تعلق رکھتی ہوں۔ جب تک ہاپ کا سایہ میرے سر پر تھا اچھی بھلی زندگی گزار رہی تھی۔ وہ ایک حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور ہم ماں بیٹی کو یوں لگا جیسے ہمارے گھر کی چار دیواری بھی گر گئی ہے۔ یہ میری ذہنی ہی تھی جس نے بڑے حوصلے بہمت اور مضبوطی سے اپنی حفاظت کی محنت کی اور بہت مشکل سے مجھے سڑک کروایا۔ میں کوئی بچہ نہیں تھی کہ اپنی ماں کا دکھ نہ سمجھ سکتی۔ مجھے اپنے رشتے داروں سے بھی کوئی گلہ نہیں ہے کہ انہوں نے ہمیں کیوں نہ پوچھا اور نہ ہی تقدیر سے شکایت ہے کہ اس نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟۔۔۔ بہر حال میں یہاں نرس کی ٹریننگ کے لیے آ گئی۔ وہاں گاؤں میں تو کوئی ایک آنکھ ملتی تھی لیکن یہاں تو میں بعض اوقات خود کو تنہا محسوس کرنے لگتی ہوں۔ میں نے اتنا وقت کس طرح گزارا یہ نہیں جانتی ہوں یا میرا خدا لیکن اب جبکہ تمہارا سادقت وہ گیا ہے اور میری محنت کا پھل مجھے ملنے والا ہے تو میری راہ

میں بہت ساری رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں۔"

"کیوں — رکاوٹیں کیوں؟" جنید جواب تک قلم سے ہاتھ من رہا تھا اچانک حیزی سے بولا۔

"اس لیے کہ میں لڑکی ہوں، میرے آگے پیچھے کوئی نہیں۔ کسی کو یہ لڑکیاں ہے کہ اگر میرے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی ہو بھی گئی تو انہیں پونینے والا کوئی ہوگا۔ میں اگر ان کی بات مان لیتی ہوں تو پھر ساری آسانیاں ہیں ورنہ یہ ماحول میرا دشمن ہے۔۔۔ ممکن ہے میں یہاں سے خالی ہاتھ واپس چلی جاؤں۔" وہ ہنسنے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔۔۔ مجھے بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" جنید نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ حوصلہ کہ میں یہاں سے خالی ہاتھ نہ جاؤں۔ تحفظ کا وہ احساس جس سے میں کم از کم یہ تو سمجھ سکوں کہ اس معاشرے میں سانس لیا جا سکتا ہے۔۔۔"

راحیلہ کے لہجے میں نفرت سنگ اٹھی تھی۔ اس سے پہلے کہ جنید کوئی بات کہتا اور ان کے سامنے کھانا چھینے لگا۔ وہ اس چلا گیا تو اس نے پوچھا۔

"کون ہیں دو لوگ۔۔۔؟"

"کس کس کا نام لوں۔۔۔ اگر آپ اس ماحول کو سمجھیں تو آپ کو میری مجبوری کا اندازہ ہو جائے۔"

راحیلہ نے کہا تو جنید لاپرواہی سے بولا۔

"چلو ساری باتیں ذہن سے نکال کر اس رزق کی غرض توجہ دو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے پلیٹ سیدھی کی اور کھانے کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ کافی دیر وہیں بیٹھے رہے۔ اس دوران جنید نے بہت ساری باتیں پوچھیں راحیلہ کے سوالوں کے جواب دیئے۔ ان میں جو ایک تکلف کی لفظ تھی وہ ختم ہو گئی۔ دیشرب برتن اٹھا کر لے گیا اور ان کے سامنے چائے رکھی تو جنید بولا۔

"ایک بات بتاؤ تم نے اپنی مدد کے لیے مجھے ہی کیوں چنا؟"

"اس لیے کہ آپ ہی مجھے مدد کے ہو۔" راحیلہ نے بلا جھجک کہا تو وہ ایک ذم سے چونک گیا۔ راحیلہ نے مزید کہا۔ "مرد سے میرا مطلب 'غیرت اور عزت کا جسے احساس ہوتا ہے۔ میں جو کسی ایسے مرد کا رستہ دیکھتی دیکھتی تھک گئی تھی آپ کی صورت میں وہ مجھے دکھائی دیا۔ میں مانتی ہوں کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے آپ کو مجھ سے کوئی مرد کا نہیں ہے لیکن میں نے انسانیت کے نامے آپ سے مدد چاہی ہے اور میرے یقین نے مجھے دھوکا نہیں دیا ہے۔"

"میں اگر تمہارے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا تو۔۔۔؟"

"میں سمجھتی نہیں۔۔۔؟"

"دیکھو— تم شاید میری زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی ہو۔ مجھے کوئی پتہ نہیں کہ میں یہاں سے اٹھ کر اس رہستوران سے باہر جا بھی سکوں گا یا نہیں۔ میں ہوا کی مانند ہوں اور۔۔۔"

"میں ہوا کا قابو بھی نہیں کر سکتی لیکن اتنا چاہتی ہوں کہ تم ازم جس کے اس ماحول سے چھٹکارا تو ملے اور میں تو اس قافلے میں بھی نہیں ہوں کہ اس کے عوض آپ کو کچھ دے سکوں۔"

راجیلہ نے بے بسی سے کہا تو جنین سوچ میں پڑ گیا۔ اُسے یہ سمجھ تو آ رہی تھی کہ وہ کیا مدد مانگ رہی ہے لیکن ایک اجنبی لڑکی سے کوئی وعدہ دو بہر حال نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جس راہ پر چل رہا تھا اس میں کسی کا پرتو کیا اپنے سارے پر بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب جبکہ وہ اُس سے کراہی لگی تھی تو دیکھنا یہ تھا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے یا کسی کے لیے کام کر رہی ہے؟— یہ سوچتے ہی اُس نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تم سے وعدہ نہیں کرتا لیکن جب بھی ہو سکا میں تمہاری مدد کروں گا۔۔۔ تمہارے پاس سب فون ہے؟"

"میں جو یہاں سے تھوڑے بہت پیسے لے سکتا ہوں اس میں سے اپنی ماں کو بھی بھیجتی ہوں۔ میں اتنی بڑی عیاشی نہیں کر سکتی۔۔۔"

راجیلہ نے ذمیرے سے کہا— جنین نے وہ بڑا اشارہ کیا پھر اپنا پرس نکالتے ہوئے بولا۔

"ہمارے درمیان رابطے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ تم مجھے فون کر لیا کرو۔ میں تمہیں کچھ رقم ادھار دے دیتا ہوں اس سے تم ایک سب فون خرید لیتا تاکہ مجھ سے رابطہ رکھ سکو۔"

"ادھار۔۔۔ میں بھی نہیں؟"

"اس میں نہ بھگنے والی بات کون سی ہے۔ ادھار تو ادھار ہوتا ہے۔۔۔؟"

"لیکن میں آپ کو لوں۔"

"نوٹے تو پڑیں گے لیکن جب تمہارے پاس ہوں گے لوٹا دیتا۔ فی الحال یہ رکھو۔"

اُس نے پرس میں سے چند بڑے نوٹ نکال کر اُس کی طرف بڑھادیے تو راجیلہ نے اُس کی جانب حیرت سے دیکھا اور انکار میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"نہ نہیں— میں لے لوں گی آپ لکڑ نہ کریں۔"

"لے لو یا ہا ادھار دے رہا ہوں۔"

اُس نے کچھ اس طرح کہا کہ راجیلہ ایک دم سدھ پڑی۔ پھر فرمایا خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"آپ بس میری مدد کرو مجھے گا لیکن اس طرح نہیں۔۔۔" اُس نے صاف انکار کر دیا۔

"تمہاری مرضی۔"

جنین نے وہ نوٹ واپس پرس میں رکھ لیے۔ تبھی وہ بیئرٹل لے کر آ گیا۔ اُس نے غل دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کہ راجیلہ بھرتی اُس

کاسٹل فون نکا اٹھا۔ جنید نے نمبر دیکھ کر فوراً کال ریسیو کر لی اور بولا۔

”پولو ڈیٹا ن۔۔۔؟“

”وہی ہوا جس کا ڈر تھا عالجیگر مر گیا ہے۔۔۔“

”مر گیا۔۔۔“ اس نے شدید حیرت سے کہا۔ پھر ماحول کا احساس کر کے دیر سے سے بولا۔ ”مگر کیسے۔۔۔؟“

”وہی۔۔۔ اس نے آکسیجن ماسک بٹا دیا۔ ڈاکٹر کے آنے تک دو۔۔۔“

”چلو یہ قصہ بھی ختم ہوا۔۔۔ اب تم کہاں ہو؟“

”میں ہسپتال ہی میں ہوں۔۔۔ کچھ لڑکے لینے کے لیے آرہے ہیں! اے اُن کے حوالے کر کے چلا جاؤں گا۔۔۔ تم کہاں ہو؟“

”میں ادھر اپنے گھر۔۔۔“

”ٹھیک ہے شام کو ملتے ہیں۔۔۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔“

اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔۔۔ دو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عالجیگر اس قدر احمق پن کرے گا۔ لیکن عالجیگر کی ضد تو اس کے ساتھ تھی مگر

نجانے کیوں جنید کو یہ بات بھضم نہیں ہو پاری تھی۔ اس نے فون جیب میں رکھا اور راجیلہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر دونوں باہر چلے آئے۔

”راجیلہ! اب تم جاؤ۔۔۔“

یہ کہتا ہوا وہ کسی اجنبی کی طرح دوسری سمت چل دیا۔ تموزے ٹاٹھنے پر اسے رکشہ ملا وہ اس میں بیٹھا۔ اس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ

راجیلہ اسے جاتا ہوا دیکھ رہی ہے۔

☆☆

حُسنہ اور حُسن آراء

حُسن اور حُسن آراء اور ماضی کی مقبول ترین معنیٰ **عمرہ احمد** کی 4 تحریروں کا مجموعہ ہے جس میں ایک کہانی حُسن اور حُسن آراء پہلی بار آپ کے سامنے آ رہی ہے۔ عمرہ احمد کا TV کے لئے یہ پہلا ٹی وی سیریل بھی تھا اور یہ TV کی تاریخ کے منجگے ترین ٹی وی سیریلز میں سے ایک تھا۔۔۔ اپنی حُسن کے لحاظ سے یہ آپ کو بہت متاثر کرے گا۔ مگر انسانی فطرت اس سے زیادہ حیران کن اور متاثر ہے۔

حُسنہ اور حُسن آراء کتاب گھر دستاویز ہے جسے ناول سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

شام نے اپنے سائے پھینا دیئے تھے۔ صغیہ اپنے کمرے سے باہر جانے کے لیے اٹھ چکی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ لان میں اُس کی ماں کا چائے پر انتظار کر رہی ہوں گی۔ ایسا کبھی کبھار پانچھٹی کے دن ہوتا تھا جب اُس کا باپ اور بھائی اُن کے ساتھ شام کو مل بیٹھے ورنہ بس صبح ناشتے کے وقت ہی ملاقات ہوتی تھی۔ وہ بھی اپنی ماں کو اتنا وقت نہیں دے پاتی تھی اور جب سے اُس کی زندگی میں تیمور آیا تھا یہ وقت اور زیادہ سست گیا تھا۔ اگر سُلٹی نہ ہوتی تو اس گھر میں اُس کی ماں زینون بی بی تجائی کا فکار ہو چکی ہوتی۔ یہ سب کچھ سوچتی ہوئی وہ اپنے کمرے سے نکل اور لان کی طرف بڑھی۔ اُس کا موڑ بہت خوشگوار تھا۔ اُس نے دیکھا لان میں اُس کی ماں اور سُلٹی دونوں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ منگلتی ہوئی اُن کے پاس چلی گئی اور پھر بیٹھتی ہی بولی۔

”ماما، انا جلدی سے چائے پلا دوں۔۔۔“

”چائے تو بکس کے ہی لیکن آج تم سے میں نے کچھ باتیں بھی کرنی ہیں۔“ زینون بی بی نے جوئے نکل سے کہا۔

”ابھی کون سی باتیں ہیں۔۔۔؟“ اُس نے لا پرواہی سے پوچھا۔

”بہنی، ایک ماں اور بیٹی کا رشتہ بہت ہی ڈنڈک اور بڑا ہی اہم ہوتا ہے۔ ڈنڈک اس لیے کہ اگر وہ اپنی اولاد پر توجہ نہ دے تو بہت سارے بگاڑ پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کا اثر اولاد کے کردار پر پڑتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب تک ماں اور بیٹی بیٹیوں کی مانند ایک دوسرے سے تعلق نہ رکھیں تو دونوں میں ذہنی فاصلہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور اہم اس لیے ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ بیٹی کی تربیت کا ذمہ دار ماں کو سمجھتا ہے۔ اگر خداخواستہ کہیں کوئی حادثہ ہو جائے تو اُنکی ماں کی طرف ہی اُنسی ہے۔۔۔“ زینون بی بی نے دھیرے دھیرے بہت ہی پیار سے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”لیکن ماما، یہ سب آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟“ وہ تیزی سے بولی۔

”اس لیے کہ یہ ساری باتیں تمہیں سمجھانے کی ضرورت ہے اور یہ نہیں بہت دیر پہلے ہی تمہیں سمجھانی چاہی ہوتی۔“

”میں سمجھی نہیں۔۔۔؟“ وہ لا پرواہی سے بولی۔

”میں نہیں چاہتی کہ تمہارے کردار پر کوئی دھبہ لگے یا کوئی ہمارے گھر کی جانب اُلٹی آٹھائے۔ میں نے اگر تم پر اسیا دیکھا ہے تو اس اعتبار

کو قرار رکھو۔“

”ماما، آپ کیا پہلیاں ڈال رہی ہیں۔۔۔ آپ کی صحت تو ٹھیک ہے؟“ اُس کے لہجے میں طنز آتا تھا۔

”شٹ آپ صغیہ انہیں ماں سے بات کرنے کی تیز بھی نہیں رہی۔“

سُلٹی نے پہلی بار لب کھولے تو صغیہ نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

”ارے! ایسی کیا بات ہو گئی ہے کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔“ وہ بولی۔

”تم اتنی بھولی ہو نہیں سکتی تم بن رہی ہو۔“ سُلٹی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

”ماما! کیا میں آخرا بات کیا ہے؟“ صغیہ نے اپنی ماں سے پوچھا۔

”تم مجھ سے یہ کہتی ہو کہ مجھے کچھ بننا ہے نہیں پڑھنا چاہتی ہوں اور بہت پڑھنا چاہتی ہوں لیکن تم ہماری آنکھوں میں دھول بھونک رہی ہو۔ کیا تعلق ہے تمہارا تیمور سے۔“

زینون بی بی نے ہنسنے میں کہا تو صفیہ ایک بار اندر سے ہنسنے لگی لیکن اس کا اظہار نہ کرتے ہوئے وہ بولی۔

”اچھا تو یہ بات ہے۔۔۔ اماں! وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔“

”کس قدر بے غیرت اور منہ پھٹ ہو۔ اُسے تم اپنا دوست کہہ رہی ہو غیر مردوں کو تم اپنا دوست کہہ رہی ہو؟“ زینون بی بی یوں ہنسنے لگی انداز میں بولی جیسے اس کا سارا قہقہہ اڑ گیا ہو اور وہ خود پر قابو نہ رکھ پائی ہو۔

”اماں! ہمارے طبقے میں اسے کچھ غلط تصور نہیں کیا جاتا۔۔۔ اب آپ کہیں گی کہ ہمارے دور میں ایسا نہیں ہوتا تھا ہماری یہ روایت نہیں ہے وغیرہ وغیرہ تو سبیل۔ وہ آپ کا دور تھا آپ کا اپنا زمانہ بن گیا تھا۔ یہ میرا دور ہے اور میں اپنی مرضی سے جیننا چاہتی ہوں۔“

”کیا تیرے دور میں ساری اخلاقی قدریں ختم ہو گئی ہیں۔ دیہاتوں سے چپا کاپانی ڈھل جاتا ہے کیا تیرے دور میں خاندان کی کوئی عزت نہیں ہوتی؟“

زینون بی بی نے کہا تو صفیہ بڑے آرام سے بولی۔

”اماں! وہ اخلاقی قدریں ختم ہوئی ہیں نہ دیہاتوں میں حیا۔ مجھے اپنے خاندان کی عزت اسی طرح عزیز ہے جیسے آپ کو۔۔۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو تیمور کے بارے میں کس نے کیا بتایا ہے اور کس رنگ میں ساری باتیں بتائی ہیں لیکن یہ یاد رکھیں میرا اُس سے کوئی غلط تعلق نہیں ہے۔“

”غلط تعلق۔۔۔ ارے! ہمارا تعلق ہی میں کسی غیر مرد کے ساتھ تمہارا تعلق نہیں ہے؟“

”نہیں ہے۔۔۔ میں کوئی چھوٹی عام سی لڑکی نہیں ہوں کہ جسے کوئی بھی مرد اپنی راہ پر لاسکتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ یہ سب آپ کو کس نے بتایا؟“ یہ کہتے ہوئے اُس نے سسلی کی جانب دیکھا۔

”مجھے کوئی ضرورت نہیں یہ جاننے کی کہ تم کیا کرتی پھر رہی ہو۔“ سسلی اُس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔

”تم جانتی ہو کہ اگر تمہارے باپ اور بھائی تمہارے پچھن معلوم ہو گئے تو کیا ہوگا؟“ زینون بی بی نے خوف مبرے لہجے میں کہا۔

”وہ اچھا سمجھیں گے اور اگر آپ کو بھی سمجنا ہے تو پایا سے بات کر لیجئے گا وہ آپ کی فرخ ناراض نہیں ہنگہ خوش ہوں گے۔“

صفیہ نے کہا اور تیزی سے اٹھ گئی۔ زینون بی بی ہونٹوں کی طرح اس کی طرف دیکھتی رہ گئی اُسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اُس کے باپ کو بتانے یا نہیں؟ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُسے یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا سو جس ایک دم سے ٹھنک گئیں تھیں۔ اسے لگا جیسے رگوں میں دوڑتا ہوا خون اسکی آنکھوں میں سمٹا رہا ہے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ہنسنے لگی۔ چائیک اُس کا سر گھومتا شروع ہو گیا اور وہ کرسی پر جمبول گئی اور اسی لمحے سسلی کی جگہ فضا میں بلند ہو گئی۔

"آئی۔۔۔ آئی! کیا ہو گیا آپ کو پلٹے ہوئے ہو کر۔ کوئی ڈاکٹر کو بلائے۔"

سلفی ہدیائی انداز میں چیخ رہی تھی تبھی صفیہ نے پلٹ کر دیکھا اور حیرت سے ٹھنک کر رہ گئی۔ اگلے ہی لمحے اسے صورت حال سمجھ میں آ گئی۔ وہ اپنی ماں کے پاس بیٹھی سے آئی جو کرسی پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔

"تم سنبھالو سمنیں پانی لے کر آتی ہوں۔"

صفیہ نے کہا اور چیزی سے چکن کی جانب بھاگی۔ اپنی دیر میں گھر کے دونوں ملازم وہاں آ گئے۔ سمنی! پھانسی پر بیٹھنی میں اپنی ماں کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن زیتون بی بی ہوش ہی میں نہیں آ رہی تھی شاید اسے بہت گہرا صدمہ ہوا تھا جس کے باعث یہ بے ہوشی اس قدر طویل ہو گئی تھی۔ صفیہ پانی لے آئی اور اپنی ماں کے چہرے پر پھینٹے مارے۔ تب اس نے قدرے ہوش سنبھالا مگر جونہی اس کے سامنے صفیہ کا چہرہ آیا جو اسے پانی پلانے کی کوشش کر رہی تھی ایک دم سے زیتون بی بی کا چہرہ گھڑ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کا بدن پھر سے بے جان سا ہونے لگا۔ ایسی کیفیت میں وہ دونوں ہنسنے خوف زدہ ہو گئیں۔

"جاؤ! جلدی سے پاپا کو فون کرو۔"

سمنی نے صفیہ سے کہا تو وہ آئی فوننگ تک جا پہنچی پھر چند منٹ بعد آ کر ہوئی۔

"پاپا کو آنے میں تھوڑا وقت لگ جائے گا۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ماما کو فوراً ہسپتال لے جائیں۔۔۔ دفتر سے یہاں تک کا فاصلہ بھی تو بہت ہے۔"

"تو پھر جاؤ ڈرا تھوڑے سے کہو فوراً گاڑی نکالے۔۔۔ بلکہ تم جاؤ۔" اس نے ایک ملازم سے کہا۔ دونوں ہنسنے پھر سے اسے ہوش میں لانے لگیں مگر یہ بے ہوشی نونٹے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

تقریباً بیس منٹ بعد زیتون بی بی ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں تھی اور ڈاکٹر اسے فریٹسٹ وے رہے تھے۔ کافی دیر بعد زیتون بی بی کو ہوش آ گیا۔ اس وقت صفیہ وہاں نہیں تھی بلکہ باہر کارڈیور میں تھی۔

"دیکھیں آج آپ انکس ہسپتال میں رہنے دیں۔" ڈاکٹر نے سلفی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "یہ سب ہلڈ پریشی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اچھا کیا آپ انکس بروقت ہسپتال لے آئی ہیں ورنہ اس سے کچھ بھی ممکن تھا۔"

ڈاکٹر یہ کہہ کر بڑھ گیا اور دوسرا سٹاف زیتون بی بی کی دیکھ بھال میں لگ گیا تبھی کارڈیور میں کھڑی صفیہ نے سلفی کو اشارے سے بلایا وہ اس کے پاس چلی گئی تو صفیہ نے پوچھا۔

"کیا حال ہے ماما کا۔۔۔؟"

"ہلڈ پریشی کی وجہ سے ایک ہوا تھا۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ دوبارہ بھی ممکن ہے اس لیے تم رحم کرنا اور امی کے سامنے مت آنا بلکہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔" سلفی نے وہ بے ہوشے میں کہا۔

"منیں نے انسی کیا ہات کبردی تھی مٹھی تو کہا تھا۔۔۔ ویسے ہی ماما کو مجھ سے چڑھے۔" صفیہ نے خود پر ہات آٹے دیکھ کر کہا۔

"انہیں تم سے چڑھیں! حیا اور شرم کے مارے یہ حال ہوا ہے ان کا۔۔۔" صفیہ کو جتاتے ہوئے سہلی بولی۔

"تم ماما کی بڑی خیر خواہ بن رہی ہو اور منیں ان کی دشمن ہوں یا وہ لوگ انہیں پیارے ہیں جن کا نام منیں پنڈ نہیں کرتی۔ کیا منیں اپنی

بات بھی نہیں کہہ سکتی۔۔۔"

"کہو اور اس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا ہے تم نے۔۔۔ خدا کے لیے رحم کرو اور جاؤ یہاں سے۔۔۔"

سہلی نے حقارت سے کہا تو صفیہ تھمنا کر رہ گئی۔ اُسے اپنی ہانگ پر بہت لہصا آ گیا۔

"اگر تم ماں بچی کو وہ لوگ پسند ہیں تو تم کیوں نہیں بیانی ہاتیں ان کے ہاں مجھے کیوں قربان کیا جا رہا ہے؟" صفیہ تنگ کر بولی۔

"یہ وقت اس طرح کی باتوں کا نہیں اور نہ ہی یہ جگہ ہے۔ منیں تمہاری منت کر رہی ہوں کہ جاؤ یہاں سے یہ ساری باتیں بعد میں ہو

جائیں گی۔"

سہلی نے کہا اور پلٹ کر اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔ صفیہ تھوڑی دیر وہاں رہی پھر دارا پتھر کے ساتھ گھر چلی گئی۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کا

باپ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ جائے گا۔

"راحیلا! تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہاری مدد کرے گا۔۔۔؟" نسرین نے بیڈ پر بیٹھ کر تھکا پٹی کو دیکھ کر پوچھا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور میری مدد کرے گا۔" راحیلہ نے اُس کی طرف دیکھا اور اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں کرے گا تمہاری مدد۔۔۔؟" نسرین نے یوں کہا جیسے وہ بات تو راحیلہ سے کر رہی ہو لیکن سمجھا خود کو رہی ہو۔ "وہ کھو یہ مدد ایسے تو

نہیں ہے کہ بازار سے کوئی چیز خرید کر دے دی جائے جیسے اُس نے تمہیں کہا کہ سٹل فون لے لیا اور اُس نے روپے ویسے کی آخری۔ وہ تمہاری مدد

کرے گا تو اُسے اس ہسپتال تکے پورے نیٹ ورک سے دشمنی لینا پڑے گی۔ جو کم از کم ایک مقصد میں متفق ہیں کہ لڑکیوں کو اپنی راہ پر لے آئیں

اور اپنے جال میں پھنسا لیں۔ ہوس اور لالچ کا یہ نیٹ ورک تو زانا اُس کے لیے مشکل ہوگا۔ یہ مشکل اس لیے بھی زیادہ ہوگی کہ وہ یہاں کے ماحول

سے واقف نہیں ہے یہاں کا حصہ نہیں ہے۔ وہ اکیلا کیا کر سکے گا یہاں پر۔۔۔؟" آخری لفظ کہتے ہوئے نسرین بہت زیادہ جذباتی ہو گئی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو نسرین! اگر اُس نے میری مدد کی تو اُسے بہت مشکل ہوگی۔ منیں یہ بھی مانتی ہوں کہ یہاں کا نیٹ ورک بہت مضبوط ہے

لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ ایک لڑکی کو نہ پھا سکے۔"

"وہی منیں کہہ رہی ہوں کہ کون دو! اسی مشکل میں کیوں پھنسے گا۔ وہ ان سے دشمنی مول کیوں لے گا؟۔۔۔ یہ لوگ تو اپنی ہوس اور لالچ

کے لیے لڑیں گے اُسے شتم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"نسرین! اگر اُس نے میری مدد نہ کرنی ہوتی تا تو دو صاف کہہ دو۔ اُسے کوئی مجبوری نہیں تھی۔ دو مجھے آس ہی نہ دلاتا۔ اُس نے جس

خروج مجھے حوصلہ دیا ہے میرا دل کہتا ہے کہ۔۔۔"

"تمہارا دل کہتا ہے تاہم تو چاہو گی کہ کوئی بھی تمہاری مدد کرے۔ تمہیں ضرورت ہے اس وقت۔ اگر تمہیں اس وقت مدد کی ضرورت نہ

ہوتی تو کیا ہم اس طرح بات کر سکتے یا تم اس کی یوں طلب گارہو گئیں۔ بالکل اسی طرح آخر اسے کیا ضرورت ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ انسانیت کے نئے میری مدد کر رہا ہے۔" راحیلہ نے ایک کمزور سی دلیل دی۔

"تم خود بھی جانتی ہو راحیلہ کہ یہ بڑا کچھ لاوار کچھ وہ کے اصول پر ہی نہیں کاربند بلکہ جھین لینے پر بھی یقین رکھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم

بحیثیت قوم یا سوسائٹی ایک ایسی ڈگر پر چل گئے ہیں جس میں ہر جانب عدم اعتماد کی فضا بن گئی ہے۔ تمہارا رویہ ان ہسپتال کے مافیا کے ساتھ سخت برا

ہے تو یہی حرج انت کام آتی رہی ہے۔ تم اپنی جتن کے لیے اور وہ اپنے لالچ اور ہوس کے لیے لڑتے رہے ہیں۔ آخر کب تک۔۔۔ اور یہ تیسرا فرد اگر

تمہاری مدد کو آتا ہے تو کیا وہ تم سے کچھ نہیں چاہے گا؟"

"تم بالکل ٹھیک کہتی ہو نسرین! لیکن کیا ہم محض مفروضوں پر اور حسی سوق کا انحصار کرتے ہوئے بات نہیں کر رہی ہیں۔ کیا اتنا کم ہے کہ

اس نے مجھے حوصلہ دے دیا۔ اند میرے میں روشنی کی کرن۔۔۔" راحیلہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"مہل میں اس سوال کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے راحیلہ! کہ میں تمہیں مایوس کروں یا کسی کی نیت پر شک کرنا میرا مقصد ہے۔ میں نے تمہیں

صرف احساس دلانا ہے کہ اگر کل وہ تم سے اس کا بدلہ یا ریٹرن مانگ لیتا ہے یا اس کے چہرے پر سے نقاب مرک جائے اور تم اسے ڈاکٹر جمیل کے جیسا ہی

پاؤ تو پھر تمہارا ری ایکشن کیا ہوگا؟" نسرین نے اپنے اصل مقصد پر آتے ہوئے وضاحت کی۔

"دیکھو نسرین! یہ تو وقت بتائے گا کہ کون کیا ہے؟ میں سمجھتی ہوں کہ مجھے اس پر شک نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کے بارے میں خوش گمان

ہی رہوں تو یہ میرے لیے اور میرے حوصلے کے لیے بہت اچھا ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر وہ مجھے اس ہنور سے نکال کر ہی کوئی بدلہ یا ریٹرن مانگتا ہے تب

دیکھا جائے گا۔۔۔"

"اوکے۔۔۔ اگر تم اس کے خیال ہی سے خود کو مضبوط محسوس کر رہی ہو تو یہ اچھی بات ہے لیکن بندہ اندر سے مضبوط ہو تو وہ نہ صرف زیادہ

دیر تک مزاحمت کر سکتا ہے بلکہ وہ لمبے عرصے تک لڑ بھی سکتا ہے۔" راحیلہ نے اس کے چہرے پر دیکھتی ہوئی روشنی دیکھ کر کہا۔

"اچھا زیادہ اوت چنانگ باتیں مت کرو۔۔۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ! ہم جا کر سیل فون لے آئیں۔" راحیلہ نے اسے یاد دلایا تو وہ اٹھ

گئی۔

وہ دونوں بازار میں تھیں۔ انہیں چونکہ سیل فون کے بارے میں اتنی معلومات نہیں تھیں اس لیے دونوں ہی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ چند

دکانیں گھوم پھر کر ہی کوئی فیصلہ کریں گی۔ انہیں کافی دیر ہو گئی تھی اور ابھی تک انہوں نے سیل فون نہیں خریدی تھا۔ اس وقت وہ دونوں ایک دوکان کی

طرف بڑھ رہی تھیں کہ انہیں وہی بیسٹریز دکھائی دی جو راحیلہ سے اس کے کمرے میں ملنے آئی تھی۔

"ہاڈا یہ جوڑی آج کدھر گھوم رہی ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے خوشدلی سے پوچھا۔

"اسے ایک سیل فون خریدنا تھا وہی پسند کرنے نکلے ہیں۔" نسرین نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"یہ کون سی بڑی ہات ہے۔ آؤ ابھی خرید لیتے ہیں۔"

اس نے کہا اور ان کے ساتھ بڑھ گئی۔ کچھ ہی دیر میں اس نے قدرے مہنگا سیل فون سیٹ پسند کیا اور راحیلہ کے سامنے رکھتے ہوئے

بولی۔

"کیا تمہیں یہ پسند ہیں۔۔۔؟"

"پسند تو ہے لیکن یہ میرے بجٹ سے زیادہ ہے۔" اس نے قیمت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے کوئی بات نہیں باقی میں دے دیتی ہوں بلکہ چھوڑ دوں میں ہی تمہیں گفٹ کر دیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ دوکاندار کی جانب متوجہ ہونے لگی تھی کہ راحیلہ نے فوراً کہا۔

"نہیں۔۔۔ آپ کوئی دوسرا کم قیمت والا دیکھ لیں پلیز۔۔۔؟"

اس کے یوں کہنے پر سینئرز نے چند لمحوں کے چہرے پر دیکھا اور پھر خاموشی سے ایک کم قیمت والا سیل فون نکال لیا۔ راحیلہ نے

اثبات میں سر ہلا دیا۔ سینئرز کے چہرے پر مایوسی آن پڑی تھی نسرین اس کے چہرہ پر ہنسنے میں پوری طرح تکیں تھی۔۔۔ وہ تینوں دوکان سے نکلیں تو شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ راحیلہ کے ہاتھ میں سیل فون تھا۔

"آؤ تھوڑا کھانا لیں۔"

سینئرز نے کہا۔ جس پر راحیلہ انکار کرنے کی والی تھی کہ نسرین نے فوراً کہا۔

"نیکل پوچھ کر تو نہیں کرتے۔۔۔ پلیز۔"

تب راحیلہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ ان کے قدم ایک ریسٹوران کی جانب اٹھ گئے۔ سہولت سے بیٹھنے کے بعد سینئرز بولی۔

"منیں نے اس لیے 'اجازت' لی تھی کہ کہیں راحیلہ منع نہ کر دے۔" اس کے لہجے میں شکوہ بول رہا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں منیں تو ہوش وقت پر پہنچنے کی وجہ سے کب رہی تھی۔"

راحیلہ بات کو سمجھتے ہوئے بولی تو سینئرز نے قدرے تکی سے کہا۔

"ہوش اور وقت۔۔۔ سارے قاعدے قانون کاغذ پر ہی اچھے لگتے ہیں۔ انہیں اگر استعمال کرنے کی لوہت آئے تو صرف کزوروں

پر ہی کیئے جاتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ چونک گئی پھر جلدی سے بولی۔ "یوں کیا کھانا پسند کرو گی؟" اس نے اپنے سامنے ڈھرا ہوا سینا کھانہ کرپو چھا۔

"آپ اپنی پسند کا ہی منگوائیں۔" نسرین نے مسکراتے ہوئے کہا پھر آرزو وغیرہ دینے کے بعد بات کی ابتدا نسرین ہی نے کی۔ "وہی

میڈم ایسے قانون بنانے کا قاعدہ پھر۔۔۔؟"

"قانون تو بہتری کے لیے ہی بنائے جاتے ہیں مگر تو لون تب قانون بنتا ہے جب اس پر ٹھیک طرح سے عمل ہو۔ جب قانون نافذ کرنے

عشق قابو ہے عشق بنا

والے ہی غلط کریں تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اب جو تانوں نافذ کرنے والوں کا پسندیدہ ہو گا وہ بچا رہے گا اور راحیلہ جیسی اس کی زوئیں آ جائیں گی۔" وہ اپنی رو میں کھتی چلی گئی۔

"آ جائیں گی۔ مطلب؟" نسرین نے فوراً اس کی بات پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں دو دن سے یہ سوچ رہی تھی کہ راحیلہ کو اس بار سے بتاؤں یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ مجھے یوں لگتی ہے تو میں نے سوچا اب یہی دوں۔"

"کیا بتانا چاہ رہی تھیں آپ اور کیوں تذبذب میں تھیں؟" راحیلہ نے فوراً پوچھا۔

"بہنی کہ تم بہت زیادہ محتاط رہو۔ ڈاکٹر جمیل و جیرے و جیرے بہت کچھ تمہارے خلاف اکٹھا کر چکا ہے۔ اس میں کچھ سوچ ہے اور کچھ فرضی انزاعات جنہیں سوچ بہت کر دیا جائے گا۔ سبھی وہ محلات ہوں گے جب وہ تم سے اپنی بات منوائیں گے یا پھر تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔۔۔"

سینئر نرس نے ان پر انکشافات کرتے ہوئے کہا۔

"مغلوب! اس کے بارے میں چند اتیا کر لیا گیا ہے؟" نسرین نے پوچھا۔

"طافور کا کیا ہوتا ہے وہ راسی چوری پر بہت زیادہ سزا دے یا پھر بہت زیادہ جرم پر بھی جرم پاشی کر جائے۔۔۔ اصل میں اب ڈاکٹر جمیل نے اسے اپنی آنا کا مسئلہ نکالیا ہوا ہے۔" اس نے اپنی بات واضح کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟" راحیلہ نے تیزی سے پوچھا۔

"یہ تمہارا اپنا ذاتی فیصلہ ہے۔ دیکھو میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں اس مافیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی میں ان کی خواہشات کے ساتھ بہہ گئی اور آج تک انہی کی خواہشات کی بھینٹ چڑھی ہوئی ہوں۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ تم جانتی ہو ٹکراؤ کے نتیجے میں ہمیشہ نقصان کمزوری کا ہوتا ہے۔" وہ صاف لفظوں میں کہتی گئی۔

"دوسرے لفظوں میں آپ کا خیال یہ ہے کہ میں ان کی بات مان لوں؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"میں قطعاً نہیں نہیں نے یہ بالکل نہیں کہا۔ میں نے تو اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ کرو دینی جو تم چاہتی ہو فیصلہ تمہارا ہے۔" یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے اور نرس کا دیا ہوا آرڈر نے آتا تو وہ بولی۔ "پھوڑو۔۔۔ کیا ہوگا کیا نہیں ہوگا۔ ابھی تو کھاؤ بیٹو۔"

یہ کہتے وہ نرس وی جیکر راحیلہ سوچ میں پڑ گئی اور پھر فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"میں لڑوں گی آخری حد تک لڑوں گی۔ میں یہاں سے خالی انعام لے کر جانے والی نہیں ہوں۔"

اس کے لہجے میں ایسی مضبوطی تھی کہ وہ دونوں ہی چونک گئیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔

☆☆

ہائیوں اپنے سامنے دو رنگ پھیلا ہوا آسمان دیکھ رہا تھا۔ سرخی ہادل کہیں کہیں ٹکڑیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ سورج مغرب کی جانب

عشق تاجے عشق بتا

جنگ گیا اور مغربی آفتی گیندے کے پھول جیسا رنگ لیے ہوئے تھا جس میں نارنجی رنگ کی آمیزش ہوتی ہے۔ ہمایوں کا درمیان آسمان پر بکھری اس خوبصورتی کی طرف نہیں تھا بلکہ اپنے دماغ میں ابھرنے والی سوچوں کو کسی ایک سکتے پر لانے کی کوشش میں مصروف تھا جس نے اس کے پورے بدن میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ قوت کسی بھی ہڈی انسان کے اندر تہذیبی ضرور پیدا کرتی ہے۔ یہ قوت چاہے اس کے رگ پتھوں میں طاقت بن کر اپنا آپ منواری ہو یا پھر کسی راز کی ہو۔ ہر اطلاع ایک ایسی اہمیت نہیں رکھتی۔ بعض اوقات ایسی خطراتک اطلاعات بھی ہوتی ہیں کہ جن سے انسانی زندگی واڈ پر لگ جاتی ہے۔ اس وقت وہ بھی اسی کشش میں تھا۔ ایک جانب انسانی زندگی اور دوسری جانب دولت تھی۔ فیصلہ ہاں اور نہیں میں تھا لیکن اگلے درمیان بھی ایک بات تھی اور وہی بات اُسے پریشان کر رہی تھی۔ ماجد ڈرائیج کے بارے میں اُسے پتا نہ تھا کہ اس اطلاع تھی پورا ہفتہ وہ اسی نوڈ میں رہا تھا۔ جب اُس نے ماجد ڈرائیج کے بارے میں معلومات لینا شروع کی تھی اس وقت تک اُسے بھی خبر نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اسکے بارے میں جان لے گا۔ اُس نے ابتدا عابد اٹنی سے ہی کی تھی اُس نے عام سے انداز میں پوچھا تھا کہ وہ ماجد کے بارے میں اتنی نفرت کیوں رکھتا ہے؟

”وہ بے غیرت ہے، غنڈہ ہے وہ۔ اُسے احساس ہی نہیں ہے کہ کسی کی عزت کیا ہوتی ہے۔ اُس نے میرے دوست کو صرف اس لیے مارا تھا کہ اُس نے ماجد کو قوت پر بہت کیوں نہیں پہنچایا تھا۔ یہ جو یونیورسٹی اور کالجوں پر اپنا ہولڈنگ کر رکھتے ہیں مفاد پرست حاکم نہیں استعمال کرتے ہیں اور یہ اپنی عیاشیوں کے لیے طلب و مطالبات سے روپے پیسے چینیچے ہیں۔ اپنے ہی قاعدے قانون بنا کر انہیں مارتے پھینکتے ہیں۔ میرے دوست کو اُس نے اس قدر مارا تھا کہ وہ دو ہفتے ہسپتال میں رہا اور پھر ایسا دل برداشتہ ہوا کہ یونیورسٹی ہی چھوڑ کر چلا گیا۔“

”اب کہاں ہوتا ہے وہ۔۔۔؟“ ہمایوں نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔۔۔ آخری بار مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ ملک سے باہر جانے کی کوشش میں ہے پھر کوئی پتہ نہیں۔ اُس نے تو شرم کے مارے سب رابلے ہی شرم کر دیئے تھے۔ مجھے ایک اچھا دوست کھوجانے پر بہت ڈکھ ہے اور یہ ابھی تک دغنا تا پھرتا ہے۔“ عابد نے انتہائی گلی سے کہا۔

”کیوں۔۔۔ یہ کیوں دغنا تا پھرتا ہے یہ کبھی پکڑا نہیں گیا؟“

ہمایوں نے یونگی سرمرنی سے انداز میں پوچھا تو وہ تلخ سن مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے بولا۔

”ارے پکڑے تو وہ جاتے ہیں جن کا کوئی نہیں ہوتا۔ ماجد جیسے لوگوں سے کئی ضیعت لوگوں نے قاعدہ لینا ہوتا ہے۔ قبضہ چھروانا ہوا کہیں قبضہ کرتا ہو کسی کو خوف زدہ کرتا ہو وغیرہ وغیرہ۔۔۔ وہی کام جو غنڈوں کا ہوتا ہے اور یہ سب ملی جھگت سے ہو رہا ہے۔ سب کے سامنے دغنا تا پھرتے ہیں ایسے لوگ کون پکڑتا ہے انہیں؟“ عابد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”یہ چھوٹے موٹے غنڈے ان پر قانون گرفت نہیں کر سکتا؟“ ہمایوں نے اسے شدید تھی۔

”واقعی ان کی کوئی حیثیت یا وقعت نہیں ہوتی لیکن گرفت میں اس لیے نہیں آتے کہ پکڑنے والے بہت سارا اضافہ کرنے کر چشم پوشی کرتے ہیں ان سے اور ان کے پیچھے کسی اور کا مناد ہوتا ہے۔“ عابد نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”کیا ہماری سوسائٹی اس قدر کمزور ہو چکی ہے کہ ایسے مفاد پرست لوگوں کو چشم پوشی کر سکتی؟“

"ہائلک۔۔۔ ہائلک کمزور ہو چکی ہے اتنی کمزور کہ وہی مٹاؤ پرست لوگ باقی لوگوں کو شتم کرنے کے درپے ہیں۔۔۔ اب ماجد ہی کو دیکھ لو۔"

کل تک بھوکا بیچ غنڈہ تھا لیکن آج اس کی شان ہی نرالی ہے۔ دیکھا نہیں تھا تم نے۔۔۔؟"

"دیکھا تھا۔۔۔" ہمایوں نے اجنبائی اختصار سے جواب دیا۔

"وہ بہت مضبوط ہو چکا ہے۔ بہت بڑا گھرا دولت، سیکورٹی طاقت اور اب تو وہ اپنا سیاسی قدم بھی بنا رہا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ وہ کل

ہمارے علاقے سے منتخب ہو کر ہمارا ہی نمائندہ قرار پائے۔" عابد نے پھر تکی سے کہا۔

"یہاں کیا کرنے آتا ہے۔۔۔ مطلب کوئی جرم سرزد ہو گیا ہوگا؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"وہاں گھنٹن نے ایک کس واکر کیا تھا مقصد ان کا یہی تھا کہ اس کس میں اسے مزاجہ جائے اور الیکشن لڑنے کے لیے قانونی طور پر معذور ہو

جائے۔ دونوں طرف سے زور لگ رہا ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہ یہی ہو جائے گا اور پھر وقت آنے پر الیکشن لڑ سکے گا۔۔۔"

"کس کے پاس ہے پیشی اور کب۔۔۔؟"

"یہ علم نہیں کہ پیشی کب ہوگی۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے وہ جگہ بتائی جہاں کس میں چل رہا تھا پھر پوچھا۔ "لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ اگر تمہیں اس سے اتنی نفرت ہے تو تم کیوں نہیں فریق بن جانتے اس کے مخالف وکیل و تحریک دو۔"

ہمایوں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو عابد ایک ذمہ سوج میں پڑ گیا پھر کندھ پر بعد بولا۔

"بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں ایک خاندان رکھتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ جذباتی ہو گیا۔ "اس میںی وجہ ہے اور صرف میرے

ساتھ ہی نہیں بہت سارے لوگوں کے ساتھ وہ ہیں سوچ کر مار کھاتے پلے جا رہے ہیں۔۔۔ چھوڑو انہم کس بحث میں پڑ گئے ہیں۔" عابد نے موضوع

سے ہٹتے ہوئے کہا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

ہمایوں کو اس کے بارے میں نہایت اہم بات معلوم ہو گئی تھی اسے مصدقہ کیسے بنا تھا۔ انہیں سب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ اس

نے احتیاط سے کام لیا اور اس جگہ تک رسائی حاصل کرنی جہاں اس کا مقدمہ چل رہا تھا۔ پوری طرح تصدیق کر لینے کے بعد اس شام وہ گھر سے ڈرا

فاصلے پر موجود پارک میں تھا۔ وہ جنید کو یہ مصدقہ اخلاص دے سکتا تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ جنید اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے لیکن جو بات اسے

پریشان کر رہی تھی وہ بھی تھی کہ اس کا اپنا کیا ہوگا؟ کیا جنید اسے واقف دولت دے دے گا یا وہ بھی یونہی استعمال ہو جائے گا اور اگر خدا نخواستہ جنید پکڑا

گیا تو؟۔۔۔ یہیں پر آ کر اس کی اپنی بہت جواب دے رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ بھی اچانک اس نے سب کچھ ذہن سے

جھٹک دیا۔ اس کے دماغ میں منیہ کا خیال آ گیا جسے محض دولت کی ضرورت تھی۔ اس تک رسائی صرف اور صرف دولت کی وجہ ہی سے ہو سکتی تھی۔

جلدی دولت کمانے کے جوشاڑت کٹ ہیں ان میں رسک بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ اگر وہ رسک نہیں لے سکتا تو کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا اسے منیہ

سے دست بردار ہونا پڑے گا۔۔۔ "نہیں نہیں کمزور نہیں ہوں۔" اس نے جیسے خود سے کہا جس میں بہت شدت تھی۔ تب پھر اس نے سارنی

سوچوں کو ایک طرف رکھ دیا۔ کبھی کبھی انسان اتنا خود غرض ہو جاتا ہے اس کی تمام تر وجہ اس کے اصرار پلنے والی خواہشیں اور امیدیں ہی ہوتی ہے

ہمایوں پر بھی حفیہ کے حصول کی خواہش چھا گئی تھی۔

”جیلو۔۔۔ ہمایوں بات کر رہا ہوں۔“ رابطہ ہوتے ہی اُس نے حفیہ کی آواز پہچان کر کہا۔

”ارے ہاں، کیا حال ہے تمہارا۔۔۔؟“

”میں ٹھیک ہوں۔۔۔ تم نے ایک کام میرے ذمے لگایا تھا۔“

”ہاں میں تمہاری طرف سے شکر ہوں۔“

”تو وہ کام ہو گیا ہے۔۔۔ کل اُس کی پیشی ہے، وہ عدالت میں ضرور آئے گا۔ کل اُس کا فیصلہ ہو جانے والا ہے اور یہ بھی بتاؤں کہ اُس کا

مستقل کوئی لٹکانہ نہیں ہے۔“

”خیر یہی ہے نا۔۔۔؟“

”بالکل یہی۔۔۔“

”کیا تم مجھے بتا سکو گے کہ کل وہ کس وقت عدالت آئے گا اور اُس کے ساتھ کتنا لالہ لٹکانہ ہے؟“

”بتاؤں گا۔۔۔“

”ٹھیک ہے، کل بات ہوگی۔۔۔“

اُس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ ہمایوں کو یوں لگا جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ ذہن سے ہٹ گیا ہو۔ وہ بہت خوشگوار انداز میں گھر کی جانب چل

دیا، شاید ایسا کر کے اُس کے اندر کہیں تسکین ہو گئی تھی۔

اگلے دن جب ہمایوں عدالت میں آیا تو اُس کے اندر خاصی اچھل بھلی ہوئی تھی، اُسے خود پر بڑی مشکل سے قابو رہا تھا۔ وہ جمبر میں تو

آ گیا لیکن اس کا سارا دھیان باہر اٹلے ہی میں تھا جہاں لوگوں کا رش بڑھ چکا تھا اور کاروبار عدالت شروع تھا۔ وہ بہت محتاط تھا اور اس کی ساری

توجہ خود پر تھی کہ کہیں اُس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جائے جس سے کسی کو شک پڑ جائے۔ اُسے معلوم تھا کہ اس کیکیل میں اُس کی کتنی بڑی ذمے

داری ہے۔ وہ اٹھا اور کینٹین پر چٹا گیا جہاں سے کافی قافلے پر داخل اور واڑہ تھا۔ اُسے بیٹھے ہوئے وہاں خاصی دیر ہو گئی یہاں تک کہ اُس پر ٹیوی

چھانے لگی تھی کہ چاک اُس کی نگاہ ایک کار پر پڑی جس میں سے ماجد وڑانچ اتر رہا تھا۔ اُسے خود پر بہت حسرت آئی وہ اب تک کسی لینڈ کروزر کا حق

انتظار کر رہا تھا۔ ماجد کے ساتھ چار لوگ تھے جو چند قدم عمارت تک اُس کے ساتھ گئے اور پھر وہیں کھڑے ہو گئے، ماجد اکیلا اندر چلا گیا۔ سبھی ہمایوں

نے حفیہ کے نمبر ڈائل کر دیئے۔

”تمہارا کام ختم ہے، تم جا سکتے ہو۔ منیرا سنبھال لوں گا۔“

حفیہ نے اُسے کہا اور فون بند کر دیا۔ اُسے وہاں سے چلے جانا چاہئے تھا لیکن وہ بیٹھا رہا جیسے اُس میں سکت نہ ہو۔ وہ اٹھنا چاہا اور پٹھا کہ

مابد و جیں آ گیا۔

"ارے تم یہاں بیٹھے ہو خیریت تو ہے نا۔۔۔؟"

"طبیعت ٹھیک نہیں یہاں بیٹھ کر خود کو بہلا رہا ہوں۔" اس نے فوراً ہی بہانہ بنا دیا۔

"چلو ابھی ہی جائے پیتے ہیں۔"

عابد نے بیٹھتے ہوئے کہا اور چائے کا آرڈر دے دیا پھر دونوں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ لاشعوری طور پر ہمایوں کا دھیان ادھر ہی تھا۔

وہ چار لوگ وہیں ویسے ہی کھڑے تھے اور باہر ابھی تک باہر نہیں آیا تھا۔۔۔ اس وقت وہ چائے پی چکے تھے جب ماجد باہر نکلا۔ اس کے چہرے پر خوشی کا تاثر تھا وہ تیزی سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور چند لمحوں میں اس کے سامنے بھی آئے تو گاڑی چل دی۔ ہمایوں نے مگر اسانس لیا تو عابد نے کہا۔

"اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو گھر چلے جاؤ۔"

"کچھ دیر اور بھٹکتا ہوں پھر چلا جاؤں گا۔"

بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور پھر وہ دونوں جیبر کی جانب مائل دیئے۔ ابھی وہ جیبر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھے کہ اچانک فضا

دھماکے سے گونج اٹھی۔ اس کے بعد ہوائی فائرنگ ہوئی اور یکدم خاموشی کے بعد چیخ و پکار ہونے لگی۔ لوگ ایک ایک جانب دوڑنے لگے۔ ان کے جیبر سمیت سبھی لوگ باہر آ گئے تھے۔ اگلے چند لمحوں میں یہ اطلاع پھیل گئی کہ ماجد وراج قتل ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی ہمایوں کے ہارے بدن میں سستی کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

☆

شرقی آفتاب دھیرے دھیرے سفید ہو گیا تھا اور وہاں پر موجود سفید بادل زردی مائل ہو رہے تھے۔ منجانب شہر میں موجود تیسری منزل کی

چھت پہ پڑی چار پائی پر جنیور کی آنکھوں میں رات کٹ گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چند دنوں ہی میں حالات کتنی تیزی سے بدلے ہیں۔ وہ خواہش جو پوری نہیں ہو پاری تھی۔ اچانک پوری ہو گئی اس کی ابھی اسے تو یقین تک نہیں تھی جیسے ماجد وراج قتل ہو گیا وہ شخص تھا جس کو اسے تلاش تھی۔ ایک وقت تھا

کہ وہ اس کے سامنے تھا لیکن وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ پھر جنیور خود اس کی راہ پر چل نکلا تھا جس کی کوئی منزل نہیں تھی۔ ایسا انجان راستہ جس میں موت کہیں بھی اس کے گلے لگ سکتی تھی۔ انہی دنوں میں اس نے ماجد کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اسے نہیں ملا۔ یہ وہی وقت تھا جب ماجد

یونیورسٹی کے محضر سے غائب ہو چکا تھا تب جنیور نے سوچ لیا تھا کہ جب کبھی وہ اس کے سامنے آیا تو وہ اس سے اپنا بدلہ ضرور چکائے گا۔ ہمایوں نے جو اچانک اس کا ذکر کیا تو سارے ہی ذہم ہرے ہو گئے۔ اگرچہ اسے یقین نہیں تھا کہ وہ ہمایوں کی دھڑ سے ماجد تک پہنچ جائے گا لیکن بعض اوقات ایسا

بھی ہو جاتا ہے کہ جسے ہم نادانف آدی سمجھ رہے ہوتے ہیں وہی سب سے بڑا واقف راز ہوتا ہے۔ جنیور کو اس چھوٹی سی عمر میں ہی بہت سارے تجربات سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ساتھ چلنے والے لوگوں میں سے کوئی اس پر رولور تان کر کھڑا ہو جاتا اور جسے وہ دشمن سمجھ

رہا ہوتا وہی اُن کی جان بچانے کی کوشش کرتا۔ نیت پر شک کرنا تو معمولی سی بات تھی اور کوئی اس کے لیے جان تک سے گزر جانے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ ہمایوں کو وہ ایک معمولی سا مہرہ سمجھ رہا تھا جس نے اس کی بڑی مشکل حل کر دی۔ اس نے عدالت کے باہر ایسا حال بچھا لیا تھا جس سے ماجد کی

مشق تباہ مشق بنا

سکا۔ جینہ کا انتقام چورا ہو چکا تھا۔ جس وقت ماجد ڈراکج کی لاش اُس کے سامنے پڑی تھی اُس وقت اُسے سنبھل بہت یاد آیا تھا۔ وہی اُس کا ایسا کزن تھا جو اُس کے سارے رازوں پر پردہ ڈال دیتا تھا جو کزن کم اور دوست زیادہ تھا۔ اُسے ماجد نے بس لیے قتل کر دیا تھا کہ وہ مخالف طلبہ تنظیم کے لیے سرگرم کیوں ہے۔

مجد ڈراکج کے قتل کی خبر پورے شہر میں جھلک کی آگ کی مانند پھیلی گئی۔ اس رورات میں جینہ اکیلا اٹھیں تھا۔ شام ہونے تک وہ اپنی قیادت کے دو سینئر ممبرز کے سامنے تھا۔

”آخر تم نے اُسے قتل کیوں کیا۔۔۔؟“

یہ تھا سوال جو اُس سے کیا گیا دو دو دنوں زکن اُس سے جواب طلب کر رہے تھے۔

”یہ میرا ذاتی معاملہ تھا جس کے لیے میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔“

”تمہارا یہ جواب اطمینان بخش نہیں ہے جینہ! تنظیم میں ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم کسی کو بھی قتل کرو۔ عاقلگیر اگر ہسپتال میں ہیں بسا ہے تو اس کے ذمہ دار بھی تم ہو۔ تمہارا یہ منصب نہیں ہے کہ تم لوگوں کو قتل کرو۔“

”میرا منصب ہے یا نہیں لیکن ماجد کے معاملے میں اگر تنظیم میں نہ بھی ہوتا تو میں نے اُس سے انتقام لیتا تھا۔ اُس نے میرے بھائی کو قتل کیا تھا۔ وہ آپ ہی کی تنظیم کا کزن تھا کیا کیا تھا آپ نے۔ کوئی مقدمہ کوئی سزا؟ بس آپ کی طرف سے پوسٹر چھپ گئے اُس کی موت کو بھی آپ لوگوں نے کیش کرایا۔“

”اور عاقلگیر کے معاملے میں۔۔۔؟“

”ہر بندے کو اپنے پورا کا حق حاصل ہے۔ میں اُسے قتل کرنے نہیں کیا تھا میری نیت کچھ اور تھی لیکن اُس نے میری بات نہیں سنی ڈیٹان اُس کا گواہ ہے۔“

”ڈیٹان۔۔۔ کہاں ہے ڈیٹان کیا وہ تمہارے حق میں گواہی دے سکتا ہے؟“

”کیوں نہیں دے گا۔ وہ ہمارا ساتھی ہے ابھی آپ فون کر کے اُسے پوچھ سکتے ہیں۔“

”تو چلو ملاؤ اُس کا نمبر۔“

جینہ نے فون نکالا اور ڈیٹان کے نمبر ملائے لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

”وہ اب تم سے کبھی بات نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر جا چکا ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”ہمس اُس کا نہیں پتہ لیکن یہی پتہ چلا ہے کہ وہ اس ملک میں نہیں ہے۔ عاقلگیر کا قتل تم دونوں پر ہے وہ بھاگ گیا اور تم من مانی کر رہے ہو جو تنظیم کے اصولوں سے غداری ہے۔“

”کیا آپ مہری نیت پر شک کر رہے ہیں۔۔۔؟“

”کوئی شخص بھی حرف آفر نہیں ہے۔ ہم تمہیں ایک موقع دے رہے ہیں۔ ڈیٹا کے بارے میں پتہ کرو اور عالمگیر کے بارے میں کوئی

فہم جوڑے تو بتاؤ ورنہ۔۔۔“

”۔۔۔ ورنہ مجھے قتل کروا جائے گا یہ بات نہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”صرف تین دن ہیں تمہارے پاس۔۔۔ اپنی پوزیشن صاف کر ڈیٹا بھی کوشش کر رہے ہیں اور ہاں یہ وارننگ ہے جس میں کہنا ہے تم کوئی

من مانی نہیں کرو گے۔“

وہ وہاں سے وارننگ لے کر اسی گھر میں آ گیا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ یہ کیسی تھی ہے جو سلجھ نہیں رہی، کیا عالمگیر نڈا تھا یا ڈیٹا ان سے

استعمال کر گیا ہے؟ جو کچھ بھی تھا ان دونوں ہی کے درمیان تھا اور اُسے یہ تھی محض تین دنوں میں سلجھانا تھی۔ پوری رات وہ انہی پہلوؤں پر سوچتا رہا

لیکن کچھ بھی تو پتے نہیں پڑا اُس کا دماغ دیکھنے لگا تھا۔۔۔

انسان کے اندر فطری ریوٹل بھی پایا جاتا ہے جیسے ہی کوئی سوچ اُبھرتی ہے تو اس کے ساتھ ایک دوسری سوچ بھی اُبھرتی ہے جو بالکل اس

کے متضاد ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی ایک سوچ رہتی ہے لیکن دوسری متضاد سوچ برابر اپنا آپ منانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ انسانی دماغ کسی

دلت بھی سوچ سے خالی نہیں رہ سکتا۔ اس طرح چند کے دماغ میں رات بھر ایک ہی مرکز کے گرد نہ جانے کتنی سوچیں گھومتی رہیں۔ آخر کار وہ موضوع

جس نے ذہن کو تھکا کر رکھا تھا وہ بخوبی لگا اور اس کے ساتھ راحیل کا تصور اُبھرا، اُس کے ساتھ ہی خوشگوار بہت کا احساس ڈر آیا۔۔۔ راحیل!

وہ بھی کئی تھی سے کم نہیں تھی۔ بلاشبہ وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس کا حسن کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔ اُسے ہر یقین تھا کہ وہ اُس کے ساتھ متعلق

جانتی ہے لیکن اس کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے شروع شروع میں اُسے خود کچھ نہیں آئی تھی۔ چند ملاقاتوں تک اُسے خود پتہ نہیں چل رہا تھا کہ راحیل آخر

جانتی کیا ہے۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں اُسے ایک خاص سمت کی طرف اشارہ دیتی تھیں اور وہ کچھ نہیں سکا تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ پہلی ملاقات سے لے

کر آخری ملاقات تک اگر اُس نے راحیل کو آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا تو صرف اسی وجہ سے۔۔۔ آخری ملاقات میں جو اس نے اپنے بارے میں

بتایا اور اُسے مدد چاہی تب اُسے اعزازہ ہوا کہ معاملہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے لیکن ایک اُن کہا احساس بھی اس کی باتوں میں لپٹا ہوا تھا جس سے سوالیہ

نشان اُبھرتے تھے۔ کیا وہ فقط مدد ہی چاہتی ہے یا اس جذبے کا اظہار بھی جو اس کی آنکھوں سے چمک رہا ہوتا ہے یا پھر ایسا کچھ بھی نہیں ہے معاملہ

ہی کچھ اور ہو سکتا ہے جس کی اُسے توقع بھی نہ ہو۔ کیا ہو سکتا ہے؟ یہی سوال اُس کے سامنے آ کر تن گیا۔ اُس کا دماغ کچھ بھی سوچتا نہیں جا رہا تھا

اس لیے وہ اٹھا اور صحت سے نچے آ گیا۔ اُس نے شاد لہنا ناشہ کیا اور لکھی تان کر سو گیا۔ وہ پھر کے بعد اُس کی آنکھ کھلی تو وہ بہت حد تک فریٹ تھا۔

اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ باہر نکلے لیکن کہاں جائے؟ یہ اُس کے ذہن میں قطعاً نہیں تھا۔ وہ ایسی چار دیواری سے گھلن محسوس کرنے لگا تھا جس میں وہ تھا

اور ایک حریف لڑکا سلطان جو اُس کے کمانے پینے کا انتظام کرتا تھا۔ وہ تیار ہوا اور باہر نکل گیا۔ اُس کی جیب میں بھاری رقم تھی۔ بڑی سڑک پر آ کر اُس

نے فون نکالا اور ٹاپوں کے نمبر ملائے۔

"میں جنید بات کر رہا ہوں۔"

"ہوں بولو۔" دوسری طرف سے انتہائی عطا انداز میں کہا گیا۔

"مجھے کہیں ملو۔"

"کہاں پر۔۔۔؟" اس کا انداز وہی رہا تھا۔

"جہاں تم مناسب سمجھو۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے گھر سے ذرا قاصدے پر ایک پارک کا نام بتا دیا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ دونوں اس پارک کے ایک سنگی بیچ پر آ بیٹھے۔

"کیا بات تھی۔۔۔؟" ہالیوں نے جنید کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اپنا وعدہ نبھانے آیا ہوں۔۔۔ یہ لو تمہاری توقع سے زیادہ رقم ہوگی۔" اس نے اندرونی جیب سے ایک خاکی رنگ کا پھولا ہوا

نقارہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جنید! اسے واپس رکھ لو۔" ہالیوں نے دوسرے سے کہا۔

"واپس رکھ لوں۔۔۔ مطلب؟" وہ قدرے حیران ہوتے ہوئے بولا۔

"تم یہ مت سمجھو کہ میں کسی خوف کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں ایسا نہیں ہے۔ میں تمہارے کام آ گیا لیکن بہت بڑی بات ہے۔"

اس نے کہا تو جنید چند لمحوں میں اس کی جانب دیکھا رہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"اصل بات اتنا تم چاہتے کیا ہو؟"

"میں جو چاہتا ہوں اس میں دولت سب سے اہم چیز ہے۔ میں دولت مند بننا چاہتا ہوں۔"

"یہ کوئی نئی یا تو کئی بات نہیں چارے! اس معاشرے کی اکثریت ایسا ہی چاہتی ہے لیکن یہ تضاد کیوں ہے میں تمہیں اچھی خاصی رقم سے

رہا ہوں اور تم انکار کرتے ہوئے دولت مند بننے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہو۔" یہ کہتے ہوئے وہ چونک گیا اور فوراً ہی بولا۔ "ہاں اگر تم یہ کہو کہ

میں تمہیں کوئی ایسا راستہ بتا دوں تو ایسا ممکن نہیں ہے مجھے بھی نہیں معلوم۔"

"پھر تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی ہے؟"

"یہ میری نہیں کسی اور کی ہے۔۔۔ اور ہاں تم اگر میرے ساتھ شامل ہو جانے کی سوچ رہے تو بھی ممکن نہیں ہے۔ میں کسی اور دنیا کا رہی

ہوں۔"

"چلیں ٹھیک ہے ہمارے درمیان جو بھی ہو اس میں اسے بھول جاتا ہوں۔ آج سے ہم ایشی۔۔۔"

"تمہارا پر اہم کیا ہے۔۔۔ بتاؤ شاید کوئی راستہ نکل آئے؟"

جنید کے ہوں کہنے پر ہمایوں نے انتہائی اختصار کے ساتھ صفیہ والا معاملہ بتا دیا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد جنید نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"میں اس کے دل میں تمہارے لیے محبت تو پیدا نہیں کر سکتا۔۔۔ ویسے تم سے نفرت کیوں ہے؟"

"میں نے کبھی ایسا کوئی کام کیا نہیں جس سے وہ میرے ساتھ نفرت کرے۔ اس کی نفرت صرف غربت سے ہے! اتنے دنوں میں کبھی پایا

ہے میں نے اور یہ غربت مٹانا میرے بس کی بات نہیں یہ ہے اور اسے غم کرنے کی کوئی راہ بھی نظر نہیں آتی۔"

"۔۔۔ اور تم سمجھتے ہو کہ دولت عی سے اس کا دل جیت سکتے ہو۔"

"یقیناً۔۔۔"

"لیکن تم نے یہ کبھی سوچا ہے کہ جب تک تم دولت مند ہو جاؤ گے اس وقت تک۔۔۔ کیا نام بتایا تھا تم نے۔۔۔ ہاں تیمور! اس وقت تک

تو وہ صفیہ کو لے آئے گا۔۔۔ دولت حاصل کرنے کا جتنا بھی شارت کٹ طریقہ ہو اس میں وقت تو لگا ہے ہاں یہ ہے!"

"ہاں۔۔۔ اسی لیے تو کبیر ہابوں کہ جب میں صفیہ کو حاصل ہی نہیں کر سکتا تو پھر اس دولت کا مجھے کیا کرنا۔۔۔ میں نے رات بہت

سوچا تھا اسی لیے منع کر رہا ہوں۔"

"وہ کچھ اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ کوشش بہر حال کر دو۔۔۔"

"سارے راستے بند ہیں اس وقت تک بند ہیں جب تک صفیہ کے دل کا دروازہ نہیں کھل جاتا۔ اس پر چاہے دولت کی دستک ہو یا پیار

کی۔۔۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ خیر تم اس رقم کو رکھو۔ کبھی کام آئے گی۔۔۔ میں نے تمہارے لیے پلان سوچا ہے فرصت ملی تو میں ضرور تم سے

ڈسکس کروں گا۔ فی الحال تو میں خود بخش مین ہوں۔"

"وہی واجد کے معاملے میں۔۔۔؟" ہمایوں نے تیزی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ کچھ اور معاملہ ہے۔" اس نے لاپرواہی سے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا اور پھر لگانے اس کی جانب بڑھا دیا۔

"کیا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟" ہمایوں نے لگانے لیتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"یہ نہیں۔۔۔" یہ کہتے ہوئے دوچوک گیا۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ اب تک عالمگیر اور ڈیٹا کے معاملے میں الجھن کا شکار

رہا ہے اس سے گفتگو کر کے دیکھے شاید کوئی نئی بات سامنے آ جائے۔ کبھی سوچ کر اس نے کہا۔ "آؤ کسی ریستوران میں چلتے ہیں۔ وہاں

کھاؤ۔"

"تم پاگل ہو۔۔۔ کیا تمہیں یہ خوف نہیں کہ پکڑے جاؤ گے؟"

"مجھ پر شک ہو گا تو۔۔۔ کل سے اس کے مخالف لوگوں کو پکڑا جا رہا ہے میرا تو اس کا حساب کتاب ہی بہت پرانا تھا۔۔۔ خیر وہاں سے

کھا لیتے ہیں اور کسی محفوظ ٹھکانے پر ہات کرتے ہیں۔“

”کھانے کے بعد جنید واہس اسی گھر میں ہمایوں کے ساتھ آ گیا تھا۔ وہاں اس نے اطمینان سے اسے طویل داستان سنائی۔ وہ بہت فور سے منتظر رہا۔ وہ جب ساری بات کہہ چکا تو اس نے ہمایوں کی طرف دیکھا۔

”جنید اس میں صرف ایک بات سے ساری الجھن دور ہو جائے گی۔ وہ تم جس وکیل سے ملے تھے۔“

”ہاں وہ فاروق چوہدری۔۔۔“

”بات وہیں جا کر تم ہو گئی ہے۔ دو بتا سکتا تھا کہ لڑکی کون ہے۔ ذیشان ہی نے بتایا تھا۔ اس کے بارے میں اور تم نے بھی تصدیق نہیں کی۔ کیا واقعی ایسا کوئی معاملہ ہوا تھا؟ اس کی تصدیق ضروری تھی۔۔۔ دیکھو دو باتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ واقعہ ہوا یا نہیں ہوا۔ چونکہ بات فاروق چوہدری پر ختم ہوئی آگے نہیں چلی تو ہونے یا نہ ہونے کی تصدیق وہیں ہو گی۔“

”منیں سمجھ گیا ہوں۔۔۔ فاروق چوہدری یا تو لڑکی سے ملوائے اور معاملے کی تصدیق ہو پھر میرا مولف قیادت کے سامنے ذرست ہو گا اور اگر ایسا کچھ بھی نہیں ہے تو ذیشان مجھے استعمال کر گیا ہے اور بلاشبہ۔۔۔ وہ۔۔۔ مالگیر۔۔۔ کو تین کر چکا ہے۔۔۔“ جنید کو جیسے ہی بات سمجھ میں آئی وہ نری طرح چونک گیا۔ وہ کتنی ہی دیر تک خاموش بیٹھا یہی سوچتا رہا۔ پھر ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تم نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔“

”تو پھر مجھے اجازت۔۔۔؟“ ہمایوں نے پوچھا۔

”ہاں تم جاؤ منیں دوبارہ تم سے رابطہ کروں گا۔ میرے فون کا انتظار کرنا۔“

”اوکے۔۔۔“

اس نے اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ جنید! سے باہر تک چھوڑنے آیا مگر اس کا سارا دھیان اسی طرف تھا جس کی نشاندہی ہمایوں نے کی تھی اس پر بہت کچھ واضح ہوتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆

صفید ڈرائنگ روم میں جہا تھی۔ اس کی ساری توجہ سامنے دھرے ٹی وی اسکرین پر تھی جہاں فیشن سے متعلق پروگرام چل رہا تھا۔ میزبان خاتون کپڑوں کے بارے میں بتا رہی تھی کہ فیشن میں آج کل کیا ان ہے اور کیا آؤٹ صفید پوری توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ بھی نہیں چلا کہ کب اس کا باپ ڈرائنگ روم میں آ گیا ہے۔ چند لمبے بعد جب اسے احساس ہوا تو اس نے والیم کم کر دیا اور باپ کی جانب متوجہ ہو گئی۔

”آپ کو دیر نہیں ہو گئی آج۔ اور بھائی نہیں آئے؟“

”وہ کچھ دیر تہا رباری مان کے پاس رک گیا ہے منیں بھی وہیں تھا۔“ اصغر علی نے تھکے ہوئے لہجہ میں کہا۔

”منیں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں رہنے دو۔۔۔ ابھی کھانا کھاؤں گا۔" یہ کہہ کر اس نے صنیہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ "تم بیٹھو نہیں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" اس نے کچھ اس انداز میں کہا جس کی صنیہ کو فوری طور پر سمجھ نہیں آ سکی۔ وہ اندر سے لرز گئی تھی لیکن اس کے باپ کے انداز میں غصہ پائی نہیں تھی۔ وہ دیر سے بیٹھ گئی اور اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔ دو چند لمحوں میں سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "یہ تمہارا کون ہے؟"

اس کے باپ کا لہجہ اس طرح تھا کہ جیسے اس سے پوچھنا چاہتے ہیں بلکہ معلومات کے لیے ہوا اس پر صنیہ کو قدر سے حوصلہ ہوا۔

"پاپا! آپ مجھ سے جو بچن پوچھیں گے میں آپ کو بالکل سچ بتاؤ گی لیکن یہ ذہن میں ضرور رکھئے گا کہ آپ کی بیٹی اپنا چھوٹا بھلا خوب جانتی ہے۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں نے جو پوچھا ہے وہ بتاؤ؟"

"پاپا! وہ شہر کے ایک بہت بڑے اینڈسٹریٹس کا بیٹا ہے آپ بھی انہیں جانتے ہیں۔ شیخ عزیز الرحمن وہ ان کا بیٹا ہے۔ وہ زیادہ عرصہ برطانیہ میں رہا ہے ابھی کچھ عرصہ پہلے وہ یہاں آیا ہے۔ میری اس کی ملاقات تازہ ہے۔"

"کیا وہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔۔۔؟"

یوں باپ کے کما چانک پوچھنے پر وہ قدر سے گڑ بڑائی اور ہنکلاتے ہوئے بولی۔

"سچ سچ۔۔۔ جی ہاں۔"

"جس طرح مجھے معلوم ہوا ہے کیا اس طرح ان کے خاندان کو بھی تمہارے بارے میں معلوم ہے؟"

"ہے نہیں۔۔۔ میری اس موضوع پر اس سے کبھی بات نہیں ہوئی۔"

"یعنی! تم یہ کہہ کر جس گھر میں جانا چاہ رہی ہو اس گھر کے بارے میں اس کے افراد اور ان کے خیالات بارے میں تمہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔ تم نے اس سے یہ پوچھنا گوارا نہیں کیا کہ اس کے والدین تمہیں قبول کریں گے بھی یا نہیں؟"

"میں نے ابھی اس لیے نہیں پوچھا ہے پاپا! کہ وہ فوری شادی چاہتا ہے مگر میں ابھی نہیں چاہتی۔ ہمارے درمیان ابھی کئی بات چل رہی ہے۔"

"تم ابھی کیوں نہیں شادی کرنا چاہتی؟"

"اس لیے پاپا! کہ میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ برٹش میں آؤں۔ میں اپنا آپ منوانا چاہتی ہوں۔"

"۔۔۔ اور اس پر تمہارا رد عمل کیا ہے؟"

"وہ ہماری بات مانتا ہے۔ اس نے شادی کا معاملہ میری مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔"

اصغر علی نے بیٹی کی زبانی یہ بات سنی تو ایک لمحے کے لیے وہ پریشان ہو گیا اس کے منہ سے ایک سرو آد برآمد ہوئی۔ اُسے لگا جیسے وہ اعصاب پر سے کنٹرول کھوے گا تاہم اس نے بہت مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

عشق تاجے عشق بتا

”بہی! نہیں مانتا ہوں کہ تم اپنا اچھا بھلا خوب سمجھتی ہو، ڈین ہو اور دنیا کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو لیکن تم یہ مانو گی کہ تم ابھی نا سمجھ اور نا تجرب کار ہو۔ تم نے ابھی گھر اور کالج کی دنیا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا جبکہ یہاں قدم قدم پر پھندے ہیں۔“

”پاپا! تیمور ایسا نہیں ہے۔۔۔“

”میں مانتا ہوں کہ وہ ایسا نہیں ہو گا لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ یہاں قدم قدم پر دھوکا دیا جاتا ہے۔“

”پاپا! تیمور کے پاپا اُس کو بہت چاہتے ہیں، وہ اُس کی بات نال ہی نہیں سکتے۔ وہ ہنسنے سے کہیں ہاں کر دے اور وہ اپنے گھر والوں سے بات کرے۔“

”۔۔۔ اور تم ابھی وقت چاہتی ہو۔۔۔ دیکھو، بیٹی! اہرنس کی دنیا میں صرف آج پر نگاہ رکھی جاتی ہے جو کل گزر گیا، سو گزر گیا اور ابھی جو کل آئے وہ الٹے اُس نے ابھی آنا ہے۔ ہمارے پاس چانس ہے کہ اسے خوبصورت بنا لیں مگر ہم ہر شے کو برائے کی لٹاؤ سے نہیں دیکھ سکتے۔۔۔“

”پاپا! آپ اُس خاندان کو جانتے ہیں، وہ دولت مند، محترم اور باعزت خاندان ہے اور پھر تیمور بہت اچھا ہے۔“

”تم اپنی بات کو ذرا دہرائی ہو جبکہ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہو۔ ایک جانب تم اپنا آپ منوانے کی بات کر رہی ہو اور دوسری جانب تیمور کے خاندان کی خوبیاں گوارا ہی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ تم ان دونوں آپشنز پر چلنے ہوئے۔ یکسوئی قائم نہیں رکھ سکتی ہو، تمہیں ایک آپشن بہر حال چھوڑنا پڑے گا۔“

”مگر پاپا! مجھے کوئی ڈش واری ٹیش نہیں آ رہی ہے۔ میں۔۔۔“

”میں پھر کہہ رہا ہوں۔ وہ بہت اچھا خاندان ہی لیکن ہمارا معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ تمہارا نام اُس کے ساتھ آئے اور لوگ کھلم کھلا اس پر اظہار کریں۔ ہم کسی مرضی معاشرے میں نہیں رہ رہے ہم جتنے بھی ماڈرن ہو جائیں لیکن ابھی مشرقیت ہمارے اندر ہے۔ کوئی باپ یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔“ مصطفیٰ کالج دھیرے دھیرے تلخ ہونے لگا تھا لیکن جیسے ہی اسے احساس ہوا فوراً خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ”میں نے تجھ اور پیار کے ساتھ اس لیے تم سے گفتگو کی ہے کہ تم ان حالات پر غور کرو۔ میں تم پر کسی بھی قسم کے دباؤ کے حق میں نہیں ہوں۔ میں تمہاری مرضی کو اولیت دوں گا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم اپنے اور اپنے خاندان کا وقار بہر حال پیش نظر رکھو گی۔“

”پاپا! پلیز۔۔۔ میں نے لیا کچھ نہیں کیا جس سے میری پامیرے خاندان کی عزت پر حرف آئے۔“

”مگر تم لوگوں کی زبان نہیں پکڑ سکتی ہو۔ جس طرح یہ چانس ہے کہ وہ تمہارے ساتھ تعلق بھانے گا اسی طرح یہ چانس بھی تو موجود ہے کہ وہ تمہیں چھوڑ بھی سکتا ہے۔ ایسا کیا حق ہے تمہارے پاس؟“

”میں مانتی ہوں پاپا! میرے پاس اس وقت کوئی حق نہیں ہے۔“

”تو ایسے حالات میں تمہیں کیا کرنا چاہئے۔۔۔؟“

”پاپا! مجھے تمہوڑا سا موقع دوں۔ میں ایک بار تیمور سے بات کر لوں۔ اس کے بعد جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔۔۔“

”فیصلہ تم نے کرنا ہے۔ اگر تم ابھی شادی کے حق میں ہو تو میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا اور اگر نہیں تم میرے ساتھ بزنس میں آنا چاہتی ہو تو پھر تمہیں سب کچھ بھلانا ہوگا۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنی آواز کو مزید نرم بناتے ہوئے کہا۔ ”میری تجربہ کار لگا میں یہ دیکھ رہی ہیں کہ وہ خاندان و دولت میں ہم سے کتنی زیادہ ہے۔ ہمیں امیر ہونے کا عرصہ نہیں ہوا لیکن وہ کم از کم تین نسلوں سے امیر ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ تیمور کا ذہن کیا ہے۔ ممکن ہے وہ بہت کھلے ذہن کا ہو لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ یہ بڑا بہت مشکل سے ہونے کا امکان ہے۔“

”لیکن پاپا اگر ہو جائے تو۔۔۔ میں کوشش۔۔۔“

”تم اپنی کوشش کر دو کچھ لیکن بات وہی ہے کہ اپنے خاندان کی عزت کو داؤ پر مت لگانا۔ میں ان والدین میں سے نہیں ہوں جو اپنی جوان اولاد پر پابندیاں لگاتے اور انہیں بغاوت پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری ماں جو سوچ رہی ہے میں اس سے بھی متعلق ہوں اس لیے مجھے اس کے سامنے بھی شرمسار نہ کرنا۔ میں فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں تم خوب سوچ لو۔۔۔“

”پاپا یہ تو آپ یقین رکھیں میں اپنی عزت اور عصمت کے معاملے میں خالص مشرقی ہوں۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ میں آپ ہی کی بات مانوں گی۔۔۔ آپ بتائیں میں کیا کروں؟“

”نہیں۔۔۔ میں تم پر ذرا سا بھی دباؤ نہیں ڈالوں گا میں نے کہا تھا تم سوچ لو اور مجھے بتادو۔۔۔“

انصاری نے حسی انداز میں کہتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور پھر اٹھ گیا۔ وہ اپنے کمرے کی جانب چلا گیا تھا جبکہ صبیہ گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کا باپ اس قدر تحمل اور نرمی کے ساتھ اس سے بات کرے گا اور اسے سمجھائے گا۔ اس نے بجائے پابندیاں لگانے اور اپنا حق جتانے کے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ جو چاہے۔ اسے سوچنا تھا اور پھر اپنا فیصلہ دینا تھا۔ چند لمحے کے لیے تو اسے یوں لگا جیسے تیمور اس سے بہت ذور چاچکا ہے لیکن اس کے باپ کی بات بھی بالکل درست تھی سو اس نے تیمور سے آخری بار حسی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ طے کر کے وہ اٹھ گئی۔

راحیلہ دھیرے دھیرے آہستہ قدموں سے ہاسٹل دارڈن بیگ شیم کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اسے کچھ اچھی بات سننے کو نہیں ملے گی۔ اسے اپنی سینئر نرس سے معلوم ہو گیا تھا کہ اسے اپنی راہ پر لانے کے لیے جال تنک کروا دیا گیا ہے۔ تیموزی دیر قبل جب اسے بیگ شیم کی طرف سے بلاوا آیا تھا وہ اسی وقت سمجھ گئی تھی کہ کیا ہونے والا ہے پھر بہت سوچ کر اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ اسے کیا کہنا ہوگا۔

”میں اندازہ آ سکتی ہوں؟“

راحیلہ نے دھکی آواز سے کمرے کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس پر بیگ شیم نے جو میز کے دوسری طرف کاغذات پر دھیان دینے کیلئے تھی سر اٹھا کر چشمے کے پیچھے سے اسے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ راحیلہ چلتی ہوئی اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ بیگ شیم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر قدرے کرحشت لہجے میں بولی۔

”اچھا تو یہ تم ہو۔۔۔ راحیلہ ہی نام ہے نا تمہارا؟“

”جی میرا نام ہی راحیلہ ہے۔“ اس نے اچھائی بھلی اور شائستگی سے کہا۔

”تمہارے ہارے میں بہت ساری شکایتیں آ رہی ہیں۔ پہلے تو مجھے فقہ زبانی کہا گیا تھا جسے میں نے نظر انداز کیا لیکن اس بار مجھے

باقاعدہ ٹھکسی ملی ہے۔“ بیگم شمیم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا الزامات لگائے گئے ہیں مجھ پر۔۔۔؟“

راحیلہ نے اسی قسم سے پوچھا تو بیگم شمیم نے چونک کر اسے دیکھا۔

”لڑکی اس کا مطلب ہے تم جانتی ہو کہ تم پر الزامات لگ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب۔۔۔ تمہیں اندازہ تھا کہ تمہارے خلاف ایسا۔۔۔“

”میزیم! آپ پلیز مجھے الزامات تو بتائیں آفرینیں نے کیا کیا جرم کئے ہیں؟“

”تمہارا رویہ ٹھیک نہیں، تم ڈیوٹی سے اکثر غائب رہتی ہو۔ سینئرز کو نظر انداز کرتی ہو اور اپنے فرائض ٹھیک طرح سرانجام نہیں دیتی ہو۔

تمہاری غفلت کی وجہ سے دوسری عیوض کی جان کو خطرہ بھی لاحق ہوا۔“ بیگم شمیم نے فرد جرم پڑھ کر سنا دی۔

”میزیم! کیا آپ نے تحقیق کرتی ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے؟“

راحیلہ نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ جس پر بیگم شمیم نے بات کی تہ تک ہنسنے ہوئے راحیلہ کو دیکھا پھر تپریوں پر ہل ڈالتے

ہوئے بولی۔

”یہ میرے فرائض میں شامل نہیں ہے کہ جو کچھ تم لوگ ہسپتال کے اندر کرو سنبھال اس کی تحقیق کرتی پھروں۔ میری حدود ہوش کی چار دیواری

ہے۔ ہسپتال انتظامیہ نے یہ چٹخنی مجھے اس لیے بھیجی ہے کہ مجھے بھی اطلاع ہو سکے اور میں تمہیں بتا سکوں کہ تم خود پر لگے الزامات کا دوق کر سکو۔

تمہیں انتظامیہ کے سامنے جا کر اپنی پوزیشن صاف کرنا ہوگی ورنہ پھر تمہارے خلاف فیصلہ ہو جائے گا۔“

”ٹھیک ہے مجھے اطلاع ہوگئی۔۔۔ یہ بتا دیجئے کہ مجھے کب ہسپتال انتظامیہ کے سامنے پیش ہونا ہوگا؟“ اس نے عام سے انداز میں کہا۔

”راہیلہ! تم اس چٹخنی کو بہت معمولی لے رہی ہو۔ یہ آن ریکارڈ معاملہ ہے اگر اس پر انکیشن ہوا تو تمہیں یہاں سے نکالا جاسکتا ہے۔“

بیگم شمیم نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ جو جرم کرتا ہے اسے سزا ضرور ملنی چاہئے۔ یہ نہیں ہوں یا کوئی اور ہو۔ میں اگر یہاں سے نکال دی جاؤں گی تو کیا نہیں

بتا بھی نہیں کر سکتی کہ جو بھیانک چہرے ہیں اور ان پر جو بڑا خوبصورت نقاب چڑھا ہوا ہے میںیں وہ بھی نہ بتا سکتوں۔ میںیں بھی جانتی ہوں اور آپ کو

بھی معلوم ہے کہ مجھ پر یہ سارے الزام ہونے ہیں۔ میںیں آپ سے کوئی انتقام نہیں کروں گی۔ آپ جو چاہئے کر سکتی ہیں۔ انتظامیہ جو چاہئے کر سکتی

ہے لیکن پھر مجھے بھی اپنی مرضی کرنے کا پورا حق ہوگا۔“

”بہت بولتی ہو تم اور اتنی ہی تمہارا رویہ بہت خراب ہے۔ تم میرے سامنے اس طرح بول رہی ہو تو ڈاکٹرز سے کس طرح بات کرتی ہوگی۔

تمہیں پتہ ہے کہ مجھے اس قدر اختیار ہے نہیں کہ یہاں سے باہر پھینک سکتی ہوں۔"

"آپ ایسا کر سکتی ہیں میں نے کب رد کا ہے۔ برعکس اپنے اختیار کے نئے میں ہے آپ بھی ہو سکتی ہیں۔ نکال دینا مجھے مگر یہ یاد رکھیں کہ رات گئے تک جو لمبی لمبی گاڑیاں ہوٹل کے باہر آ کر کڑتی ہیں وہ ضرور آڈینڈ ہو جائیں گی۔"

"تم اس قدر۔۔۔ اس قدر زبان دراز ہو۔"

"میں نہیں سچ کہہ رہی ہوں میڈم آج آپ مجھے یہ الزامات کی فہرست بتا رہی ہیں میں اگر اپنا خمیر مار دوں تو آپ ہی مجھے نوازشات کی فہرست سنائیں گی۔۔۔ آپ مجھے ہوٹل سے باہر پھینک دیں۔ لیکن اگر آپ میں خمیر نام کی کوئی شے ہوئی تو آپ کو یہ احساس ضرور ہوگا کہ آپ نے اندر میرے مزے مگرے کیئے ہیں۔"

"انتقامیہ نے تم پر جو چارج لگائے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہیں۔" یہ کہہ کر وہ مٹھی بٹھی ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔ "وہ اس طرح ٹھیک ہیں کہ تم ان اجول میں مس ٹٹ ہو تمہیں یہاں ہونا ہی نہیں چاہئے تھا۔ تمہارے جھکی لڑکیاں سوائے سردرد کے اور کچھ نہیں ہوتیں۔"

"ٹھیک ہے۔ جب انتقامیہ مجھ سے یہ سوال کرے گی تو میں وہ ہیں جو اب دے دوں گی۔"

راحیلہ نے واضح انداز میں کہا تو پیغم شیم مسکرا دی اور پھر بولی۔

"ممکن ہے ایسا موقع ہی نہ آئے اور تم یہاں سے جانے پر مجبور ہو جاؤ۔"

"ممکن ہے سب کچھ ممکن ہے یہ بھی ممکن ہے کہ میں بیٹھ رہوں اور آپ نوک مجھے ٹھنک رکھنے پر مجبور ہو جائیں۔"

راحیلہ نے انتہائی اطمینان سے کہا تو پہلی بار پیغم شیم کے ماتھے پر سوچ کے واضح آٹا مارا بھرے۔ اس کا چہرہ حیرت کا تاثر دینے لگا تھا۔

"کیا کر لو گی تم۔۔۔؟" اس نے تیز آواز میں پوچھا۔

"رہ زمحل۔۔۔ ظاہر ہے میں رہ زمحل ہی کر سکتی ہوں اور وہ کچھ نہیں کر سکتی جس کی وجہ سے مجھ پر پتہ راج ہیں۔" راحیلہ نے آرام سے کہا۔

"ٹھیک ہے بہت جلد تمہیں فیصلے سے آگاہ کر دیا جائے گا۔" اب تم جا سکتی ہو۔"

اس نے تذبذب سے کہا تو راحیلہ مڑی اور میرے قدموں سے چٹنی ہوئی واٹس چلی گئی۔

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر پڑی سوچ رہی تھی اس کی زندگی کا مشکل ترین مرحلہ آ گیا تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ میڈم کا یوں اپنے آفس میں بلا کر بات کرنا واضح طور پر دھمکی تھی اور وہ یہ چاہتے بھی تھے کہ راحیلہ اپنی ذات میں کچھ ہلک پیدا کرے جس سے یہ اشارہ ملے کہ وہ ان کی بات مان جائے گی مگر اس نے صاف لفظوں میں انہیں یاد کرادیا کہ اسے یہاں سے چلے جانا منظور ہوگا لیکن وہ اسے اپنی ڈگر پر نہیں چلا پائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ ان کے فیصلے پر رہ زمحل کا اظہار کرے گی حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ صرف ایک ہینڈ کا آسرا تھا۔ پھر کب کہہ اس کی مدد کر بھی سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن وہ اس کی احساس مندی تھی کہ اسی کی وجہ سے اسے حوصلہ مل گیا تھا۔ اس نے فون اٹھایا اور فون میں موجود انکو تے نمبر کو ڈائل کر دیا تو دوسری طرف سے اس نے پہچانتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔۔۔ کیا حال ہے راجیلہ۔۔۔؟"

"صنیں ٹھیک ہوں۔"

"لیکن تمہارا لہجہ نہیں بتا رہا ہے کہ تم ٹھیک ہو۔۔۔ یوں تو کہا بات ہے؟"

جنید نے کہا تو اس نے سامری مرد اولاد سے سنا دی۔ سب کچھ اطمینان سے سننے کے بعد جنید نے کہا۔

"گھبراؤ مت، نکل گاؤں تمہارے لیے بہت بڑی جہاز لی آئے گا۔ تم اطمینان سے سو جاؤ۔۔۔ ڈیوٹی کس وقت ہے تمہاری؟"

"پندرہ گھنٹے کب اور کہاں۔۔۔" اس سے بولا نہیں جا رہا تھا، وہ کسی اور دنیا میں پہنچ گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" جنید نے ڈھیر سے سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔" وہ رزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کچھ تو ہے تم یوں۔۔۔" جنید نے جان بوجھ کر فخر و ادھر اچھوڑ دیا۔

"بس یہی سوچ رہی ہوں کہ کیا ہے زندگی اور کتنا بے بس کر دیتی ہے یہ زندگی۔ میں ہم مرتے رہ جے ہیں اس زندگی کے لیے۔۔۔" اس

نے گلو گیر لہجے میں کہا۔

"اوہ۔۔۔ نہیں نے کہا نا گھبراؤ نہیں۔ اب سو جاؤ۔۔۔ اللہ حافظ۔" جنید نے اسے حوصلہ دیا۔

"اللہ حافظ۔"

اس نے ڈھیر سے سے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ راجیلہ نے فون سکرین پر دیکھتے ہوئے ایک طویل سانس بھری پھر فون ایک طرف رکھا اور

آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے لیٹ گئی۔ اسے ایک روشن صبح کا انتظار تھا جس میں سچائی نکھر کر سامنے آ جائے۔

☆☆

کھلی ہوئی کھڑکی میں سے چاندنی آ کر اس کے کمرے میں پلکا آجاتا کیسے ہونے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر شے اس چاندنی میں

چمکتا چاہتی ہے۔ صنفیہ اپنے بیڈ پر پڑنی خود بھی اس ماحول کا حصہ لگ رہی تھی لیکن اس کے دماغ میں اپنے باپ سے ہونے والی گفتگو گونج رہی تھی۔

اس کے باپ نے کس قدر تحمل بردہاؤں اور جنسی کے ساتھ اس سے سمجھایا تھا۔ یقین ممکن تھا کہ وہ اس پر لختی کرتا اس کا بھی رویہ اس کی ماں کے جیسا ہوتا اور

اس کے اندر بغاوت جنم لے لیتی۔ اس کے باپ نے جو نرم رویہ اپنایا تھا اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ آئندہ بھی ایسا ہی طرز اپنائے۔ اگرچہ اس

کا لہجہ نرم تھا لیکن اس کے اندر روکتی ہوئی آگ وہ محسوس کر چکی تھی۔ کوئی بھی غیرت مند مشرقی باپ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی بیٹی یوں کسی غیر

مرد کے ساتھ تنہا بیویوں میں ملاقات کرے اور پھر اس کا اہتمام بھی کرے۔ صنفیہ کے ذہن میں بلاشبہ اپنے باپ کے بارے میں ایسا تاثر تھا جس کی وجہ

سے اس نے بہت کچھ بردہاؤں کیا۔ بہر حال یہ اس کے لیے ایک ایسا مناسب موقع تھا کہ کوئی حقیقی فیصلہ کر سکے۔ یہ فیصلہ اس کی اپنی ذاتی زندگی کے

لیے بھی بہت اہم تھا۔۔۔

زندگی میں بہت سارے ایسے مقامات آتے ہیں جب انسان خود کو پوری دنیا میں تنہا محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اسے شدت سے کسی اپنے کا ساتھ ہونے کی طلب محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر دور دور تک کوئی اسے اپنا دکھائی نہ دے تو یہ کیفیت احساسِ محرومی میں بدل جاتی ہے۔ تنہا ہو جانے کا احساس اور اس کی شدت میں جو ڈکھ ہوتا ہے وہ عام حالات سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ مشرقی روایات میں کچھ باتیں ایسی ہیں جن سے بندہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اسے اپنی حد و متعین کرنا پڑتی ہیں اور ایک خاص دائرے میں ہی رہنا پڑتا ہے لیکن یہی مشرقی روایات اپنے اندر ایسی خوبصورتیاں بھی رکھتی ہے کہ بندہ خود کو کبھی تنہا محسوس نہیں کرتا۔ فطری طور پر جس طرح کچھ پانے کے لیے کچھ کھانا پڑتا ہے! اسی طرح مشرقی سماج میں محبتوں کے لیے چھوٹی چھوٹی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ محبت اور قربانی کے نین و نین میں کوئی مول تول نہیں ہوتا مگر یہی ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ جوڑ کر رکھتی ہے۔ دراصل مشرقی سماج "رودینے" کی بنیاد پر ہے۔ سماج میں جس قدر روئے اچھے خواہصورت اور مخلص بھڑے ہوں گے سماج اتنا ہی مضبوط ہوگا۔ اس میں خود غرضی کہیں نہیں ہوتی اور قربانی دینے کا حوصلہ بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن اسی مشرقی سماج میں اگر مشرقی روئے اچھے جائیں تو پھر اس سماج کی مضبوطی باقی نہیں رہتی اور انسان تنہائی کی جانب بڑھنے لگتا ہے۔ فرد کی تنہائی پورے معاشرے کو تنہا کر کے رکھ دیتی ہے یہی وہ دھمک میں جو کہیں بھی سماج کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس وقت صفیہ بھی ایک ایسے ہی کرب سے گزر رہی تھی۔ مشرقی معاشرے میں ایک ماں اور بیٹی کا تعلق جیسا ہوتا ان میں کبھی جزییشن کیپ نہیں آسکتا۔ ماں جس طرح چاہے بیٹی کی تربیت کر سکتی ہے مگر جب دونوں میں بہت دوری ہو تو ایسے میں باہر سے آنے والے خیالات رویہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ سلفی اپنی ماں زینتوں بی بی کے بہت قریب رہی تھی لیکن صفیہ ایسا نہ کر سکی۔ ان کا اپنا خاندان جب تبدیلی کے مرحلے سے گزر رہا تھا صفیہ نے سب سے زیادہ اس تبدیلی کو اپنا یا جس کے نتیجے میں وہ بہت دور ہو گئی تھی اور آج تنہائی کا شکار ہو کر الجھنوں میں گھری ہوئی تھی۔ یہاں بھینس باپ کے نرم رویے میں واضح طور پر مردانہ اور والدہ کا متغیر ہو کر سپہ سالار میں پڑے ہونا قائل دے کر اگر وہ کسی کو اپنا سمجھ رہی تھی تو وہ نقطہ تیز ہوا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی اور پھر قریب پڑے فون کو اٹھا لیا۔ اس نے نمبر دیش کئے دوسری جانب تل جاتی رہی۔

"ہلو۔۔۔ تم صغیر!۔۔۔ اتنی رات گئے؟" اسے تیزو کی آواز سنائی دی جس میں حیرت کھلی ہوئی تھی۔

"بس دل کیا اور فون کر دیا۔۔۔ ابھی کون سا اتنی رات ہو گئی ہے تم سو رہے تھے کیا؟" اس نے ایک ہی سانس میں بہت کچھ کہہ دیا۔

"نہیں میں سو نہیں رہا تھا۔ ایک بہت دلچسپ فلم دیکھ رہی ہوں ٹی وی پر۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"مطلب تم بڑی ہو؟" اس نے قدرے لا پرواہی سے کہا۔

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں بھی دراصل بیرون رہ رہا تھا اس لیے ٹی وی آن کر دیا۔" اس نے چند لمحے

تھمر کے پھر کہا۔ "ہاں اب ہلو۔۔۔؟"

"انسان بوریوں ہو جاتا ہے۔" صفیہ نے یونہی بات چڑھانے کے لیے کہہ دیا۔

"میرے خیال میں جب اسے اپنی پسند کا ماحول نہ ملے۔" تیمور نے یونہی روانی میں کہا پھر چوتھے ہوئے بولا۔ "تم پور ہو رہی تھیں

کیا۔۔۔؟

"ہاں بھی اور نہیں بھی۔۔۔ شاید نہیں پور نہیں ہو رہی ہوں، بلکہ خود کو تباہ محسوس کر رہی ہوں۔" اس نے حسرت سے کہا۔

"تمہاری ابھی ابھی خیار آلود گھنٹوں لگتا ہے کہ معاملہ کچھ اور ہے وہ نہیں جو اس وقت تمہاری زبان پر ہے۔" وہ قدرے خوشگوار اور مذاق

میں بولا۔

"ہاں تیمور! میں آج ایک فیصلہ کر لینا چاہتی ہوں۔" وہ جتنی لہجے میں بولی۔

"کون سا فیصلہ۔۔۔؟" اس نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"یہ کہ مجھے تم سے شادی کر لینا چاہئے یا پھر تمہیں بھول کر اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے کوشش کرنی چاہئے؟" سفید نے مضبوط لہجے میں

کہا۔

"ارے! یہ تمہیں اچانک کیا ہو گیا ہے؟۔۔۔ میں ماننا ہوں کہ تم بہت کچھ کرنا چاہتی ہو لیکن یہ مجھے بھول جانے کی بات کہیں سے آئی؟"

اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تیمور! تم نہیں جانتے۔ اس وقت مجھے یہ فیصلہ کرنا ہے ورنہ میں خود کو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاؤں گی۔" اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"یہ تم واقعی بہت سیریس بات کر رہی ہو؟۔۔۔ چلو ٹھیک ہے۔ ہم بہت سہولت کے ساتھ بہت سوچ کر فیصلہ کر لیتے ہیں لیکن۔۔۔" وہ

کہنے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا۔۔۔؟" وہ تیزی سے بولی۔

"لیکن یہ سیری جاں! کہ جب تم نے کچھ بار مجھ سے بات کی تھی تب میں نے تمہیں کبھی دیکھا تھا کہ تم جاؤ۔ تم نے خود ہی تو شادی دیر سے

کرنے کے لیے کہا تھا اور میں نے مان لیا تھا۔ اب ایسی کون سی التوا آپڑی کہ تم اس قدر جلد فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہو؟" تیمور نے اُلجھتے ہوئے

پوچھا۔

"وہ کوئی بھی وجہ ہو لیکن کیا یہ خیال غلط ہے؟" وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔

"نہیں غلط نہیں۔" اس نے مانتے ہوئے کہا پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد سنجیدگی سے بولا۔ "تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر کے

لیے کتنا وقت درکار ہے؟"

"اس بارے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی اور یہی سب سے بڑی الجھن ہے۔" وہ جو میرے سے بولی۔

"وہی الجھن اگر بتاؤ گی تو چند چلے گا۔"۔۔۔؟" تیمور نے کہا۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ میں ایک بزنس وومن کے طور پر پہچانی جاؤں۔ میں اپنے اس خواب سے دستبردار

نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے اس کے لیے ابھی وقت چاہئے لیکن اس دوران میں تمہیں انتظار کر سکتے ہو اور مدد بھی ہمارے ارد گرد لوگ ہمیں یہ اجازت دیں گے کہ

عشق تباہ عشق بنا

ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھ پائیں۔" اس نے بہت آرام سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جب تم اور میں راضی ہیں، ماننے ہیں تو دوسروں کو بھرا کیا ہے؟" تیمور اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں تیمور اتم میں اور تم میں کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جس کی بنیاد پر میں تم سے اپنے لوگوں کو اپنے معاشرے کو مانا سکوں۔ تم سوچو یہ

معاشرے صرف تمہارا اور میرا نہیں ہے بلکہ دو خاندانوں کا بھی ہے۔" اس نے اپنی بات بہت آرام سے کہہ دی۔

"اور میں سمجھا۔۔۔ تم میرے کہو کہ ہم میں کوئی مضبوط تعلق ہونا چاہئے جسے ہمارا معاشرہ بھی تسلیم کرے اور ہم اس فخر سے جاسکیں۔"

وہ ساری بات سمجھتے ہوئے بولا۔

"نیکنا بات ہے۔۔۔" وہ میرے سے بولی۔

"اؤ کے۔۔۔ مجھے بس ایک ہفتہ دو مہینے اپنے والدین کو اپنی خواہش بتانا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارا ساتھ بہت جلد ہو جائے گا۔۔۔

رہی برنس روکن کی بات تو اتنا سربا یہ ہے میرے پاس تم کوئی سا بھی برنس کر سکتی ہو۔ ممکن ہے ہم دونوں۔۔۔" اس نے جھٹے ہوئے کہا۔

"کیا ایسا ممکن ہے۔۔۔؟" وہ قدرے حیرت سے بولی۔

"کیوں نہیں۔۔۔ تم جس جگہ پر اٹھو اور مت گھبراؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

تیمور نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تو صفینہ کے ذہن پر چھایا ہوا غبار ذمیل گیا۔ وہ خوشگوار موڈ میں اس سے باتیں کرتی رہی پھر فون

بند کر کے جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو بہت سارے سہانے سنے اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

☆☆

رات کا آخری پیر شروع ہوئے کوئی اتنا زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ پوش کالونی میں گھر آنا چھایا ہوا تھا میری قہقہے روشن تھے اور مزہ کیوں

سنسان تھیں۔ کالونی میں چند سیکورٹی گارڈز وقفہ جگہوں پر متعین تھے۔ ایسے میں ایک کار بنگلے کے سامنے رکی اور اس نے ہارن دیا۔ اگھے ہی لمحے

گیت کھل گیا۔ گاڑی سید گن پورچ میں جا کر رکی۔ اس میں سے پہلے ڈاکٹر جمیل باہر آیا جس کے ساتھ ہی ایک سیاہ پوش بگن باہر نکلا اور دونوں ایک

ساتھ جڑے ہوئے امبر کی جانب چل پڑے۔ ڈرائنگ روم میں بچنے ہی سیاہ پوش نے اپنا بیو اور ڈاکٹر جمیل کے پہلو سے ہٹا لیا۔

"کون ہوتم اور کیا چاہتے ہو۔۔۔؟" ڈاکٹر جمیل کی تھرائی ہوئی آواز نکل جس میں خوف نکلا ہوا تھا۔

"صاف کون ہوں یہ جاننے کی تمہیں ضرورت نہیں۔ میں جو تمہارے ساتھ کرنے آیا ہوں تمہیں صرف وہی پردھیان دینا ہے۔" صفینہ نے

انتہائی جمل سے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا۔۔۔ چاہتے ہوتم۔۔۔ کیا کرو گے۔۔۔؟" ڈاکٹر نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا تو تمہیں کالونی سے باہر ہی کہیں راستے میں قتل کرو دیتا وہ میرے لیے زیادہ آسان تھا۔ میں یہاں تمہیں کچھ سمجھانے آیا ہوں۔

تھاؤں کرو گے تو تمہیں قتل کیے بیچلا جاؤں گا ورنہ اس بیو اور سے لٹل ہوئی گولی کسی بھی وقت تمہارے جسم کو چھید سکتی ہے۔" وہ میرے سے بولا۔

"سمجھانے آئے ہو۔۔۔؟" ڈاکٹر بے یقینی سے بولا۔

"ہاں، لیکن میرا انداز کچھ الگ سے ہیں۔۔۔ انھوں نے بیڈروم تک چلو۔"

"دیکھو منیں رقم اپنے گھر میں نہیں کھتا۔ زیورات بھی لاکر میں ہیں۔ تمہیں یہاں سے کچھ اتنا زیادہ نہیں ملے گا۔ تم نے جو لوٹنا ہے زور لو اور چلے جاؤ۔۔۔" اس نے جنید کے چہرے کی طرف دیکھا جو غائب میں تھا۔ شاید وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم بیمار سے نہیں بالو گے۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس نے زوردار انداز میں اس کے چہرے پر ہتھ پڑا دیا۔ جس سے نالت کر وہ صوفے پر جا

پڑا۔ ڈاکٹر کا جھوڑا بہت اگلا و بھانسا ہو چکا تھا وہ ختم ہو کر رہ گیا اس کی آنکھوں سے خوف چھلکنے لگا۔ جنید نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا تو ڈاکٹر کا جسم بولے ہوئے کانپ رہا تھا۔ "چلے ہو یا۔۔۔؟"

اس کے یوں کہنے پر ڈاکٹر بنا کچھ کہے آگے بڑھ گیا۔ وہ دیر دیر سے میز میاں چڑھنے لگا یہاں تک کہ وہ اپنے بیڈروم کے سامنے آ نکلا۔ اس نے دیر سے دوروازہ کھولا۔ کمرے میں مدہم لائٹ تھی اور سامنے بیڈ پر اس کی بیوی سو رہی تھی۔ جنید نے ریو لوٹا کہ اس وقت ڈاکٹر کے سر پر وہ باروہ ڈاسا جمولا تو جنید نے اسے تمام کمر زمین پر ڈھیر کر دیا۔ ڈاکٹر کی طرف سے اطمینان کرنے کے بعد اس نے جیب سے نائیلون کی ریشی نکالی اور اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ پھر اسے گھسیٹتے ہوئے بیڈ کے پاس لے آیا۔ اس کی بیوی اطمینان سے سو رہی تھی۔ جنید نے کپڑوں کی الماری کھولی اور اس سے اپنے مطلب کے کچھ ایسے کپڑے نکالے جن سے وہ اس کی بیوی کو باندھ سکے۔ چند لمحوں کی کوشش کے بعد اسے مطلوبہ رومال اور چادر میں لپیٹ لیا۔ جنید نے اس کی بیوی کو بھی باندھ دیا۔ وہ حیران تھا کہ اس کی بیوی کس طرح بے ہوشوں کی مانند سو رہی ہے۔ انہیں وہیں چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکلا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں ڈاکٹر جمیل کی بیٹی سو رہی تھی۔ جس وقت جنید نے اسے ہاتھ لگایا وہ جاگ گئی اور اسے دیکھتے ہی خوف زدہ انداز میں چنچنا چاہا مگر جنید نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے باندھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے اچھی خاصی حرمت کی لیکن آخر کار وہ اسے باندھنے میں کامیاب ہو گیا پھر اسے لے کر ڈاکٹر کے بیڈروم میں آ گیا اور اسے بیڈ پر پینک دیا۔ وہ خوف بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر ابھی تک بے ہوش پڑا تھا جبکہ اس کی بیوی کی آنکھیں یوں خمار آلود تھیں جیسے وہ جاگنا چاہ رہی ہو لیکن آنکھیں نہ کھل رہی ہوں۔ جنید نے سائیز ڈبیلی پر دھرا ہوا پانی کا جگ اٹھایا اور ڈاکٹر پر اٹل دیا۔ وہ کراہتا ہوا اٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے تھے لیکن جیسے ہی اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو دیکھا ہوا دیکھا وہ وحشت زدہ سا ہو گیا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ جنید نے کہا۔

"خاموش! صرف میری سنو۔ جب کوئی بات پوچھوں تب جواب دینا۔" یہ کہہ کر وہ بھی ماں بیٹی کے پاس بیڈ پر ہی بیٹھ گیا اور بولا۔ "منیں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر منیں نے تمہیں قتل ہی کرنا ہوتا تو اب سے کچھ دیر پہلے ہی کر دیا ہوتا۔ یہاں لاکر ایسا منظر دکھانے کا آخر میرا مقصد کیا ہے یہ نہیں پوچھو گے؟"

"ک" کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟"

"بہت واضح۔۔۔ منیں اگر اس وقت تمہاری لگا ہوں کے سامنے تمہاری بیٹی کو کپڑوں سے آزاد کروں تو کیا لگے گا۔۔۔؟" اس نے کہا

تو بیوی کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بھی دشت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”تم --- تم ایسا نہیں کر سکتے۔“

”کیوں نہیں کر سکتا؟ اس وقت یہ میرے اختیار میں ہے۔ چلو میں ایسا نہیں کرتا۔ تمہاری بیوی۔“

”خدا کے لیے مجھے بتاؤ تم چاہتے کیا ہو۔۔۔؟“

”میں کیا چاہتا ہوں۔ اسی وقت پتہ چلے گا کہ پہلے تمہاری بیٹی یا بیوی۔“

”یہ ظلمت کرو۔۔۔ بتاؤ؟“

وہ اُدھی آواز میں بولا تو جنید نے پھر ایک چمچ اس کے منہ پر جرد دیا اور کہا۔

”میں نے یہ سب اس لیے نہیں کیا کہ میں تمہیں آسانی سے چھوڑ دوں۔ بتاؤ پہلے بیٹی یا بیوی۔۔۔؟“

اس پر اس کی بیٹی سر مارنے لگی وہ چارہ ہی تھی کہ اس کا منہ کھول دیا جائے لیکن جنید نے اس کی بیوی کا منہ کھول دیا۔

”تم ایسا کیوں چاہ رہے ہو اس کے سامنے۔۔۔؟“ اس نے اپنے شوہر کو طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں اس کے سامنے۔۔۔“

”کیوں کہیں۔۔۔؟“ ڈاکٹر تیزی سے بولا۔ ”تم یوں کسی کی عزت پامال نہیں کر سکتے۔“

”۔۔۔ اور ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی جو بے چاری مجبور اور بے بس ہوتی ہیں۔ ان کی کوئی حرمت نہیں ہوتی جن کے ساتھ تم اس عمر میں

عشق لڑانے کی کوشش میں ہو اور اگر وہ تمہاری بات نہیں مانتی ہیں تو انہیں ڈنسل و ڈسوا کرتے ہو ان پر ظلم کرتے ہو۔۔۔“ جنید حد درجہ جذباتی ہو گیا۔

ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت اور دشت سے بھرتی چلی جا رہی تھیں۔ ”میں تمہاری بیٹی کو لے کر جا رہا ہوں۔ میں بھی اس سے عشق لڑاؤں گا اور وہی کچھ کروں

گا جو تم ان مجبور اور بے بس لڑکیوں سے کرتے ہو۔“

”میں تم مجھے اپنی بیوی سرانجام دے سکتے۔۔۔ ڈاکٹر نے کراہتے ہوئے کہا۔

”یہ نوجوان ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔ اس کی بیوی نے اچانک کہا۔ ”یہ تمہارے اعمال کی سزا ہے میں ساری زندگی تمہیں سمجھاتی رہی ہوں

لیکن تم نہیں مانے۔ آخر میں ہار گئی ہوں صبر کیا ہے میں نے۔۔۔ دیکھو آج کوئی تمہاری بیٹی کو خانے آ گیا ہے۔“

”میرے اعمال کی سزا مجھے ملنی چاہئے۔“ وہ کہہ رہا۔ ”میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے کوئی مار دو۔“

”اس طرح تو تم ایک بار ہی مر جاؤ گے۔۔۔ تمہیں روز مرنا ہوگا۔ تم جب بھی کسی ایسی لڑکی کو دیکھو گے جس پر تم نے ظلم کیا ہے اس میں

تمہیں اپنی بیٹی دکھائی دے گی۔“ یہ کہتے ہوئے جنید نے اس کی بیٹی کے بازو سے لٹیس چھاڑ دی۔ ”بیٹو ڈاکٹر! اسے لے جاؤں یا یہاں تمہارے

سامنے ہی اسے ہر ہا کر دوں۔“

”مجھے کوئی مار دو۔۔۔ خدا کے لیے مجھے کوئی مار دو۔۔۔ ڈاکٹر نے بیٹی اعزاز میں چیخا۔

"اس وقت تک نہیں جب تک۔۔۔" اُس نے فخر و دھڑاچھوڑا اور دوسرے بازو سے تیس پھاڑ دی۔

"جرم ہونا تھا ہو گیا۔۔۔ پلیز مجھے موقع دو۔ میں آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ میری بیٹی پر ظلم نہیں کرو۔"

"تمہاری بیٹی آسمان سے اترتی ہے کیا اور وہ کسی کی بیٹیاں نہیں ہیں؟" یہ کہتے ہوئے اُس نے بیٹی کو بازوؤں سے پکڑا اور نیچے تالین پر پھینک دیا۔ وہ بے حس و حرکت تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اپنے باپ کے گناہوں کی سینٹ چڑھنے والی ہے اسلئے اُس نے ذرا ہی بھی حراست نہیں کی۔

"مجھے معاف کرو۔۔۔ خدا کے لئے مجھے معاف کرو۔۔۔" ڈاکٹر کراہتے ہوئے مسلسل کہہ رہا تھا۔

"تمہارے جیسے لوگ جو اپنی دولت اور رتبے سے نہ جاننا فائدہ اٹھاتے ہیں نا ان کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے جو تم لوگ دوسروں کے ساتھ کرتے ہو۔ تم لوگ سوچتے ہی نہیں کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ کسی مجبور کی زندگی تلک کرنے والے اسی وقت بگھتے ہیں جب ان کی زندگی تلک کر دی جائے۔۔۔ ہلو کی منتظر رہیں دکھاؤں یا اسے لے جاؤں؟" جنید یوں بھر گیا تھا جیسے اس پر کوئی جونی کیفیت طاری ہو گئی ہوئی ہے۔

"کوئی ایسا راستہ ہے جس سے تم مجھے معاف کر سکتے ہو۔۔۔؟"

"ہاں ہے۔۔۔ ابھی فون کرنا ہے ان بڑوں کو جو تمہارے ساتھ شریک جرم ہیں اور انہیں بتاؤ کہ تمہارے سامنے تمہاری بیٹی کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔"

"مجھے مار دو۔۔۔"

وہ چیخا ہوا آگے بڑھا اور اپنا سر بیڈ پر سے مارا شاید چوٹ بہت زیادہ شدید تھی اس لیے وہ بے ہوش ہو گیا۔ جنید چند لمحوں کی طرف دیکھا رہا پھر چشم زدن میں اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ بیٹلے کی کھجلی طرف گیا اور وہاں سے دیوار پھانڈ کر سڑک پر آ گیا۔ سیکورٹی گارڈز سے بچ کر کھانا اُس کے لیے اتنا مشکل نہیں تھا۔ اُس کے اندر ایک اطمینان آ رہا تھا اُسے پورا یقین تھا کہ جس طرح اس نے ڈاکٹر کو اُس کے گمراہوں کے سامنے ذلیل کر دیا ہے وہ یا تو خوش کن کر لے گا یا پھر ساری زندگی تک اس میں اٹھا پائے گا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ لوگ بے غیرت قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر ان میں سے ہوا تو وہ اُسے کوئی مار دے گا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ اندھیرے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ جس طرح وہ کانونی سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھا رہا تھا اُس کے اندر اٹھا ہوا طوفان کم ہوتا چلا گیا۔ اُس نے تھوڑی دیر میں دیکھا راحیلہ کی آنسو بھری آنکھوں میں خوشی بھر گئی تھی۔ وہ چہرہ جس پر خوف کے سائے مسلط تھے ان پر امید کے ویسے روشن ہو گئے تھے۔ اُسے یوں لگا جیسے پہلی بار اُس نے بہت اچھا کام کیا ہو۔۔۔ جنید کے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

☆ ☆

ہالیوں کی آنکھوں سے نیند اڑ چکی تھی۔ وہ ساری رات یہی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کس سمت چل پڑا ہے۔ اگرچہ منیہ کا حصول اُس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن چکا تھا لیکن پھر بھی وہ اس کے معاملے میں اتنا یوں کیوں ہے؟۔۔۔ اُسے جنید کی کہی ہوئی بات یاد آ رہی تھی کہ جب

عشق تباہے عشق بنا

تک وہ اس معیار کا دولت مند ہوگا اس وقت تک منیہ کو تھوڑا اُلے چا چکا ہوگا۔ اُسے یا احساس تھا کہ جب اُس نے منیہ کے حصول کے لیے دولت مند ہونے کا سوچا اور اس راہ پر آ گیا تو دولت بھی آنا شروع ہو گئی تھی لیکن یہ شارت کٹ بھی اُسے منیہ تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اچانک اُس کی زندگی میں اُبک شور مچا ہو گیا تھا اپنی آوازیں اُس کے اندر جمع ہو گئی تھیں کہ کسی ایک آواز کی بھی اُسے سمجھ نہیں آتی تھی۔ وہ جب بھی منیہ کا تصور کرتا اُس کے اندر اُبک ہوک اُٹھتی تھی اور یہی ہوک خنجرہ بن جاتی۔ آوازیں کا شور یوں بڑھتا جیسے کئی سارے لوگ کسی فٹس پر ماتم کناں ہوں۔ کوشش کے باوجود بھی کوئی حسین خیال نہیں آتا تھا۔ ایسا اُس لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اِس کے لیے ایک لا حاصل خواہش کی مانند بن کر رہ گئی تھی۔ کیا وہ ہار جائے گا؟ یہی ایک سوال تھا جس کا وہ سامنا نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اپنے اندر کی عدالت میں ایک مجرم کی تہِ حشیت سے آکھڑا ہوتا اور خود ہی فرود جرم سنانے لگتا۔ اُس نے اُب تک جو جو صلے اور جدوجہد کی کہانیاں اور داستانیں پڑھ رکھی تھیں اُسے وہ سب جھوٹ لگتا۔ فقہا خواہش وہ ہے جس قدر رشہ ہے ہو اُس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا جب تک وقت اور حالات سازگار نہ ہوں۔ آج اُس کے پاس ڈیروں دولت ہو تو وہ منیہ کو چند دنوں میں رام کر سکتا ہے لیکن دولت کوئی ایسی شے تو نہیں جو اِس کی خواہش پر اِس کے قدموں میں آجائے۔ وہ خود ہی یہ سارے دلائل دیتا اور پھر اپنے ہی اندر کے زنداں میں جا کر اندھیرے گوشے میں بیٹھ جاتا۔۔۔ "منیں نے تیرے لیے ایک پلان سوچا ہے۔۔۔" اُسے جنیدی بات پھر یاد آ گئی تھی مگر کیا کرے گا وہ ایسے پلان کا جس کے کرنے کے بعد بھی وہ منیہ کو حاصل نہیں کر پائے گا۔ وہ بھی سوچ سکتا ہے۔ اِس کے پاس بھی مارغ ہے لیکن پھر وہی بات کہ اِس کے اور منیہ کے درمیان دولت ہی حائل ہے۔ ساری رات اُس کے اندر یہی جنگ رہی تھی کہ وہ سب کچھ بھول جائے منیہ کو اور اِس کے حصول کے لیے جو اُس کا خود ہے وعدہ تھا اُسے بھی بھول جائے۔ ایک نارٹل زندگی گزارے جیسے ایک عام آدمی زندگی گزارتا ہے۔ اِس کے لیے ایک سیدھا سا دارا تھا جس پر وہ با آسانی چل سکتا تھا یہی سوچتے ہوئے سوال اُٹھنے لگا کہ کیا پھر بھی وہ منیہ کو بھلا پائے گا "من میں موجود خواہش کو کچل کر نکال باہر کر سکے گا؟ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو پھر وہ نارٹل زندگی بھی نہیں گزار سکتا لیکن اگر وہ منیہ کی راہ پر چلتا ہے تو سوائے ناہوشی کے اسے کچھ بھی نہیں ملنے والا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے اُسے ساری رات ہو گئی تھی۔

ہالیوں کو شدید پیاس محسوس ہوئی تو وہ اُٹھا اور کچن تک گیا پانی پیا اور واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ جب اُسے خیال آیا کہ جنیدی نے جو اُسے لفاظی دیا تھا اِس میں موجود رقم اُس نے دیکھی ہی نہیں کم از کم دیکھ تو لے۔ وہ اپنی الماری کی جانب بڑھا وہ لفاظی اُٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ اِس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ ایک خوشگوار تازا اُسکا اندر بچھل گیا۔ اُس نے دو ہار لفاظی اسی جگہ رکھ الماری بند کر دی اور اپنے پیڑ پر آ کر لیٹ گیا۔

"ساری رات تم نے مایوسی کی باتیں کرتے ہوئے گزار دی ہے۔ کیا فائدہ ہوا منیہ بھی کھوائی؟"

"منیں نے جان کے نیٹے نہیں کھوائی سوچوں میں گھرا ہوں۔ یہ ظالم سوچیں جان چھوڑیں گی تو سکون ملے گا نا۔۔۔"

"سکون۔۔۔ وہ تو ساری زندگی نہیں مل سکتا۔"

"ارے حالات اچھے ہوں تا قول جاتا ہے۔ جب بندے کا دولت ہی نہ مل رہا ہو تو پھر کسی سے بھی گلہ نہیں بنتا۔"

"تم جب تک مایوسی میں سوچتے رہو گے تمہارا کچھ نہیں بن سکتا۔۔۔ دیکھو اچھو دن پہلے تم دولت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ کتنی

صحت کی ہے تم نے اور تم اپنی دولت کے مالک ہو جو کبھی تم نے دیکھی بھی نہیں تھی اور یہ کیا تم نے وقت اور حالات کی زنت نگارگی ہے یہ مایوس اور بزدل لوگوں کا کام ہوتا ہے۔"

"میں نے تو بزدل ہوں اور نہ مایوس — اگر ایسا ہوتا تو میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح ڈر کر کچھ بھی نہ کرتا۔ مجھ میں حوصلہ ہے مہینے دولت اکٹھی کر سکتا ہوں۔"

"تو میری جان! اس طرح حالات کو بھی اپنی دسترس میں لے سکتے ہو۔ سارے کام دولت سے نہیں ہوتے کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جہاں عقل استعمال کرنا پڑتی ہے۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ چند کروا کر دوسرے استعمال کر سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں۔ جس طرح اُس نے مجھے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ دولت کے عوض تو میں اُسے جذبات کی ماروں گا دوستی بناؤں گا اُس سے۔۔۔ مجھے صرف اپنی پرکتفا نہیں کرنا چاہئے اس جیسے پتہ نہیں کھتے ہوں گے۔"

"تم بالکل غلط ٹھیک پر سوچ رہے ہو اُسے بھرمانہ ذہنیت کہتے ہیں۔ تم ایک معزز پیشے سے وابستہ ہو اور۔۔۔"

"ہر پیشہ معزز ہے۔ چاہے کوئی بازار میں بیٹھ کر جوئے کا ٹھکانا ہو یا پھر انسانی زندگی کو بچانا۔۔۔ پیشہ نہیں ہوتا لیکن اس کی آڑ میں جو ظلم کرتے ہیں وہ رویہ غلط ہے۔ آج کا سناج اُترایا ہے اور اس سیلاب میں اگر میں بھی بہ جاؤں تو کیا ہے مجھے اپنی زندگی بچانا چاہئے۔"

"یہ خود مرضی ہے۔ تم اگر سناج میں بگاڑ کا باعث نہیں بن رہے ہو تو یہ بھی ایک طرح سے بھلائی ہے۔"

"مجھے سناج کی باتیں مت بتاؤ۔۔۔ میں نے اچھائی کے لیے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی تو میرے ساتھ کیا ہوا؟ میرے باپ کے پاس دولت نہیں ہے تو رشتے ناتے احسانات اور سب کچھ ختم۔ ہماری وجہ سے اُن کی بے عزتی ہوتی ہے۔ ہمارے ساتھ ہی کیوں جواب ہے کوئی تمہارے پاس؟"

"تو پھر تمہارا جوئی چاہے کرو۔"

"ہاں نہیں کروں گا۔ میں وقت اور حالات کو اپنی دسترس میں کروں گا۔ میں وہ سب کچھ کروں گا جو میرا جی چاہے گا۔"

"کیا یہ تمہارا جی فیصلہ ہے۔۔۔؟"

"ہاں یہ میرا جی فیصلہ ہے۔ میں نہیں ڈروں گا۔ جو میرے معاشرے نے مجھے دیا ہے میں اسے دیکھ لوں گا۔"

اُس نے جواباً کہا تو پھر اس کے جواب میں اُس کے اندر سے کوئی آواز نہ اُبھری۔ وہ جو ساری رات قنوطیت زدہ سوچیں سوچ رہا تھا اُس نے مایوسی کو جھٹک کر پرے پھینک دیا تھا۔ اُس نے خود کو ہلکا پھینکا محسوس کیا تو مسکرا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اب اُس کے لیے دن رات کا فرق سٹ چکا تھا۔

☆☆

باہر جانے لگی۔

”سنو اقم کیا واقعی میرے پاس سمجھو یہ بیٹھ سکتی ہوں؟“ زینون بی بی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”جی ہاں، لیکن دوسرے مریضوں کے دیکھنے کے بعد۔“

”میں تمہارا انتظار کروں گی۔۔۔“

زینون بی بی نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ داخلہ دہشت جاری تھی تو سہلی کمرے میں داخل ہوئی۔

”امی کو میڈیسن دے دیں آپ نے۔۔۔؟“

”دے دیں، لیکن آپ ان کا دھیان رکھئے۔۔۔“

راحیلہ نے کہا اور باہر چلی گئی۔۔۔

وہ عام حالات میں اتنی باتیں نہیں کیا کرتی تھی لیکن نجانے کیوں وہ اس دن بھی مریضوں سے اسی طرح بات کرتی رہی۔ شاید وہ اپنے اندر کے کسی خوف کو دور کرنا چاہ رہی تھی یا خود کو بہلا رہی تھی۔ جنید سے باتیں کرنے کے بعد اسے بہت حوصلہ ہوا تھا شاید وہ بلا شعوری طور پر کسی منطقی نتیجہ کا انتظار کر رہی تھی۔ ڈیوٹی پر سٹل فون لانا منع تھا لیکن اس دن وہ اپنے ساتھ لے آئی تھی اور اسے ”خاموشی“ پر لگا کر چھپا لیا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ جنید کا فون ضرور آئے گا، انہی خیالات اور احساسات کے ساتھ وہ ہر کمرے میں جاتی، خوشگوار باتیں کرتی ہوئی وہاں اس جگہ آگئی جہاں نرسز جمی تھیں۔ ان کا کام تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ اب کسی ایمر جنسی کی صورت میں مریض کو دیکھنے یا پھر گپ شپ کے علاوہ انہیں کوئی اور کام نہیں تھا مگر اس دن راحیلہ کو باتوں میں مزہ نہیں آرہا تھا۔ وہ خیالوں میں گھولنے لگی تھی اور کئی لمحوں میں جنید کی طرف دھیان دے دیتی اور کئی اپنی ماں کی یاد آئے آجاتی۔ اس دن نجانے اسے اپنی ماں اس شدت سے کیوں یاد آ رہی تھی شاید اس کی وہ بڑی بڑی بی بی تھی جو اس کی ماں سے بہت حد تک مشابہ تھی۔ اس نے سوچا کہ جب ڈاکٹر راؤ گھر کر جائیں گے تو پھر وہ کچھ دیر کے لیے اس کے پاس ضرور جائے گی۔ وہ انہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ اچانک اسے داخلے راستے پر ڈاکٹر جمیل دکھائی دیا اس کے ساتھ بیگم شیم بھی تھی۔ دونوں نے دوزخی سے اسے دیکھا اور پھر حیرت زدگی سے اس کی جانب آنے لگے۔ ڈاکٹر جمیل اور بیگم شیم کی آمد کوئی معمول کی بات نہیں تھی۔ سنا بات تو یہ کہ ان کا اکٹھے ہونا ہی غیر معمولی تھا اور پھر انوں آنا کسی طوفان کا پیش خیمہ ہی ہو سکتا تھا۔ بلاشبہ اس کی ساتھی نرسز کو راحیلہ کے بارے میں سب معلوم تھا اس لیے وہ اپنے چہروں پر سوالیہ نشان لیے ان دونوں کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ راحیلہ کی نگاہیں بھی ان دونوں پر تھیں۔ ڈاکٹر جمیل نے تو اپنی ڈیوٹی پر آنا تھا ساتھ میں بیگم شیم کا آنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ یہ وہی تھی جس نے اسے انجام اچھا نہ ہونے کے بارے میں دھمکیاں دی تھیں۔ راحیلہ ہر طرف سے اپنا ذہن بنا چکی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اس نے اپنی عزت کی لاج رکھنی ہے باقی سب کچھ چاہے اس سے چھین لیا جائے۔ جب انسان کوئی قسمی فیصلہ کر لیتا ہے اور اس فیصلے پر ڈٹ جانے کا اس میں حوصلہ بھی ہو تو وہ بے خوف ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت اس وقت راحیلہ کی بھی تھی۔ چند قدم کا فاصلہ تھا جو دونوں ملے کر کے اس کے پاس آچکے تھے۔ ڈاکٹر جمیل آگے تھا اور بیگم شیم اس سے ایک قدم پیچھے تھی ڈاکٹر جمیل نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"راحیلہ! تم ذرا میری مدد کرنا۔ تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

اس کا لہجہ اگرچہ عام سا تھا لیکن اس میں خوف کی تھر تھراہٹ واضح تھی۔ اس پر راحیلہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور نفرت سے

بولی۔

"دوسری باتیں بھی تم روزانہ کرتے ہو۔۔۔ دوستی پیار محبت کی باتیں اپنی من مانی کے بارے میں معلومات کوئی نئی دیکھ کر آج کوئی نیا

سبز باغ دکھانا چاہتے ہو؟" اس کے لہجے میں گویا آگ بھری ہوئی تھی۔

"من نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ تم آؤ تو بتانا ہوں نا۔۔۔!" وہ گھبراتے ہوئے بولنا بلاشبہ دوسری نرس بھی یہ سب سن رہی تھیں۔

"بہنیں بناؤ کیا بتانا چاہتے ہو اور یہ جو میڈم آپ کے ساتھ آئی ہیں ضرور کوئی نئی دیکھ کر آئی ہیں۔۔۔ ان سب کے سامنے دیں مجھے

دیکھ کر یہ بھی خوف زدہ ہو جائیں یہ بھی وہی کچھ کریں جو تم جیسے لوگ چاہتے ہیں۔"

اس نے نفرت بھری نگاہوں سے بیگم شیم کی طرف دیکھتے ہوئے ڈاکٹر جمیل سے کہا۔ جب بیگم شیم آگے بڑھی اور پیار بھر سے لہجے میں

بولی۔

"تم غلط سوچ رہی ہو راحیلہ! منہا نے تم پر لگے ہوئے الزامات کی تحقیق کی ہے۔ سب غلط ہیں۔ منہا تمہیں یہی بتانے آئی تھی کہ تم

آرام سے رہو کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

"اتنی جلدی۔۔۔ میڈم! اتنی جلدی تحقیق ہو سکتی تھی۔ بہت تیز نیٹ ورک ہے آپ کا، تحقیق کرنے کا یا آپ بھی اس ڈاکٹر کے نیٹ ورک

سے تعلق رکھتی ہیں؟" راحیلہ جیسے پھر گئی۔

"سنو ٹرکی! اگر تم صاف صاف ہی سننا چاہتی ہو تو۔۔۔" یہ کہہ کر بیگم شیم نے قدرے غصے میں کہا۔ "اگر تم پر کوئی الزام لگا بھی ہے تو ڈاکٹر

جمیل کی ہی وجہ سے ختم بھی ہو گیا ہے ورنہ جس ڈیم پر تم بات کر رہی ہو اتنی آگ اگل رہی ہو یہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر رہنا ہے تو آرام

سے رہو نہیں رہنا تو مجھے یہاں سے نکالنے کے بہت طریقے آتے ہیں۔"

"تو میڈم آپ وہ طریقے آزما لیں۔۔۔" راحیلہ نے صاف انداز میں نفرت اور غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"اؤ نہیں۔۔۔ میڈم! آپ چھوڑیں غصہ۔ یہ لڑکی تو پاگل ہے آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔" ڈاکٹر جمیل نے ہات بڑھتی دیکھ کر

تیزی سے کہا۔

"یہ آگ تمہی نے لگائی ہے ڈاکٹر جمیل! اور نہ اس جیسی جو بنیاں تو منہا ویسے ہی اپنی چٹکی میں مسل دوں۔ اس کے پر نکل آئے ہیں تو کیا

ہوا؟" بیگم شیم کا غصہ ہی ٹھنڈا نہ ہوا۔

"منہا بھی جانتی ہوں تم کس ڈیم پر بات کر رہی ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ میری جان چلی جائے گی منہا مر جاؤ گی کوئی بات نہیں

لیکن کیا تم سلامت رہو گی تمہاری یہ چٹکی؟۔۔۔ جاؤ چلی جاؤ اور اپنے طریقے آزماؤ منہا بھی دیکھتی ہوں کہ تم کیا کرو گی۔" راحیلہ نے شدید نفرت سے کہا۔

"میڈم! کیا کر رہی ہیں آپ؟ میں نے آپ سے کیا درخواست کی تھی؟— چھوڑیں۔ پلیز! آپ میری طرف دیکھیں۔" ڈاکٹر جمیل صاف پراتر آیا۔

"میں ڈاکٹر صاحب! میں تو بس لڑکی کے بھلنے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ خود چل کر بتانے آئی ہوں کہ تم پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہے جبکہ اس کا حراج ہی آسمانوں پر ہے۔ یہ اگر ایک بد معاش پال سکتی ہے تو میرے ہاتھوں میں نبھانے ایسے کتنے بد معاش ہیں۔ اس کی خبر بھی نہ ہوگی کسی کو۔۔۔" میڈم نے غصے میں کہا! اسے راجیلہ کا رویہ بہت برا لگا تھا۔

"تم میرا بھلا مت چاہو اور اپنے بد معاشوں سے کہہ دو کہ میری شرمگم کر دیں! اگر بہت ہے تو۔۔۔" راجیلہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"راجیلہ کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ جس سے عظیم شیم ایک دم سے خوف زدہ ہو گئی۔ بلاشبہ وہ ایک گھناک عورت تھی! اس قدر آگ کو وہ بھجوتی تھی۔ وہ تو ڈاکٹر جمیل کے کہنے پر معاملہ رفع و دفع کرنے کے لیے تھوڑا دبا کر سمجھا کر بات ختم کرنے آئی تھی لیکن راجیلہ کا رد عمل! کئی کراہے نہیں لگتا تھا کہ بات معمولی سے اعزاز میں سلجھائی جا سکتی ہے! مگر بھی اپنی عزت کا پاس رکھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے! ڈاکٹر صاحب! آپ کہتے ہو تو میں اسے چھوڑ دیتی ہوں! ورنہ یہ اس قابل ہے نہیں۔۔۔ آپ بھی نبھانے کس کس کی سفارشیں کرنے لگ جاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ ایس پٹھے لگی تب ڈاکٹر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں! آپ نے بہر حال کوئی ایکشن نہیں لینا۔۔۔"

"مت کرو سفارشیں! ڈاکٹر! یہ نہ ہو کہ میں ابھی تمہارا گریبان پتھروں۔"

راجیلہ نے اس ڈرامہ بازی کو دیکھتے ہوئے زخمی شریفی کی مانند کہا تو ڈاکٹر جمیل ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"میں تمہارا مجرم ہوں! راجیلہ! مجھے معاف کر دو۔ آئندہ کبھی کوئی بات نہیں ہوگی! یہ چند مہینے تم میری شکل بھی نہیں دیکھو گی! تمہیں جو تکلیف

اور اذیت ہوئی! میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔"

"میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔۔۔ ہاں! اگر تم اپنی شکل نہ دکھاؤ تو میں اپنی نظرت اپنے سینے میں دبا لوں گی! سمجھا لینا اپنے جیسے

دوسروں کی بھی۔"

اس نے آخری فقرہ کہتے ہوئے عظیم شیم کی جانب دیکھا! جس کے تھلانے کے اثرات اس کے چہرے پر واضح تو ہوئے لیکن وہ بولی کچھ

نہیں! مگر ڈاکٹر وہاں پلٹ گیا۔ عظیم شیم بھی اس کے پیچھے ہی چل دی۔ وہ دونوں چند قدم ہی بڑھے تھے اور راجیلہ اپنے آپ میں آ رہی تھی کہ اس کی

ٹٹاؤ اسے فاصلے پر کھڑی زیتون بی بی پر پڑی جو اس کی جانب بہت غور سے دیکھ رہی تھی! نبھانے دو کہ آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"آپ۔۔۔ آپ کب آئیں؟" راجیلہ نے اس کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے!۔۔۔" زیتون بی بی نے یوں کہا جیسے وہ خود خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو! اور اس سے بات کر رہی ہو۔

”فرمائیے منیں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟“ راحیلہ نے پوچھا۔

”منیں اپنے گھر جا رہی تھی۔ سوچا تم سے ملتی جاؤں لیکن یہاں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ زک گئی پھر دھیرے سے اٹھتے ہوئے بولی۔

”تھوڑی دیر پہلے تمہارا زہد اپنا اچھا لہجہ جس نے مجھے یہاں تک آنے پر مجبور کر دیا اور اب ان دونوں سے اسکی باتیں۔۔۔ یہ کیا ہے بیٹی؟“

اُس کے یوں کہنے پر راحیلہ کا من ایک دم سے بھر گیا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اُس کی ماں جس کے سامنے آ کر اُس سے پوچھ رہی

ہو۔ اُس کا دل چاہا کہ زینون بی بی کے گلے لگ کے ساری بات کہہ دے اپنے من کا سارا بوجھ اتار پھینکے۔ ماں کے گلے لگ کر اپنا ڈک کہہ دینا کتنا

سکون بخش ہوتا ہے۔ یہ وہی جان سکتے ہیں جن کی مائیں ہوں اور ان ماؤں کا اتنا حوصلہ ہو کہ وہ سارے ڈک اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔ راحیلہ کی

ماں تو ویسے ہی ڈکوں بھری زندگی گزار رہی تھی وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ڈک سے نہیں بٹا سکتی تھی۔

”کیا بات ہے بیٹی۔۔۔؟“

زینون بی بی نے پھر پوچھا تو وہ چونک کر اپنے آپ میں آ گئی۔ وہ لہجوں میں نوازنے کہاں سے کہیں جا پہنچی تھی۔ اُس نے اپنی آنکھوں میں نمی

مٹوس کی اُسے زینون بی بی کا چہرہ دیکھ لیا اور وہ لگا لگا کر بولا۔

”کوئی بات نہیں ماں جی! بس پوچھی۔“ راحیلہ نے دھیرے سے کہا اور تھیلی کی پشت سے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔

”چلو اپنا ڈک مجھے نہ تاؤ لیکن ایک وعدہ کرو مجھ سے۔“ زینون بی بی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تائیں۔۔۔؟“ راحیلہ نے اشتیاق سے کہا۔

”مجھ سے ملنے ضرور آؤ گی جب بھی میں تمہیں بلاؤں۔“ زینون بی بی نے یاد دہرائے لہجے میں کہا۔

”جی ضرور۔۔۔ منیں آپ کو اپنا فون بھردے دیتی ہوں۔“

راحیلہ نے اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر ایک چھوٹے سے کاغذ پر اپنا تمام اور نمبر لکھ کر اُس کی جانب بڑھا دیا۔ زینون بی بی نے

وہ لیا اور ایک گہری ٹھانڈا لٹتے ہوئے واپس پلٹ گئی تھی اُس کی ساتھی نرس نے کہا۔

”راحیلہ! تم نے تو کمال کر دیا۔ یہ ڈاکٹر اور میڈم۔ کیا جاؤ گی ان پر۔۔۔؟“

”میرا کوئی جاؤ نہیں ہے۔“

راحیلہ نے کہا اور اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایک دم سے اُس کے دماغ میں اسنے خیالوں نے یورش کر دی تھی کہ

اُسے کچھ ہی دن آئی کہ وہ کس پر سوچے؟ اسی لیے سارے ہی خیالوں کو ذہن سے نکال کر وہ یوں مست کر بیٹھ گئی جیسے اس پوری دنیا سے لاتعلقی ہو گئی ہو۔

☆☆

اگرچہ تیمور سے بات کر کے صنفی کچھ مطمئن ہو گئی تھی تبھی انہوں نے اُسے پوری طرح یقین کیوں نہیں آ رہا تھا۔ اُسے صرف تیمور کے خاندان سے

خوف تھا۔ اگر انہوں نے ہی اُسے قبول نہ کیا تو پھر کیا فائدہ ہے تیمور کی ہوجانے کا؟ پان لیا کہ اُس کا تھوڑا بہت بڑنس ہے لیکن اتنا نہیں جتنا وہ اپنے

خوابوں میں دیکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ سوچ پروان چڑھ رہی تھی کہ اگر اس کے خاندان سے اسے قبول نہ کیا تو ان دونوں کو ایک نئے سرے سے زندگی کی شروعات کرنا ہوں گی جس کے لیے انہیں بڑی جدوجہد کرنا پڑے گی۔ مگر یہ ایک طرح سے ٹھیک بھی تھا! اسے اپنا آپ منوانے کا بہت اچھا موقع مل جائے گا۔ اس دن کانگ سے آ کر منیہ! انہی سوچوں میں کھوئی رہی تھی لیکن دو کسی منطقی فیصلے پر نہیں پہنچی تھی۔ سارا دن کانگ میں انہی سوچوں میں گھری دو: اب اس گھر آگئی۔ اسے یہ جان کر خوش ہوئی تھی کہ ماہ ہسپتال سے گھر واپس آگئی ہیں۔

”ماما! کسی طبیعت ہے آپ کی۔۔۔؟“ اس نے ڈرائنگ روم میں بیٹھی زینون بی بی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔۔۔“ اس نے ویرے سے جواب دیا۔

”ماما! آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا آپ ڈراما بھی پریشان نہ ہوں۔“ دو اس کے قریب بیٹھے ہوئے ویرے سے بولی۔

”بی بی! تم جاننا دو تمہارا باپ اب منیہ تمہارے کسی بھی معاملے میں نہیں آؤں گی۔“ ماما نے بھی ویرے سے کہا۔

”تو آپ ناراض ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ناراض تو انہوں سے ہوا جاتا ہے تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم میری بی بی نہیں ہو۔“ ماما نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے لڑتے لہجے میں کہا۔

سی ٹاپ

سی ٹاپ۔ مظہر کلیم کی عمران سیریز کا ایک ناول ہے جس میں پاکیشیا کا ایک اچھالی اہم سائنسی فارمولہ یورپ کی مجرم تنظیم کے ہاتھ لگ گیا ہے جسے خریدنے کے لئے انہریمیا اور امریکل سمیت تقریباً تمام سپر پاورز نے اس مجرم تنظیم سے مذاکرات شروع کر دیئے۔ گو یہ مجرم تنظیم عام بد معاشوں اور فنڈوں پر مشتمل تھی لیکن اس کے باوجود تمام سپر پاورز اس تنظیم سے فارمولا حاصل کرنے کے لئے اسے ہماری رقم دینے پر آمادہ تھیں حتیٰ کہ عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو بھی اس فارمولے کے حصول کے لئے اس تنظیم سے بار بار سولے بازی کرنا پڑی اور ہماری رقم دینے کے باوجود فارمولا حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ اس کے باوجود وہ اسے مزید رقومات دینے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ ایسا کیوں ہوا۔ کیا عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس ایک عام سی مجرم تنظیم کے مقابلے میں ہوں گے تھے؟ بر لحاظ سے ایک منفرد کہانی، جس میں پیش آنے والے حیرت انگیز واقعات کے ساتھ ساتھ تیز رفتار ایکشن اور بے پناہ سائنس نے اسے مزید منفرد اور متاز بنا دیا ہے۔ **سی ٹاپ** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

”ماما یہ کیا کج بردہاں ہیں آپ۔۔۔؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں اپنی اور شے احترام کے ہوتے ہیں مان، دوقیہ قائم رہتے ہیں ورنہ یہ کچھ دعا گے کی مانند ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ رشتے تحفظ کا احساس دیتے ہیں، نرم اور شفقتی چھاؤں ہوتے ہیں اور جب یہی میسر نہ ہو تو ٹھکر رشتے نہیں ہوتے، بس مجبور ہاں ہوتی ہیں۔“ ماما نے یوں کہا جیسے یہ سب کہتے ہوئے اسے بہت دکھ اور ہاں۔

”آپ اس طرح کیوں سوچتی ہیں؟۔۔۔ منسا آپ کی بیٹی ہوں۔ ہم دونوں بھی چاہیں تو اس سے انکار نہیں کر سکتے تو پھر اس قدر سختی کیوں؟“ وہ رو رہا ہوا ہوتا ہوا پوچھا۔

”منسا تم سے بحث نہیں چاہتی، منصیہ! ہاں یہ چاہوں گی کہ تم مجھے تنہا چھوڑ دو۔“

ماما نے اجنبیت بھرے لہجے میں کہا تو منصیہ اس کی طرف حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ چند لمحے وہ یونہی ساکت سی رہی پھر اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔۔۔

ماما کے رویے نے اُسے بہت دکھ دیا تھا۔ وہ ایک دم سے اجنبی ہو گئی تھیں جیسے ان کی کوئی غلطی عیاں ہو گیا ہو یا اس نے اپنی بیٹی مان سے انکار کر دیا ہے۔ منصیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں غلط ہے؟۔۔۔ مان کے خدشات اپنی جگہ، لیکن اُس نے کچھ بھی غلط نہیں کیا تھا۔ اگر وہ اپنی زندگی بنانے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے تو اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔ وہ اُس کی ماں ہے۔ اُسے سمجھنا چاہئے کہ جسے میں پسند نہیں کرتی ہوں، جس سے نفرت ہے مجھے تو پھر بار بار اسی کا ذکر کیوں کرتی ہیں۔ اس کی اپنی سوچ ہے زندگی گزارنے کے بارے میں، اس کا اپنا نظریہ ہے۔ بدلتے ہوئے زمانے میں کس طرح زندگی گزارنا ہوگی یہ انہیں نہیں معلوم۔ وہ تو اپنی گزار چکی ہیں انہیں تو اپنی انہی روایات کے بارے میں معلوم ہے جس زمانے میں وہ جی رہی تھیں۔ اب وہی سب کچھ مجھ پر مسلط کرنا چاہیں تو منسا اسے کیسے قبول کر لوں؟ اگر مگر کی چار دیواری میں رہنے والی، بس کوئی معلوم کہ دنیا کے ساتھ چلنے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔۔۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسی زندگی گزارے کہ جس طرح عام لڑکیاں پہلے تو اچھا بھلا چلنے کی امید میں بیٹھی راتی ہیں اور پھر جیسا بھی گھرنے لگے اسی کو ہمانے کے چکر میں اپنے آپ پر جبر کرتی ہوئی زندگی گزار دیتی ہیں۔ وہ ایسی زندگی گزارنے کی قائل ہی نہیں تھی جس میں دوسروں کا دست بھرنا پڑے۔ وہ زندگی میں جدوجہد کی قائل تھی یہاں تک کہ وہ دوسروں کو اپنا دست بھرنا لے۔ اُسے اپنے ہونے کا پوری طرح احساس تھا۔ اگرچہ اس کے پاس فونوں کی دولت بہت زیادہ نہیں تھی لیکن حسن کی دولت تو اس کے پاس تھی جس سے وہ ہر ممکن حد تک فائدہ اٹھاتا چاہتی تھی۔ تیور ہاں کے حسن کا گردیدہ ہو گیا تھا وہ حسن کی طاقت کو آزمانا چاہتی تھی مگر ان باتوں کا وہ اظہار کرنا ہی نہیں چاہتی تھی کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ یہ باتیں اس کے گھروالوں کی سمجھ میں نہیں آنے والی ہیں۔ وہ اپنے خوابوں کو حاصل کر لینا چاہتی تھی جس میں دنیاوی جیسے لوگوں کی قطعاً گنجائش نہیں تھی جبکہ اس کی ماما ان کا ذکر کر کے اسے ڈسٹرب کر کے رکھ دیتی تھی اُسے یوں لگتا جیسے وہ اذنان بھرنا چاہتی ہے لیکن اُس کی ماما اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈال رہی ہے۔۔۔ وہ اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ فون بیل نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے نمبر دیکھا تو وہ تیور کا تھا۔

"ہیلو۔۔۔" اُس نے دھیسے سے لہجے میں یوں کہا جیسے آہ بھری ہو۔

"کیا بات ہے 'صفوا' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا، کیا ہوا ہے؟" تیمور نے تیزی سے کہا جیسے اس کی ذرا سی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھا ہو۔

"بس کیا بتاؤں۔۔۔ منیں بہت ڈسٹرب ہوں، سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں؟" وہ اسی لہجے میں بولی۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا ہے 'مطلب'؟۔۔۔ خیر تم یوں کہو کہ ایک ایسے سے لُججے کے لیے آ جاؤ ہیں باتیں ہوں گی۔" تیمور نے کہا۔

"منیں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی ہوں، تیمور! منیں تم سے تھوڑی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" وہ مایوس لہجے میں بولی جیسے وہ بہت پریشان

ہے۔

"اس لیے نا۔۔۔ مجھے بس ذرا سی دیر ہوگی تمہیں فون کرنے میں میرا خیال ہے کہ تم ابھی گھر پہنچی ہو گی اور ابھی تک لُججے نہیں کیا ہو گا۔"

تیمور نے اندازے سے کہا۔

"ہاں ایسا ہی ہے۔" اُس نے پھر دھیسے سے لہجے میں جواب دیا۔

"تو بس پھر تم جلدی سے آ جاؤ منیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" یہ کہتے کر تیمور نے ریستوران کا نام بتایا۔

"منیں آ رہی ہوں۔۔۔"

صفیہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اُس نے جلدی سے کالج نوٹیاں دیکھ کر آ رہی۔ موسم کی مناسبت سے خوبصورت سا ڈریس پہنا، ہنسی بٹکاسا

میک اپ کیا اور خود ہی گاڑی لے کر نکل گئی۔

ریستوران کے ایک ٹیم تارک سے گوشے میں دو دونوں آسنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ تیمور نے دیکر اشارہ کر دیا تھا تاکہ اُس کے

آرڈر کے مطابق کھانا لے آئے۔ چند تہمدیدی باتوں کے بعد اُس نے پوچھا۔

"صفوا! کئی بات تو یہ بتاؤ کہ تم ڈسٹرب کیوں ہو۔۔۔؟"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ منیں تمہیں کیسے بتاؤں۔۔۔ میرا خیال ہے رات بوجھم نے فون پر بات کی تھی اب اس سے اندازہ ہو جانا

چاہئے کہ منیں ڈسٹرب کیوں ہوں۔۔۔؟" صفیہ نے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ منیں نے تمہیں رات ہی بتا دیا تھا کہ منیں اپنی ماما سے بات کروں گا وہ پاپا سے بات کریں گی! اس میں تھوڑا وقت تو لگے گا۔۔۔" اُس

نے سمجھانے والے انداز میں مزید کہا۔ "تمہارے فون کے بعد منیں بہت دیر تک سوچتا رہا ہوں۔ منیں نے سوچا ہے کہ چاہئے بہت اذیت لگ جائے۔

مہینہ دو مہینے یا اس سے تھوڑا زیادہ وقت پہلے ہزاری منگنی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد ہم دونوں اشتراک میں بزنس شروع کر دیں گے۔"

"ایسا کیوں۔۔۔؟" صفیہ نے دھیسے سے پوچھا۔

"اس لیے میری جان! کہ دونوں طرف سے والدین کی ہمیں سپورٹ حاصل رہے گی! انکا اعتماد شامل ہوگا ہمارے ساتھ اور پھر تمہارے امتحان

ہو جائیں تو اس طرح کے معاملات دیکھ سکو گی۔ منیں نہیں چاہتا کہ ہماری ذرا سی نطفن یا جلد بازی سے معاملہ خراب ہو جائے۔" اس نے آہستہ آہستہ کہا۔

خلق تباہے خلق بتا

”تمہاری بات دل کو لگتی ہے اور مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے، تیمور! لیکن مجھے کسی بھی اُنہونی سے ڈر سا لگتا ہے۔“ اُس نے لرزاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیا— کیا اور ہے تمہیں؟“ تیمور نے تیزی سے پوچھا۔

”میری اماں— تم ان کے بارے میں نہیں جانتے ہو۔ وہ پرانے خیالات کی ہیں! انہیں سے زیادہ وہ رشتے ناتوں پر اعتماد کرنے والی ہیں۔ منٹن کل سے ہی ڈر رہیں ہوں۔ پتہ ہے، میری اماں کے ہسپتال میں تھیں۔۔۔“ اُس نے دُکھی لہجے میں بتایا۔

”کیا وہ ہسپتال میں تھیں۔۔۔ کیا ہوا تھا اب کیسی ہیں؟“ تیمور نے تشویش سے پوچھا۔

”انہیں تمہارے اور میرے بارے میں معلوم ہوا تو یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکیں۔ اسوج بھی نہیں سکتی ہیں کہ میں یوں تم سے ملوں۔ یہ سنتے ہی وہ بے ہوش ہو گئیں اور پھر انہیں ہسپتال لے جا یا پڑا۔ آج تو اُنہوں نے مجھ سے بات بھی نہیں کی۔“ صفیہ نے لگا ہی جاتے ہوئے کرب سے کہا۔

”اُوہ تو یہ معاف ہے۔۔۔ تیمور نے سوچتے ہوئے کہا پھر پھر لمحے وقف کے بعد بولا۔ ”اس کا مطلب ہے ہمیں اور بہت زیادہ محتاط ہونا پڑے گا۔۔۔ خیر تم گزرتے کرو۔ منٹن سب دیکھ لوں گا۔“

”تیمور! اگر دیر ہوگئی تو ممکن ہے وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔۔۔“ صفیہ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے خوف زدہ انداز میں کہا۔

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔“ وہ حوصلہ دیتے ہوئے بولا پھر سوچ بھرے لہجے میں پوچھا۔ ”تمہارے پاپا—؟“

”وہ میرے ساتھ ہیں اور میری ہر بات مانتے ہیں، سمجھتے ہیں۔ یہ جو میں اپنے خوابوں کی بات کرتی ہوں، تو صرف اسی وجہ سے۔۔۔ منٹن اگر اپنا برنس نہیں کر سکتی تب بھی منٹن ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں گی۔ انہیں مجھ پر حدود و جہاں ہے۔“ وہ قدرے حوصلہ مند لہجے میں بولی۔

”تو پھر تم کون گھبراتی ہو؟“ سب ٹھیک ہو جانے کا اب یہ سارا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ تم بس اپنے کالج کا فائنل ایئر مکمل کرو۔ تمہاری اماں کو ہزارے ملنے پر اعتراض ہے تو ہم اتنا زیادہ نہیں ملیں گے اور انہیں معلوم بھی نہیں ہونے دیں گے۔ تم اس دوران ان کا بھی اہتمام حاصل کرنے کی

کوشش کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اُس نے عام سے انداز میں بھرپور یقین سے کہا۔

”منٹن بہت گھبراتی تھی تیمور تمہاری باتوں نے مجھ بہت حوصلہ دیا ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”تم بھی ہنسی مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو— اپنے سارے غم مجھ سے دو۔“

تیمور نے اُس کی جانب بجا بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اسی اثنا میں وہ میز ان کے لیے کھانا چننے لگا تو وہ اس طرف متوجہ ہو گئے۔

☆☆

چند اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تازہ اخبار پڑھ رہا تھا۔ اگرچہ شام ہونے کو آگئی تھی لیکن وہ ابھی تک اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ اُس

کے لیے کھانا بنانے والا لڑکا سلطان کنہی ہارا کر پوچھ چکا تھا کہ وہ اس کے لیے کھانا بنائے یا نہیں؟ ہر بار وہ اسے یہی کہہ دیتا کہ توڑی دیر بعد تائے گا۔۔۔ اصل میں اُس کے دو ماغ میں دو طرح کی باتیں چل رہی تھیں۔ اُس کا اچھا چاہ رہا تھا کہ وہ باہر کھٹی لٹھائیں لٹکے اور کسی کے ساتھ خوب جی بھر کے باتیں کرے۔ سب سے پہلا نام اُس کے ذہن میں راحیلہ ہی کا آیا تھا لیکن توڑی دیر سوچنے کے بعد اُس کا دل نہیں مانا۔۔۔ آج صبح وہ سو رہا تھا جب راحیلہ کا فون آیا تھا۔ اُس نے نیند بھری آنکھوں سے نمبر دیکھا اور پھر خرابا لہو آواز میں کہا۔

”ہاں پولو راحیلہ۔۔۔؟“

”آپ سو رہے ہو۔۔۔؟“

”ہاں سو رہا تھا جب سو رہا دیر سے تو اٹھنا بھی دیر ہی سے ہوگا۔ تم پولو؟“ اُس نے آنکھیں بند کیے ہی کہا۔

”میں بعد میں کروں گی۔۔۔“ راحیلہ نے جلدی سے کہا۔

”ارے نہیں پولو۔۔۔“

اُس نے تیزی سے کہا تو راحیلہ نے ڈاکٹر جمیل اور حکیم فہم کے آنے کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا۔

”مجھے امید ہے کہ اب وہ دوبارہ تمہیں تنگ نہیں کریں گے۔“ وہ عجبیگی سے بولا۔

”لگتا تو یوں ہے لیکن کیا کسی انسان کی خصلت بھی بدل جایا کرتی ہے۔۔۔؟“ راحیلہ نے ڈھکی اُل سے سوال کیا۔

”میں اس بارے میں نہیں جانتا لیکن جو اُس کے ساتھ ہو گئی ہے اگر اس کے باوجود بھی اُس نے اپنا رنگ دکھایا تو اپنی جان سے ہاتھ دلو

بیٹھے گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔“ وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا۔

”خیر میں نے آپ کو بتانا تھا آپ آرام کرو میں بعد میں فون کروں گی۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔“

جنید نے کہا اور پھر فون سر ہانے رکھ کر سو گیا۔ اور اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ راحیلہ کو فون کرنے اسکے ساتھ کسی بھی اچھے سے

رہستوران میں بیٹھ کر کھانا کھائے لیکن اسکے ساتھ جنید کے ذہن میں یہ خیال ابھر رہا تھا کہ راحیلہ کے شکر یہ کہے تو جو نہیں سمجھتے بھی نہیں گزرے ہیں اور

وہ اسے بلا لے۔ وہ کیا سوچے گا کیا یہ بیہوشی نہیں ہے کہ اک ذرا سے احسان کے بدلے میں وہ اس کی رفاقت چاہے؟۔۔۔ اپنے ضمیر کی سرد لٹس پر

اُس نے اس بابت سوچنا ہی چھوڑ دیا لیکن دل لگا تارنا سے اکسار ہوا تھا، معلق۔ یہاں تو اور لٹیس دے رہا تھا اور وہ مسلسل اسے نظر انداز کرتا چلا جا رہا تھا۔

جنید کے ذہن میں دوسرا شخص ہمایوں تھا۔ وہ اُسے بہت کام کا آدمی مضمون ہوا تھا اُس کے ذہن میں وہ بہت سارے کام کر سکتا تھا۔ اگرچہ یہ

بات اُس نے بہت پہلے بھانپ لی تھی لیکن ماہرہ ڈرائیج کے آگے کے بعد وہ اُس کی نگاہوں میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ جنید کو احساس ہو گیا تھا

کہ ہمایوں پیسے ہونے شے سے تعلق رکھتا ہے جسے اپنی تمام تر خواہشوں کو پورا کرنے کا ایک ہی راستہ دکھائی دیتا ہے اور وہ ہے دولت۔۔۔ دولت

ہمایوں کی کمزوری تھی۔ اُس نے ہمایوں کے بارے میں جو پلان سوچ رکھا تھا وہ بہت ضروری ہو گیا تھا کیونکہ جنید کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ ذیشان اُس

خلق بنا ہے خلق بنا

کے ساتھ ہاتھ کر گیا ہے۔ دراصل وہ اسے استہلال کرتے ہوئے عالمگیر کو قتل کرنے چاہتا ہے مگر ان سب باتوں کی کوئی دلیل جو ازبیا کوئی منطق اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جو وہ اپنی قیادت کے سامنے پیش کر سکے۔ اب اس کے سامنے فقط ایک ہی نازگٹ تھا اور وہ تھا روقی چوہدری! جس کو سوچ کر ساری بات تم ہو گئی تھی۔

”سرنی! سورج غروب ہونے لگا ہے اب تو تادیں۔۔۔ پانچ بازار سے کھانا لے آؤں۔“

سلطان نے بے چارگی سے پوچھا تو جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اڈیا رابنس چند منٹ دے دوئے میں ابھی بتا دیتا ہوں۔“

یہ کہتے کہ اس نے ہائیوں کے نمبر تلاش کر کے اسے پیش کر دیا۔ چند لمحوں بعد اس نے فون رسیو کر لیا اور کہا۔

”جو نہیں جنید بھائی۔۔۔؟“

”کیا کر رہے ہو اور کہاں ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں مگر یہ ہوں۔“ ہائیوں نے جواب دیا۔

”تو پھر یوں کر دگر سے نکل۔ میں بھی آ رہا ہوں اسی پارک میں پھر کہیں نکل چلیں گے۔“ جنید نے سمجھایا۔

”ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔۔۔“

اس نے کہا تو جنید نے فون بند کر دیا۔ پھر سلطان کو آواز دے کر کہا کہ تم اپنے لیے مٹا لویا بازار سے لے آؤ جو وہاں چاہے میں باہر جا رہا ہوں۔

”مجھے بھی ایسا اندازہ تھا کہ آپ باہری جانیں گے۔۔۔“

سلطان نے کہا تو وہ مسکرا دیا پھر تیار ہونے کے لیے اٹھ گیا۔

رات بھیک گئی تھی جب وہ دونوں ایک اونہن ایئر ریستوران کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پارک سے لے کر وہاں آنے تک اُن کے درمیان یونہی عام سی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ جنید نے جب آؤڈیو اور خاموشی سے اپنے خیالات میں یکسو ہو رہا تھا کہ ہائیوں بولا۔

”ویسے خیریت ہے جنید بھائی! آپ نے مجھے یوں بلایا۔۔۔؟“

اس کے یوں کہنے پر جنید نے چونک کر ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ اس کا لہجہ تم سے آپ پر آ جانا بڑی تہدیلی تھی۔ سو وہ چند لمبے

یونہی دیکھتا رہا پھر بولا۔

”میرے جسے بندے کے ساتھ خیریت کہاں ہوتی ہے۔ ہم وہ لوگ ہیں جن کے پاؤں میں نہ صرف پتھر ہوتا ہے بلکہ انہیں یہ تک خبر نہیں

ہوتی کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔ خیریت! سکون اور اطمینان جیسے لفظ ہمارے لیے اجنبی ہوا کرتے ہیں۔“

”آپ تو بہت مایوس دکھائی دے رہے ہیں۔“ ہائیوں نے وچیرے سے کہا۔

"سنی ماہوس نہیں ہیں یا! ایسا ہوتا تو اب تک منوں مٹی کے لمبے پڑا ہوتا۔ ویسے کسی کو بھی خبر نہیں ہے کہ اس نے یہ دنیا کب چھوڑ جانی ہے لیکن میری دنیا میں ایک خوش گمانی تو ہے جو سکون سے بیٹھے نہیں دیتی۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا پھر چند لمبے توقف کے بعد بولا۔ "خیر چھوڑ دیاں ہاتوں کو۔ تمہیں شاید یاد دہاؤ گا کہ میں نے تمہیں کہا تھا مہرے پاس تمہارے لیے ایک پلان ہے۔"

"ہاں" کہا تو تھا۔ "ہاویوں نے وہ بے وقوفے جوش سے کہا۔

"سنی چاہتا ہوں کہ وہ تم سے کہہ دوں۔ تمہاری سمجھ میں آئے تو مجھے بتانا۔" دو دھیرے سے بولا۔

"آپ کہیں تو۔۔۔" ہاویوں نے جھڑی سے کہا۔

"وہ کچھ نہ مانیں! دولت اس دنیا کی اہم ترین حقیقت ہے۔ اس میں تصور کسی کا نہیں پوری دنیا ہی مادیت کی لپیٹ میں آگئی ہے۔ ہر شے کو دولت ہی کے معیار پر پرکھا جا رہا ہے۔ اُسب ضرور بات زندگی صرف اس شخص کے لیے محدود ہو کر رہ گئی ہیں جس کے پاس آسائش خریدنے کی استطاعت نہیں۔ ہمارے پے ہوئے طبقے کے لیے تو یہ دولت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ہماری ضروریات، خواہشات اور خواب اس سے جڑے ہوئے ہیں۔" جنید نے کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ہاویوں نے اس کی تائید کی۔

"جن حالات سے تم گزر رہے ہو اس میں دولت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ تمہاری چاہت کے درمیان دولت ایک حفریت کی مانند آن کھڑی ہے جو تم دونوں میں سے کسی ایک کو اٹک جائے گی۔۔۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟" جنید نے اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

"بالکل۔۔۔ شاید میں دولت کی اپنی گنتا نہ کر سکتا ہوں مگر ایک عام انسان کی طرح یونہی زندگی گزارنے کی ہمدردی کرنا ہوتا لیکن۔۔۔"

جنید نے اس کی بات کا نتیجہ ہونے تیزی سے کہا۔ "لیکن وہ تمہاری پہنچ سے بہت دور ہو گئی صرف اس وجہ سے کہ وہ دولت مند ہیں۔"

"بالکل اس میں کوئی شک نہیں۔" ہاویوں نے اعتراف کیا۔

"بلا شہم اپنی راہ سے یہ روکات دور کرنا چاہتے ہو گے؟" جنید نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں سنی، دولت حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر مجھے معلوم ہے کہ ان حالات میں اگر میں جائز ذرائع سے دولت حاصل کرنا چاہوں تو نہیں کر سکتا۔" ہاویوں نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مہرے پاس جو پلان ہے اس میں کوئی ناجائز بات نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہیں اپنی راہ پر چلنے کے لیے کہوں گا مگر تمہیں اپنا پورا وقت اسی میں لگانا ہوگا۔ جو پلان میں تمہیں دینا چاہتا ہوں مگر اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا چاہئے۔" جنید نے دھیرے سے کہا۔

"آپ بتائیں تو کسی سنی اپنا آپ وقت کروں گا۔" ہاویوں نے اپنا قبضہ دہاتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تمہاری وکالت کوئی حیثیت نہیں رکھتی یہ بھی اختلافات کی بنیاد پر چلتی ہے۔ تمہارا اطمینان ابھی تمہیں وہ مقام نہیں دے گا جو فی زمانہ وکالت کے لیے چاہئے ہوتا ہے۔" جنید نے کہا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یہ سب دولت ہی سے ممکن ہے اور میرے پاس۔" ہائیوں نے کہا۔

"میری جان واقعی تانے جا رہا ہوں۔ تم خود کو گوام میں مقبولیت کے لیے تیار کرو دو سب سوچو اور ان پر عمل کرو جس سے تمہیں عوامی مقبولیت حاصل ہو۔ غریب لوگوں کے مستحق لوگوں کے کام آؤ۔ ان کے لیے منت میں لڑا، حجاب کا کوئی موقع نہ جانے دو۔ شہر میں ہونے والی کوئی تقریب ہو اس میں تمہیں پیش پیش ہونا چاہئے۔ ایک پریشر گروپ بنا لو جو انتظامیہ پر دباؤ ڈال سکے۔ مطلب منس تمہیں ایک سیاستدان کے رُپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"منس اور سیاست۔۔۔؟" ہائیوں پریشان سا ہو گیا۔

"ہاں تم اس حلقے کی سیاست کرو۔ وہ جو سیاستدان اپنے انتخابی پوسٹروں پر جموٹے نعرے لکھتے ہیں، ایسے بے لوث خدمت دے کر خوف قیادت وغیرہ۔ منس تمہیں ویسا ہی تاثر دینا ہے۔" جنید نے اس کے چہرے پر بدلتے ہوئے رنگوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جنید بھائی! سیاست بھی انسان ہی کرتے ہیں اور جو رنگ اُٹھانے کے ہیں وہ کچھ اور ہی چیز ہے لیکن منس۔۔۔"

"تم جو کتنا چاہتے ہو منس! سے سمجھ رہا ہوں۔ تم اس میں خرچ ہونے والی رقم کی پروا نہیں کرتے، وہ منس تمہیں دوں گا لیکن کبھی بھی اور کسی سے بھی میرا ذکر نہیں ہوگا۔۔۔ اب تمہارا گھوسٹ سے یہ سوائی ہونا چاہئے کہ منس ایسا کیوں چاہتا ہوں؟"

"ہاں۔۔۔ یہ تو ہے؟" ہائیوں نے کہا۔

"تو پھر جان لو منس اس شہر پر مسلط منافق سیاستدانوں کا توڑ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میں ہمت ہے میرے ساتھ اپنا مقصد بھی حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ میدان میں آ جاؤ۔" جنید نے اسے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

"منس اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔" ہائیوں نے جب یہ لفظ کہے تو اس کے رخسار میں صغیر کا مارا ہوا آئینہ گونج گیا تھا۔ اس کی بازگشت ابھی ٹھہری تھی کہ پولیس کے ہاتھوں بے عزت ہو جانے کی غلطی نے اسے بے حاف کر کے رکھ دیا۔

"تمہارا اور میرا رابطہ فون پر رہے گا۔ مجھے جس قدر تمہارا کام دکھائی دے گا منس اس قدر تمہیں رقم فراہم کرنا چلا جاؤں گا اور تمہیں ہے ہمارا یوں ملنا آخری ہاری ہو۔" جنید نے وغیرہ سے کہا۔

"منس! ایسا نہیں ہو سکتا۔" ہائیوں تیزی سے بولا۔

"تمہیں ہے ایسا نہ ہو لیکن تم بھی سمجھو۔" جنید نے اس پر واضح کر دیا۔

"ٹھیک ہے جنید بھائی! منس تیار ہوں۔"

ہائیوں نے حتمی لہجے میں کہا تو جنید نے اپنی جیکٹ کے اندر ہاتھ ڈالا اور ایک پھولا ہوا لفافہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اسے اٹھاؤ۔۔۔ اور ہاں یاد رکھنا جس دن بھی تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔"

"منس! ان معاملات کو دیکھتا ہوں۔" ہائیوں نے وہ لفافہ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات اور ہے ہماریں! تم قاروق چو ہدری کے ہارے میں تو جانتے ہو۔ بات وہیں ختم ہوئی تھی اس کے ہارے میں تصدیق کرنی ہے۔ یوں یہ کام کر سکو گے؟" جنید نے پوچھا۔

"یوں نہیں اس سے تصدیق آپ ہی کریں۔ آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ میرا تعلق آپ سے ثابت نہیں ہونا چاہئے اس طرح تو میں سامنے آ جاؤں گا۔۔۔ ہاں قاروق چو ہدری کے ہارے میں معلومات آپ کو مل جائیں گی۔"

"بہت خوب۔۔۔" جنید نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "تم نے اتنی بار ایک بات اپنے ذہن میں رکھی۔ تم اس کے ہارے میں معلومات دو میں اس سے جلد مل لینا چاہتا ہوں۔"

"یہ کام تو تمہیں ہو گیا۔" ہاتھوں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

پھر اس حوالے سے وہ اس وقت تک آپس میں باتیں کرتے رہے جب تک کھانا سامنے نہیں آ گیا۔۔۔ آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی جب وہ دونوں وہاں سے نکلے۔ جنید اپنا خواب ہماریوں کے سپرد کر کے قدرے پرسکون ہو گیا تھا اب بس اس کے نتیجے کا اسے انتظار بہت مہرہ خجل سے کرنا تھا۔

☆☆

شکنبہ

گلبرگ ناول پاکستان میں ہونے والی تحریک کاری کے پس منظر میں لکھا گیا ہے ہمارے ہاں گذشتہ کچھ سال سے "ٹریک ٹو ویڈیو" کا غلط فہمی زیادہ سی زدہ رشور سے چلایا جا رہا ہے۔ ہاور کیا جانا ہے کہ محبتوں کے جوڑنگ آلودہ راز کے کھولنے میں کھولیں وہ شاید عوام بلکہ عوام بھی نہیں دانشور خواتین و حضرات اپنی مساعی سے کھولنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

لیکن۔۔۔ اس ٹریک ویڈیو کی آڑ میں کیا گھٹا ڈٹا کھیل رہا جا رہا ہے بھارتی اتھلیٹس ایجنسیاں "بھولے ہوشا ہوں" کو کس کس طرح اپنے جال میں پھانسی ہیں اور ان سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ یہی اس ناول کا موضوع ہے۔

ایک اور بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ پاکستان اپنے ہاں ہونے والے ہر واقعے کی ذمہ داری "را" پر ڈال دیتا ہے۔ یہ بات کس حد تک سچ ہے؟ کس حد تک جموٹ؟ شاید ان سوالات کے جواب بھی آپ کو اس ناول کے مطالعے سے مل جائیں۔ محبتوں کی آڑ میں منافقتوں کا دھندہ کون چلا رہا ہے؟ دشمن کی سازش کیسے انجام پاتی ہے اور اس سازش کا شکار ہم انجانے میں کیسے بن جاتے ہیں میں نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔ یہ ناول کتاب گھر کے ایکشن ایڈیٹور جاسوسی سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

"راہیلہ! مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آخر تم چاہتی کیا ہو۔؟"

نسرین جوزف نے دیوار سے ٹک لگاتے ہوئے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ راہیلہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہی پھر دو دروازوں میں گھورتی ہوئی بولی۔
 "نسرین! یقیناً تمہیں سمجھ نہیں آ سکتی کیونکہ تم اسے سمجھنا ہی نہیں چاہتی ہو۔ کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے کہ ہر طرف آگ لگا دوں۔ کچھ بھی
 نہ رہے لیکن پھر سوچتی ہوں کہ اس سے کیا ہوگا! بہت سارے بے گناہ لپیٹ میں آ جائیں گے۔ میں جو ایک گاؤں کی دیوی ڈار پوک سی لڑکی یہاں شہر
 میں آئی ہوں تو مجھے جینے کا حق کیوں نہیں دیتے۔ اب اگر میں نے انہیں کچھ کہہ دیا ہے تو گنہ گار ہو گئی ہوں۔ بہت اچھا! انصاف ہے تمہارا۔؟"

آخری لفظ کہتے ہوئے اُس کے لہجے میں تلخی آ گئی تھی۔
 "تم میری بات کا غلط مطلب لے گئی ہو۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے تھے تب تم بھی تھوڑا تحمل
 دکھاتیں۔" نسرین نے دہے ہوئے لفظوں میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ مصلحت کا تقاضا تو یہی تھا کہ میں خاموش رہتی لیکن کیا کروں میں اپنی سوچ کا جو میرے تن بدن میں آگ لگا دیتی ہے۔ ان
 کا چہرہ دیکھتے ہی میرے اندر آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔" راہیلہ نے خود گلائی سے انداز میں کہا۔

"اس آگ پر تھوڑا پابانہ زمانے کا کچھ بھی نہیں جانتا تم خود جل کر راکھ ہو جاؤ گی۔ ہمارا یہاں پر زیادہ سے زیادہ تین چار مہینے قیام ہوگا پھر
 ہم نے چلے جانا ہے اس لیے خود پر قابو رکھا کرو۔ یہ وقت بھی گزر جائے گا۔" نسرین نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
 "ہاں مجھے ایسے ہی کرنا چاہئے۔" راہیلہ نے پھر خود گلائی کے سے انداز میں کہا۔

"جس طرح ڈاکٹر جمیل نے آ کر محضت کر لی ہے اور اس کے ساتھ میڈم نے بھی تو میرا نہیں خیال کہ اب کوئی مزید بات ان کی طرف سے
 ہوگی۔ ویسے یہ سارا کام جینیدی کا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس نے کیا کیا ہوگا جو ڈاکٹر اس قدر دھمکتے پر مجبور ہو گیا؟" نسرین نے حیرت سے پوچھا۔
 "اس بارے میں میری اُس سے بات ہی نہیں ہوئی اور میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے کچھ بھی نہیں بتائے گا ورنہ وہ فون کر کے کسی راجیل کے
 بارے میں پوچھ چکا ہوتا۔" راہیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"ویسے حیرت ہے اتنی جلدی یہ سب ہو گیا اور اس سے بھی زیادہ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ وہ تمہاری مدد کرنے پر رضی کیسے ہو گیا؟"
 نسرین کو اب تک ایسا کوئی اشارہ نہیں مل رہا تھا جس سے وہ اپنا اطمینان کر سکتی۔

"تم ایسا کرنا اُس سے خود ہی پوچھ لینا۔ میں تمہیں یقین سے کہتی ہوں کہ مجھے نہیں پتہ۔" راہیلہ نے قدرے خوشنوار انداز میں کہا اور
 مسکرائی۔

"نہیں یارا! حیرت تو ہوتی ہی ہے۔ تم نے بھی تو اُس سے نہیں پوچھا۔"

وہ دھیرے سے بولی تو راہیلہ کو ہنسی کا لہجہ یاد آ گیا۔ اُس نے کس قدر غرا کے کہا تھا کہ اگر اب اُس نے کوئی ایسی حرکت کی تو اپنی جان سے
 جائے گا۔۔۔ اُسے خاموش پا کر نسرین بولی۔

"دیے تمہیں ایک بار اس سے مل لینا چاہئے اس کا شکریہ تو ادا کرونا کم از کم۔"

"ہوتا تو ایسے ہی چاہئے لیکن اس نے کبھی ایسا اظہار نہیں کیا۔ نسرین انجانے مجھے کیوں یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ عام سا ٹیک ہے اس میں کوئی خاص بات ہے۔ کیا ہے؟ ہمیں خود نہیں جانتی۔" راحیلہ نے خود کامی کے سے انداز میں کہا۔

"ہاں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ کوئی یونی اٹھا زبان کا پاس رکھتے ہوئے مدد نہیں کرتا۔ زندگی کے ان عجیب بات نے مجھے یہی سکھایا ہے اسی لیے شاید میں اب تک شک میں جتنا ہوں۔" نسرین نے بھی اسی کے سے انداز میں کہا۔

"بات کچھ بھی ہو نسرین اس نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ مرد ہے۔" راحیلہ نے کسی خیال کو ذہن میں لا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج آف ہے؟" تم یوں کر د کہ اس سے طو اس کا شکریہ ادا کر دو۔ ممکن ہے وہ یہ بتا دے کہ اس نے یہ سب کیسے کیا؟" نسرین

کو اب تک وہی تجسس ہو رہا تھا۔

"اس سے ملنے میں کوئی حرج نہیں لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ وہ کبھی ایسی بات نہیں کرے گا۔" ویسے میرا دل بھی چاہتا ہے کہ اس

سے ملوں اس کا شکریہ ادا کروں۔"

راحیلہ نے کہا تو نسرین تیزی سے بولی۔

"تو منع کس نے کیا ہے فون کرو اے۔"

تجھی راحیلہ نے فون اٹھایا اور فون میں محفوظ واحد نمبر کو پیش کر دیا۔ تھوڑی دیر میں ہو جانے کے بعد اس نے فون اٹھالیا، ٹیک سلیک کے

بعد اس نے پوچھا۔

"سور ہے تمہے آپ۔؟"

"ہوں۔ سوائے سونے کے اور کام ہی کیا ہے؟" جنید نے شمارا لبو نیچے میں کہا۔

"۔۔۔ اور میں ہمیشہ آپ کو جگا جتی ہوں۔" راحیلہ شرمندگی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ویسے فون کس لئے کیا تھا؟"

جنید نے پوچھا تو راحیلہ چند لمحوں تک گڑبڑائی پھر حوصلہ جمع کرتے ہوئے بولی۔

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کب۔۔۔؟" جنید نے پوچھا۔

"آج۔۔۔ یا جب آپ چاہیں۔"

دو تیزی سے بولی تو جنید نے چند لمحوں سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

"ٹھیک ہے دوپہر کے وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کہاں آؤ گی۔" اس کا لہجہ عام سا تھا، جذبات سے عاری، جس میں ذرا دگر تجسس

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

نہیں تھا۔

”کہیں آپ کو وقت تو نہیں ہوگی؟“ راحیلہ نے پوچھا۔

”نہیں۔ بس تم اپنا خیال رکھنا۔“

جنید نے یوں کہا جیسے وہ اسے سمجھا رہا ہو۔ مگر الوداعی مکالموں کے بعد فون بند کر دیا گیا۔

دوپہر کے بعد جنید نے جس جگہ کے بارے میں بتا یا تھا وہ وہاں پر موجود نہیں تھا جبکہ راحیلہ وقت پر وہاں پہنچ گئی تھی۔ دو چند لمبے انتظار

کرتی رہی مگر اس نے فون کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔ راحیلہ نے کال ریسیو کی اور پوچھا۔

”آپ ابھی تک یہاں نہیں پہنچے ہیں۔“

”میں چند منٹ تک پہنچ جاؤں گا تم مشرق کی جانب پیدل چلو۔“

جنید نے بتا کہا اور فون بند کر دیا۔ راحیلہ نے فون یکت میں ڈالا اور مشرق کی جانب چل دی۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلی ہوگی کہ ایک کار

بالکل اس کے قریب آن لڑی۔ راحیلہ نے اس میں جھانکا تو ڈرائیور تک سیٹ پر جنید موجود تھا۔ دو عام شلو اور قمیص کی بجائے پینٹ شرٹ میں لمبوس تھا

پہلی نگاہ میں وہ پہچانتا ہی نہیں جا رہا تھا۔ راحیلہ کا رخ بند ہو گیا۔

”آپ تو پہچانے ہی نہیں جا رہے ہیں۔“ سلام ڈوٹا کے بعد راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یارا کبھی کبھی میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں جینٹلمین بن جاؤں۔۔۔ کیا اچھا نہیں لگ رہا ہوں؟“ جنید نے سامنے سڑک پر نگاہ رکھتے

ہوئے پوچھا۔

”نہیں! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ آپ اچھے لگتے ہیں۔۔۔ واصل آپ کو کونسا بارا ایسے لباس میں دیکھا ہے!“ راحیلہ نے وضاحت کی۔

”اؤ اچھا۔۔۔ خیر محمد ذوالقادر کو اب مجھے تفصیل سے بتاؤ، وہ بارہ مگر کوئی بات تو نہیں ہوئی ان کی طرف سے۔۔۔؟“ جنید نے

پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ بلکہ دوسروں کا بھی سلوک مجھ سے اچھا ہو گیا ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے پھر سے پوری تفصیل کے ساتھ ساری بات بتا دی۔ اس دوران جنید ڈرائیور تک کرتا رہا یہاں تک کہ شہر سے باہر نکل آیا

اور بائو وے پر موجود ایک ریستوران کے سامنے گاڑی روک دی۔

”آؤ آج تمہیں مختلف قسم کا کھانا کھلاتا ہوں۔“

جنید نے کہا اور گاڑی سے باہر آ گیا۔ راحیلہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی ایک گوشے میں جا بیٹھی جہاں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اس

وقت راحیلہ کو احساس ہوا کہ وہ ریستوران والے جنید کو اچھی طرح جانتے ہیں تب اس نے پوچھ ہی لیا۔

”یہ آپ کو جانتے ہیں؟“

"ہاں بہت اچھی طرح۔۔۔" جنید نے اچھائی سمجھنے سے کہا مگر چند لمحوں کے بعد بولا۔ "یہاں میں اس وقت آتا ہوں جب مجھے کسی سے کوئی خاص بات کہنی ہوتی ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے آپ مجھ سے کوئی خاص بات۔۔۔؟" راحیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" جنید نے کہا اور مگر کتابھی چلا گیا۔ "راحیلہ! میرے جیسے بندے کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ نجانے کب کوئی گولی بدن چھید جائے یا پھر نہیں سلاخوں کے پیچھے ہوں۔ میرے جیسے لوگ کسی کے ساتھ وعدہ بھی نہیں کر سکتے۔ میں بھی کوئی وعدہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ مجھے خود پر یقین ہی نہیں ہے۔"

"نیا آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں۔۔۔؟" راحیلہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"ان دنوں میرے پاس سوائے سوچنے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔۔۔ میں نے تمہارے بارے میں بھی سوچا ہے۔ یہ ڈاکٹر وغیرہ کوئی شے نہیں ہیں جو شخص بھی پھرے پر نقاب سجا کر رکھتا ہے تاہم اگر سے بزدل ہوتا ہے کیونکہ اپنی بزدلی کو چھپانے کے لیے نقاب اوڑھتا ہے۔۔۔ ایک سوچ ہے کہ اگر میں نہ ہوں تو مگر کون تمہیں ان لوگوں سے پچائے گا۔۔۔"

راحیلہ نے بات کا نتے ہوئے کہا۔

"جنید! آپ نے جتنا میرے لیے کروایا اتنا ہی بہت ہے۔ میں ان سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتی اور نہ ہی میں اس مقصد کے لیے آپ سے ملی ہوں۔"

"تم میری بات نہیں سمجھتی ہو۔۔۔ تم نے اگر اس پروفیشن میں رہنا ہے تو اپنا ہاتھ خراب مت کرو۔" اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ چاہتے ہیں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"میری بات نہ ہی لگی۔۔۔؟" جنید نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن آپ سے اجنبیت کا احساس ضرور ہوا ہے۔" راحیلہ نے صاف کہہ دیا۔

"تم اگر میرے لیے اجنبیت کا احساس رکھو تو اچھا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ میرا کوئی بھروسہ نہیں ہے اور میں یہ سب کچھ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ جیسے ایک چوکیدار بہرہ دیتے ہوئے اونچی آواز میں مدد لگاتا ہے کہ جاگتے رہنا نہیں بلکہ ایسے ہی جذبوں کو محسوس کرنے لگتا ہوں۔ ہم جیسے لوگوں کی لکت میں ایسا بھرتا ہے جب بندہ بزدل ہو جاتا ہے۔"

"کیا آپ میرے لیے کوئی جذبہ اپنے من میں محسوس کرتے ہیں؟" راحیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں سمجھتی نہیں ہوں گا، کسی بھی مرد کی زندگی میں نسوانی احساس اپنی کشش ضرور رکھتا ہے۔ مجھے تم اچھی لگتی ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ ایک اپنائیت کا احساس ہے تم سے۔"

جنید نے مضبوط لہجے میں یوں کہا جیسے اُسے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ راحیلہ اس پر چند لمحوں کے خاموش رہی اور پھر وہ بھی اسی

مضبوط لہجے میں بولی۔

”منیں سمجھ رہی ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے ملنا اور پھر ملنے رہنا اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ تو سامنے آئے گا۔ شاید آپ ڈرتے ہیں کہ یہ ملاقاتیں کتنی محبت کا رنگ لے آئیں۔ یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔ منیں ڈرتا ہوں۔ یہ جذبہ ہم جیسے لوگوں کو اس نہیں آئے گا۔ شاید یہ ہمارے مفرد میں نہیں ہے یا پھر ہم ہی اس کے لیے نہیں بنے۔۔۔“ جنید نے اُس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کہتے ہیں تو آج کے بعد منیں آپ سے ملنا تو کیا آپ کو فون کال بھی نہیں کروں گی البتہ آپ نے جو احسان مجھ پر کیا ہے اسے منیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔۔۔ منیں چند ماہ تک ادھر ہوں پھر پلٹ کر گاؤں چلی جاؤں گی۔ اس کے بعد کتنی بھی جہاں سے مجھے نوکری مل گئی۔ اس نے بھیجے ہوئے لہجے میں ویرے سے کہا۔

”مطلب تم۔۔۔ نوکری کرو گی۔ جہاں بھی جانا پڑے۔۔۔؟“ جنید نے یوں بے ترتیب سی بات کہی جیسے کہنے کو اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

”نوکری ہی نکلے لیے تو یہ سارا ہنہمٹ پان رہی ہوں۔۔۔ ہمیں مضبوط ہے کہ ہم یہ دن کس طرح گزار رہے ہیں۔ ورنہ میری طرح کی لڑکیاں ان دنوں میں کیا کیا خواب منیں رکھتیں اور کیا میرا دل چاہتا ہے کہ منیں ایسے غیث بندے کی باتیں سنوں؟۔۔۔ یہاں بہت سارے ایسے لوگ بھی ہیں۔ ورنہ مدد مل ہیں! ہمدردی کرتے ہیں تو وقت اچھا گزار رہا ہے ورنہ خدا ہے یہ سب۔۔۔“

”گھر میں اور کون کون ہے۔۔۔؟“ جنید نے کھلی بار پوچھا۔

”یہاں منیں اور گاؤں میں میری ماں جو اپنا وقت نجانے کیسے گزار رہی ہے۔۔۔ جنید صاحب! جس طرح آپ یہ محبت ادھرہ کے چو نچلے انور ڈنہیں کر سکتے ہی طرح منیں بھی نہیں کر سکتی۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ماں نے مجھے کس طرح پالا ہے، میٹرک تک تعلیم کس طرح دلوائی ہے۔ یہ تو سہلا ہو میری آسانی ہی کا جس نے میری مدد کی پھر سکول بھی تو قریب ہی کے گاؤں میں تھا۔۔۔ کسی قسمت ہے جنید صاحب! ہاری ادھر گاؤں میں میری ماں لوگوں کی باتیں سنتی ہے کہ بیٹی نرس بن رہی ہے یا کیا کر رہی ہے اور ادھر میں۔۔۔“ راحیلہ کہتے ہوئے اچانک رووی آسوؤں کو اس نے پٹکوں پر ہی روک لیا تھا۔

”اس دنیا میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو نجانے اپنی زندگی کس قدر مشکلات میں گزارتے چلے جا رہے ہیں ان میں سے ایک تم بھی ہو۔ منیں نے تو آج تک یہی سیکھا ہے کہ اگر سیدھے سہاؤ نہیں مٹا ہوتا تو ہمیں ٹوئیس بندے میں حوصلہ ہونا چاہئے۔“ جنید نے کھولے آنے آ رہے پر حنا ہوا تھا اس لیے ایک نئی بات کہہ دی۔

”حوصلہ تو مجھ میں بھی بہت ہے جنید صاحب! لیکن وہ ملاقات نہیں ہے۔ منیں تو اپنا حوصلہ اپنی جان پر ہی آزمانی چلی آئی ہوں برداشت کی آخری حدوں کو چھوا ہے منیں نے لیکن میرے پاس ملاقات نہیں ہے۔ دو سال نہیں ہیں ورنہ منیں بھی ڈاکٹر بن سکتی ہوں یا کچھ بھی اور۔۔۔ سب سے

بڑی بات یہ ہے جنید صاحب! انیس لڑکی ہوں۔ اس معاشرے میں اکیلی اور تنہا لڑکی کو کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آپ بھی سمجھتے ہیں۔"

لفظ ابھی اُس کے منہ ہی میں تھے کہ ویدک کھانا لے کر آ گیا۔ دو تین چکروں میں اس نے سامنے پڑی میز بھروی اتب جنید نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے ویدک سے کہا۔

"سب کچھ بھول کر اس وقت صرف کھانے پر دھیان دؤ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

کھانے سے فراغت کے بعد جنید نے تل دیا اور بھر اپنا پرس واپس جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔
"تاؤ تمہارا گاؤں کتنی دُور ہے؟"

"گاؤں۔۔۔۔۔ مطلب کیا آپ وہاں جائیں گے؟" راحیلہ ایک دم سے گھبرا گئی۔

"ہاں تو کیا حرج ہے۔ میں تمہارا گاؤں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اُس نے راحیلہ کے چہرے پر غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جنید صاحب! لے جانے کو نہیں ابھی آپ کو لے جاؤں لیکن جب ہم وہاں سے واپس آ جائیں گے تو میری ماں کو ان بہت سارے سوالوں کا جواب دینا پڑے گا جن کے بارے میں اُسے پتہ بھی نہیں ہوگا۔ مجھے اپنی ماں کے اس ڈکھ کا احساس ہے اُس کے علاوہ مجھے آپ کو وہاں لے جانے میں کوئی ڈر نہیں ہے۔"

"دو چھ ماہی روم میٹ ہے تا اُسے بھی ساتھ لے لو۔" جنید نے ویدک سے کہا۔

"ہاں شاید اس طرح بات سن جائے۔"

راحیلہ نے کہا اور بھر اپنے فون سے ہشل کا نمبر ملانے لگی۔ تموڑی ہی کوشش کے بعد نمبر مل گیا۔

"خیر تو ہے راحیلہ۔۔۔؟" نسرین نے پریشان لہجے میں کہا۔

"خیر ہی ہے بس تم جلدی سے ہندو منٹ کے اندر اندر تیار ہو کر گیٹ پر آؤ کہیں جاتا ہے۔" راحیلہ نے نسرین سے کہا۔

"کہاں جانا ہے تاؤ تو۔۔۔؟" وہ پوچھنے لگی۔

"کہدیا، جلدی کرو۔"

راحیلہ نے کہا اور فون بند کر دیا پھر فون بناتے ہوئے بولی۔

"وہ آئے گی ہمیں گیٹ پر مل جائے گی۔"

"چلو بھڑ چلیں۔"

جنید نے کہا اور دونوں اٹھ کر گاڑی تک چلے گئے۔ جس وقت گاڑی مین روڈ پر تیز رفتاری سے دوڑنے لگی تو راحیلہ نے اپنے گاؤں کے بارے میں تفصیل سے تا دیا۔

☆☆

ہاویوں آف ڈے ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی تھا۔ ناشتہ اُس نے گھر والوں کے ساتھ کیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔ جب سے چینی نے اُسے ایک راستہ دکھایا تھا اس لمحے ہی سے وہ پوری توجہ اور یکسوئی سے اسی سے متعلق سوچنا چلا گیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا جب اُسے نیند آئی تھی اور صبح کے بعد اُس نے ہاتھ دھو کر گنڈے لگے کہ اس پٹان کو لفتکوں کی صورت بھی دے دی تھی تاکہ اُس کے ذہن میں پوری طرح نقش ہو جائے پس اب ان میں حالات پر ورنے تھے جو آنے والے وقت میں ان کے سامنے آنے والے تھے۔۔۔

انسانی کیفیات بھی کیا عجیب رنگ رکھتی ہیں۔ قومیت طاری ہو جانے تو پھر اتنی تیزی سے اس راہ پر بھاگتا ہے کہ پھر سوائے موت کے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا لیکن جو نبی اپنی امیدیں خواہشیں اور خواب پورے ہو جانے کا احساس ہوتا ہے تو پھر تیزی سے زندگی کی جانب پلکتا ہے۔ سوچ کی راہ پر دو کامیابیوں کے سنے نئے نشان ڈھونڈنے کے لیے سرگرداں ہو جاتا ہے۔ اتنی روونک کہ منصوبے بنالیتا ہے کہ جہاں تک اُسے پہنچ جانے کی امید بھی نہیں ہوتی۔ اس وقت ہاویوں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت میں مبتلا تھا۔ امید کی ہلکی سی کرن نے اس کی زندگی میں اچالا بھردیا تھا۔ اُسے یہ احساس اچھی طرح تھا کہ چینی نے جو نبی اس پر دولت خرچ کرنے کا نہیں سوچا بلکہ شبہ اس کے مقاصد ہوں گے۔ اگر وہ ان مقاصد کو پورا کرتا ہے تو ہی اس کے خواب اپنی تعبیر نہیں کیسے گے۔ ورنہ وہ جو نبی کو مٹا دیتا اور بے بس سے زندگی گزارتا رہے گا۔ اس سے اچھا ہے کہ وہ کسی کے مقاصد میں استعمال ہو جائے اس طرح کم از کم وہ اپنے مقاصد کے لیے توجہ و جدوجہد کر پائے گا۔ اس راہ میں زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا وہ قانون کی گرفت میں آجائے گا یا کسی کوئی کی نذر ہو جائے گا۔ اس زندگی سے تو اچھا ہے کہ وہ یوں ایک بار ہی شعلے کی مانند جل کر بھج جائے کم از کم کوئی اذیت تو نہیں ہوگی۔

"ہاویوں چتر! تم ٹھیک تو ہو صبح سے کمرے میں بند ہو۔۔۔"

اُس کی ماں نے کمرے میں آ کر کہا تو وہ اپنے خیالات سے چونکا۔ چند لمحے اُسے کچھ ہی نہ آنکلی کہ اس کی ماں نے کہا کیا ہے اسی لیے

بول۔

"آئیں امی! بیٹھیں۔"

اس نے کہا تو ماں اُس کے پاس کرسی پر بیٹھتی ہوئے بولی۔

"آج کل تم! اتنے مصروف کیوں ہو؟"

"امی! میں محنت نہیں کروں گا تو پھر زیادہ سے زیادہ کیسے کہا پاؤں گا۔" اُس نے اپنی ماں کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہو تو ٹھیک ہے لیکن اس قدر محنت کہ دن رات کا فرق مٹ جائے۔۔۔ میں نے رات بھی دیکھا تھا تمہارے کمرے کی جلی جل رہی

تھی۔" اُس کی ماں نے پریشانی سے کہا۔

"محنت تو ایسے ہی ہوتی ہے نا امی اور پھر وکالت کا پیشہ تو ایسا ہی ہے کہ اس میں ساری عمر پڑھنا پڑھنا ہے۔ کیسے تیار کرنے پڑتے ہیں

اور پھر بہت کچھ۔۔۔" اُس نے مسکراتے ہوئے اپنی ماں کو مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اپنی محنت کا بھی خیال نہیں کرو۔ محنت ہوگی تو کام ہو گا نا۔۔۔!“

ممتا بھرے لہجے میں اُس کی ماں نے کہا تو ایک لمحے کے لیے اے صاپے جھوٹ پر شرمندگی محسوس ہونے لگی لیکن اگلے ہی لمحے اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”میں اپنی محنت کا خیال رکھوں گا۔ اب خوش۔۔۔؟“

”تمہارا بھائی اب لوکری لگ جائے گا۔ تم بھی کمانے لگے ہو۔ اب ہمارے سارے دلدادہ دور ہو جائیں گے۔ میں بھی اپنے فرائض سے سرخرو ہو جاؤں گی۔“ اُس کی ماں نے مستقبل میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”امی! کم از کم آپ کو میرے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نہ صرف اپنا بوجھ خود اٹھاؤں گا بلکہ آپ لوگوں کے لیے بھی بہت کچھ کرنے کی خواہش ہے میرے دل میں۔۔۔ میں ابھی بہت محنت کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی تو مجھے عداوت جاتے ہوئے تھوڑا سا عرصہ ہوا ہے۔“ ہاویوں نے اپنی ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا، وہ سمجھ گیا تھا کہ اُس کی ماں کیا کہنا چاہتی ہے۔

”بیٹا! تیرے باپ نے بہت محنت کی ہے۔ اُس نے اپنا کم اور دوسروں کا زیادہ سونپا ہے۔ تیرے چاچا اگر ساتھ۔۔۔۔۔“

”ان کے بارے میں اب کبھی نہیں سوچنا آپ نے۔۔۔ میں نے انہیں اپنے دل دو باغ سے نکال باہر کیا ہے۔ ہم ان کے سہارے کے بغیر اپنے جیروں پر کھڑے ہو گئے ہیں اور وہ دن دور نہیں! امی! جب آپ کی ساری خواہشیں پوری ہو جائیں گی۔ آپ نے کسی سے بھی کوئی اُمید نہیں رکھنی، میں اور بھائی ہیں نا۔۔۔۔۔!“

ہاویوں نے حوصلہ بھرے لہجے میں کہا تو ان کے درمیان خاموشی چھا گئی، دونوں ہی مستقبل میں اپنی اُمیدوں کو پورا ہو جانے کو دیکھ رہے تھے۔ سبھی ماں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”چل اب اٹھ جا، تھوڑی دیر اپنے باپ کے پاس بھی بیٹھ جایا کر۔۔۔“

”جی! چھانٹیں! ہمیں آنا ہوں۔ بس یہ ذرا کاغذات سمیٹ لوں۔“

اُس نے سعادت مندی سے کہا تو اُس کی ماں باہر نکل گئی۔ اُس نے اپنے کاغذات پر ایک نگاہ ڈالی پورے منصوبے کو ایک نگاہ سے دیکھا اور فون نکال کر اُس نے جنیفر کے نمبر پیش کر دیے۔ تھوڑی دیر پیش جاتی رہی پھر اُس نے فون ریسور کر لیا۔

”ہاں ہلو۔۔۔۔۔؟“

”کیا آج ملاقات ہو سکتی ہے؟“

”گتے ہے تم نے کچھ کام کر لیا ہے۔۔۔“

”ہاں! میں نے بہت سوچ لیا ہے۔ کس طرح کیا کرنا ہے، یہ بھی نہیں نے طے کر لیا ہے۔“

”تو پھر اس میں ملاقات کی کیا ضرورت ہے! بس اپنا کام شروع کرو۔“

”نہیں۔۔۔ اس میں بہت ساری باتیں شیئر کرنی ہیں۔ آپ کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میرا ٹریک کیا ہوگا۔“

”چلو ٹھیک ہے۔۔۔ اس وقت تو میں شہر سے باہر ہوں کسی کام جا رہا ہوں۔ واپس آتے ہی تمہیں کال کروں گا اگر زیادہ دیر نہ ہوگی تو“

ویسے امکان ہے کہ میں مطرب تک واپس آ جاؤں گا۔“

”میں انتظار کروں گا۔۔۔“

یہ کہہ کر الوداعی باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس نے سوچا لیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر اپنے ہاپ کے ساتھ گزار کر باہر نکل جائے گا تاکہ غابرا لٹی سے گپ شپ کر سکے۔ اس نے اپنے منصوبے میں اسے بہت زیادہ اہمیت دی تھی وہ اس کے بہت نزدیک آچکا تھا۔

۵۶

راحیلہ کے گاؤں پہنچ جانے تک ان میں تقریباً ناموشی ہی رہی تھی۔ نسرین نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس سے کسی بحث کو بنیاد مل سکتی۔ راحیلہ ہی جنید کو راستہ بتاتی رہی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہی تھیں کہ گاؤں پہنچنے کے بعد حالات کیا رخ اختیار کریں گے؟ نسرین کو اتنا احساس نہیں تھا لیکن راحیلہ کو نجانے کیوں خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس دن جنید کا انداز ہی مختلف تھا۔ راحیلہ کو یوں لگ رہا تھا کہ پیسے دوا سے جا بچنے کی یا آزمانے کی کوشش میں ہو یا پھر یہ سب اس کا دم ہو۔ وہ کوئی تھی فیصلہ نہیں کر پائی تھی اسی گفتگو میں دو لوگ گاؤں جا پہنچے تھے۔

دو عام گاؤں کی طرح ہی ایک گاؤں تھا۔ کچے کچے گھرائی طرح کی کچی کچی گھریاں جن میں کھیلنے ہوئے بچے جو کار کی آمد پر چونک گئے تھے اور اپنا کھیل چھوڑ کر ان جاں بوجھ ہو گئے کہ کون آیا ہے۔ شہر سے نکلے وقت راحیلہ کو احساس نہیں تھا کہ کس قدر گھبراہٹ ہوگی۔ وہ شرمندہ ہی گھبرائی ہوئی تھی۔ جنید اس کی ٹیٹا ہل بدلتی کیفیت کو دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ ایک خستہ حال سے دروازے کے باہر راحیلہ کے کہنے پر جنید نے گاڑی روک دی۔

”یہ میرا گھر ہے۔“ راحیلہ نے دیر سے کہا۔

”تو پھر چلو اندر تمہارا اپنا گھر ہے۔“ جنید نے کہا۔

”میں اپنی امی کو کیا بتاؤں گی؟ کیا کہہ کر تحارف کر اؤں گی؟“ راحیلہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”کہہ دینا کہ نسرین کا بھائی ہے اور یہ آگے کہیں شہر میں گئے تھے تو میں بھی ساتھ آئی۔“

جنید نے اس کی مشکل حل کر دی۔ اس کے یوں کہنے پر نسرین نے جنید کی طرف یوں دیکھا جیسے اس نے بہت بڑا احسان کر دیا ہو۔ وہ تینوں گاڑی سے نکل کر گھر کے اندر چلے گئے۔ سامنے ہی ایک جھلکا سی چار پائی پر ایک بوڑھی سی عورت خستہ حال کپڑوں میں لمبے بھری بھاری تھی۔ اس نے یوں تینوں کو آتے دیکھا تو وہ گھبرائی ہوئی سی کھڑی ہو گئی۔ راحیلہ جانتے ہی اس کے گلے لگ گئی۔ بوڑھی عورت نے ان تینوں کو بیا رہا دیا۔ اسے میں راحیلہ اندر سے ایک چار پائی نکال کر لے آئی جس پر جنید اور نسرین بیٹھ گئے۔

"دھیے! تمہاں طرح اچانک آئی بو خیر تو ہے نا؟" ماں نے تشویش سے پوچھا۔

"اماں! خیریت عن ہے۔ یہ دونوں اگلے شہر گئے تھے منیسا بھی تم سے ملنے کے لیے ان کے ساتھ آگئی ہوں اور ابھی منیسا نے چلے جاتا ہے۔" راحیلہ نے مشکل بھرتی بولتے ہوئے کہا۔

"باتیں اتنی جلدی --- یہ کہا کیا بات ہوئی؟" ماں نے حیرت سے کہا۔

"بس امی! چھی کہاں لٹی ہے اور اب دن بھی کتنے رہ گئے ہیں۔ میرا کورس مکمل ہو جائے گا تو میں آ جاؤں گی۔"

راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔ جنید بہت غور سے اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ اس دوران ماں نے اُٹھ کر چائے بنانے کی کوشش کی تو جنید نے ہی روک دیا پھر تھوڑی دیر تک یونیورسٹی باتیں کرتے رہنے کے بعد راحیلہ ہی نے اپنی ماں سے کہا۔

"اچھا امی! اب منیسا چلتی ہوں مغرب سے پہلے مجھے ہاسل واپس بھی پہنچنا ہے۔"

"اچھا دھیے! امیساں تو تیری راہ دیکھ رہی ہوں کب حیرا کورس ختم ہو اور میری یونیورسٹی جان کو سکون مل جائے۔۔۔ اب تجربے آنا کب ہے؟" اُس کی ماں نے پوچھا۔

"جلدی آؤں گی بلکہ کوشش کروں گی کہ اگلے ایک دو ہفتوں میں آ جاؤں۔"

راحیلہ نے کہا اور باہر کی طرف جانے لگی۔۔۔ جنید بہت غور سے ان کے گھر کی خستہ حالی دیکھ چکا تھا۔۔۔ واپس جاتے ہوئے جب وہ گاؤں سے نکل کر بڑی سڑک کو لانے والی چھوٹی سڑک پر آئے تو راحیلہ نے بہت ہی عجیب سے لہجے میں جنید سے کہا۔

"پتہ نہیں! جنید! آپ کیا چاہتے ہو لیکن منیسا ضرور جانتا چاہوں گی کہ میری حقیقت جان کر آپ کو کیرا لگا؟"

"منیسا جانتا تھا کہ تم مجھ سے یہ سوال ضرور کرو گی لیکن منیسا نہیں جہیں اس کا جواب ابھی نہیں دوں گا چند دن بعد تمہیں اس کا جواب مل جائے گا۔" جنید نے اطمینان سے سڑک پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"منیسا نہیں لگی آپ کیا کہنا چاہتے ہو؟" راحیلہ جواب چاہتے پر مصر رہی تو وہ بولا۔

"تمہیں ابھی سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے دھیرے دھیرے سب سمجھ آ جائے گا۔ بس تم میرے لیے دعا کرو کہ اللہ مجھے اتنی عمر دے دے کہ کم از کم تمہارے کسی کام آ جاؤں۔"

"جنید! مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ۔۔۔"

راحیلہ نے کچھ کہنا چاہا جس پر جنید نے ٹوک دیا۔ "منیسا نے کہا نا! اسے چھوڑو۔ کوئی اور بات کرو۔"

"چلیں منیسا بات کرتی ہوں۔"

نسرین نے کہا تو جنید نے اُس کی طرف بیک مرمر میں دیکھا اور کہا۔

"ہاں بھلا۔۔۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"منیں جو پوچھوں گی میری بات کو نہیں ٹالنا۔۔۔" نسرین نے ایک دن سے کہا۔
 "چلو نہیں ہالوں گا۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ آپ کو اپنی مرضی جانے کے لیے آپ راحیلہ کے کام آجائیں۔ پوچھتا میں یہ چاہتی ہوں کہ آخر کیوں۔۔۔ آپ کیوں ایسا چاہتے ہیں؟" نسرین نے تنبیہ کی سے پوچھا۔

"کہنے کو تو منیں کہہ سکتا ہوں کہ اس نے مجھ سے مدد مانگی تھی اور منیں اس کی مدد کر رہا ہوں لیکن نہیں یہ بات نہیں ہے۔۔۔ نسرین! تمہیں نہیں معلوم کہ اس کا ایک فقرہ مجھے کس قدر حوصلہ دے گیا تھا، پہلی بار کسی نے مجھے انسان سمجھا تھا۔ منیں کئی دنوں سے وحشیانہ نارچہ کا شکار تھا میری کوئی حالت نہیں تھی۔ اس وقت منیں کمزور پڑنے کی حالت میں تھا جب اس کے ایک فقرے نے مجھ میں نئی جان بھروی۔ اگر اس وقت تک وہ مجھ پر مزید بھی کر لیا جاتا تو بلاشبہ منیں سہ جاتا لیکن قسمت اچھی تھی کہ دوبارہ ان کے ہاتھ نہیں آیا۔۔۔ نسرین! نہ جانے کیوں یہ جب بھی میرے سامنے آتی ہے میرے حوصلے بڑھانے کا باعث بنتی ہے۔ منیں اس کی صرف اس لیے عزت اور احترام کرتا ہوں۔" جنید نے دھیرے دھیرے تفصیل سے بتا دیا۔

"۔۔۔ اور احترام نہیں کرتے مجھ پر۔۔۔" راحیلہ نے ٹھکڑ بھرے لہجے میں کہا۔

"احقر تو منیں اپنے سامنے بڑھی نہیں کرتا۔" جنید نے تنبیہ کی سے کہا۔

"منیں تو کہہ چکی ہوں شاید منیں نہ جان سکوں کہ آپ کس راہ کے مسافر ہیں۔۔۔ کیا اس راہ کے راہیوں کو محبت سے آشنائی نہیں ہوتی؟"
 نسرین نے لڑتے ہوئے نچھ میں پوچھا۔

"یہ محبت ہی تو ہے نسرین! جس کے باعث ہم ان راہیوں کے راہی ہیں جس پر چھنا بہت ہی مشکل ہے۔ ہماری محبت اللہ کے لیے ہے اور نفرت بھی اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم اگر اسلامی تفصیلات سے واقف ہو گے تو شاید تمہیں یہ سوال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی اور جس محبت کی بات تم کرنا چاہتی ہو تو وہ بھی ممکن ہے۔ ہم انسان ہیں۔ ہمارے سینے میں بھی دل ہے لیکن تمہیں اس میں سفلہ پن کھن دکھائی نہیں دے گا۔" جنید نے اسے سمجھایا۔

"آپ عورت کی محبت کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟" نسرین نے انتہائی جنتس سے پوچھا۔

"عورت کی پاکیزہ محبت کسی بھی مرد کے لیے حوصلے کا باعث ہوتی ہے۔ اس بہن بیوی یا بہن کی جب کسی مرد کے لیے دعا کرتی ہے تو اس میں خلوص نیت کی شدت ہوتی ہے اور اللہ پاک دعا کو واپس نہیں اٹاتا۔ یہ میرا ایمان ہے۔ اب تم جاننا چاہو گی کہ منیں راحیلہ کی مدد کیوں کر نامہ ہوتا ہوں؟"
 "یہی تو منیں پوچھنا چاہ رہی ہوں۔" نسرین نے جلدی سے کہا۔

"تمہارے ہسپتال میں کتنی لڑکیاں ہیں جو کام کر رہی ہیں۔ یہی میرے حوصلے کا باعث کیوں بنتی ہے؟۔۔۔ یہ قدرت کا ایک اشارہ ہے اس کے ذریعے ایک ظالم شخص کو ضمیر کی معاملات میں بچا کر دیا اور ایسے ہی بے غیرت لوگوں نے ہمارے معاشرے کو عذاب بنا کر رکھ دیا ہوا ہے جو

بظاہر تو بڑے معزز ہوتے ہیں مگر حقیقت میں انتہائی کرہید اور کمزور ہوتے ہیں۔ الیہ یہ ہے کہ نہ کوئی قانون ان کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ ہی یہ کسی گرفت میں آتے ہیں۔ ”جنید بات کرتے ہوئے پٹوئی سے اتر گیا پھر خود ہی احساس کرتے ہوئے بولا۔ ”میں کسی اور جانب چلا گیا، راحیلہ تو میرے لیے قدرت کا ایک اشارہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے ہم جیسے لوگوں کو فقط ذمہ عا نہیں چاہئے ہوتی ہیں۔ دولت کے ویر ہمارے قدموں میں پڑ رہے ہیں۔ وہ لوگ جو مستحق لوگوں سے بھی جھین لیتے ہیں، وہ لوگ ہمیں دولت بخش کرنے کے لیے بڑی خواہش رکھتے ہیں۔ اگر یہی دولت کسی کے کام آ جائے تو میرا کیا جاتا ہے۔“

”جنید! کیا یہ آپ کی تربیت کا اثر ہے؟“ نسرین نے ویرے سے پوچھا۔

”موت کو کئی بار سامنے دیکھ چکا ہوں اس لیے زندگی کو نہیں جس لگا دے دیکھتا ہوں اس کا شاید تم احساس بھی نہیں کر سکتیں۔ شاید تم لوگوں کو میری باتیں کوئی ظلم یا ذرا مار گئیں یا مگر جھوٹ کا پلندہ۔ تم جو بھی سوچو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں لیکن وہ حقیقت جو نہیں دیکھ چکا ہوں اس کا تم احساس کر بھی نہیں سکتی ہو۔۔۔ کیا تم نے کسی سنسناتی ہوئی گولی کو اپنے قریب سے گزرتے ہوئے محسوس کیا ہے جو ایک ایچ! ڈھرا ڈھرا ہو تو موت دے دے؟“ جنید نے پوچھا۔

”نہیں ایسا تو تجربہ نہیں ہے۔“ نسرین نے کہا۔

”تو پھر بہت ساری باتیں زمانہ سکھا دیتا ہے۔ حالات اور تجربات سوچنے کا اپنا ذمہ دے دیتے ہیں۔“

جنید نے کہا تو نسرین خاموش ہو گئی۔ وہ بہت کچھ بھتے ہوئے بھی کچھ نہیں سمجھی تھی اور ایسا ہی حال راحیلہ کا تھا اسے اپنے وہ سوال فضول معلوم ہوئے جو وہ اب تک اس سے کرنے کی کوشش میں تھی۔ پھر ان کے درمیان خاموشی چھا گئی، ستر کھٹا چلا گیا، مغرب سے ڈرا پہلے وہ اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے شہر پہنچ گئے۔ پھر ہتھوں سے قدرے دھمکے پر جنید نے گاڑی روک دی۔ تب گاڑی سے اترتے ہوئے راحیلہ نے جنید کی طرف دیکھا اور بولی۔

”جنید! ضروری نہیں ہے کہ محبت میں انسان کی منزل مادی جسم ہی ہو شاید آپ نے بھی میری محبت کو ای رنگ میں دیکھا ہے، میں اقرار کرتی ہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے، میں آپ سے محبت کرتی رہوں گی چاہے آپ اس لمحے کے بعد مجھے ملیں یا نہ ملیں اور مجھ پر اعتماد کریں یا نہ کریں۔“

جنید اس کی طرف غور سے دیکھا رہا۔ اس کی نگاہیں راحیلہ کے چہرے پر تھیں۔ وہ اتر گئی تو نسرین اس سے پہلے سڑک پر تھی۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور جنید نے گاڑی آگے بڑھا دی اور وہ دونوں ہاسٹل کی جانب پیدل ہی چل دیں۔

☆☆

مغرب کے بعد اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا، منیہ اس وقت شہر سے دور تیور کے ساتھ فارم ہاؤس پر تھی۔ وہ دونوں آنے سے پہلے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان خاموشی حائل تھی۔ منیہ کے چہرے پر مایوسی کے سائے پڑے ہوئے تھے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ تیور سے

عشق تھا ہے عشق بنا

کیا ہے۔ بھی تیمور نے خاموشی توڑی۔

"اس قدر مایوس کیوں ہو گئی ہو؟"

"وہی ہوانا جس کا ڈر تھا۔ یہی بات آپ مجھے فون پر بھی بتا سکتے تھے۔ یہاں لانے کی اور پھر اتنی تمہید ہانڈے کی کیا ضرورت تھی؟"

صفیہ نے برف جیسے سرد لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں ایک دم یہ بتا کر شاک میں دینا چاہتا تھا لیکن تم پریشان نہ ہو۔ آج اگر میرے والدین نہیں مان رہے ہیں تو میں بھی اپنی ضد کا پکا

ہوں انہیں منالوں گا۔" تیمور نے دھیرے سے کہا۔

"آپ اپنی غلطی کو مانیں کہ آپ نے انہیں اپنی طور پر تیار کئے بغیر یہ بات کہہ دی حالانکہ آپ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ چاہے میں

دو مہینے لگ جاؤں مگر آپ۔۔۔"

صفیہ نے مزید کچھ کہنا چاہا تو تیمور نے بات کا تختے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں ان سے یہ بات کرنا چاہی تھی۔ میں شاید ابھی بات نہ کرتا

لیکن انہوں نے خود بات کی۔ وہ میری منگنی کرنا چاہتے ہیں۔ شاد ایسوی ایٹ کے ڈائریکٹری بیٹن شاد سے میں اُسے پسند نہیں کرتا۔" اُس نے وضاحت

کی۔

"ظاہر ہے اُس کے لیے بات تو پہلے ہی سے چل رہی ہوگی۔" صفیہ نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں کب سے چل رہی ہے یا انہی دنوں میں کوئی بات ہوئی ہے میں اُس کے متعلق بالکل نہیں جانتا البتہ اس سارے معاملے میں

دو ہفتے ایسی ہیں جن سے میں امید رکھتا ہوں کہ میں اپنی بات منالوں گا۔" تیمور نے حوصلہ بھرے انداز میں کہا۔

"کون سی باتیں۔۔۔؟" اُس نے چوکتے ہوئے پوچھا۔

"پہلا بات تو یہ ہے کہ ابھی نظر میری مانا نے مجھ سے بات کی ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میری رائے کیا ہے یہ پوچھنے کے

لیے پاپائی نے انہیں کہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھ سے پوچھا گیا اپنی رائے مسلمانوں کی۔ میں نے انکار کر دیا ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ

ایسا نہیں ہوگا کہ میری منگنی وغیرہ کے لیے دباؤ ڈالا جائے۔ یوں معاملہ چند منٹوں کے لیے ٹل گیا ہے۔"

"یہ نہ ہو کہ آپ اپنی خوش گمانوں میں رہیں اور معاملہ ہاتھ ہی سے نکل جائے؟" صفیہ نے دھیرے سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مجھے بس تمہارے ساتھ کانٹین ہونا چاہئے کیونکہ یہی میرا اصل ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے چند لمبے سوچا پھر

کہا۔ "تم بھی مجھ سے یہی سوال کرنے کا پورا پورا حق رکھتی ہو کہ کیا میں ساتھ بھاؤں گا؟ میں نے بہت سوچا تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں

تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مر جاؤں گا میں۔" تیمور نے آخری لفظ کہتے ہوئے شدت جذبات سے کہا۔

"مجھے آپ پر مجبور ہے تیمور! صفیہ نے اندر سے پھلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں نے سوچا ہے کہ تمہیں یہ احساس ضرور ہوں کہ میں نے تمہیں ہی اپنا شریک زندگی بنانا ہے۔۔۔ ابھی تم نے پوچھا تھا کہ میں آخر

تمہیں یہاں کیوں لے کر آیا ہوں تو اسی لیے منو۔" یہ کہہ کر وہ آٹھا اور قریب کی دیوار میں فی الماری کو کھولنے لگا اس میں سے ایک بڑا سا سفید لٹافٹ نکالا اور اسے میرے ہاتھوں میں رکھا اور کہا۔ "اسے پڑھو۔"

"یہ کیا ہے؟" منیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ دو طرح کے کاغذات ہیں۔ ان میں جو نوٹوں کا پی والے کاغذات ہیں وہ میری دولت اور میرے کاروبار کی پوری پوری اسٹینٹ ہے۔ انہیں دیکھ لو اور یہ جو دوسرے اصل کاغذات ہیں ان کے مطابق تم میرے کاروبار میں آدمے کی شراکت دار ہو۔ میں نے اپنے آدمے کاروبار کی اٹانے تمہیں سزا دی ہے۔ یہ ساری تفصیل ہے اسے پڑھ لو اور جہاں پر نشان لگے ہوتے ہیں وہی پائل سے وہاں دستخط کرو۔ یہ کاغذات عمل ہو جائیں۔"

تیسور نے اس طرح جذباتی لہجے میں کہا جیسے وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا ہو۔ منیہ اس پر ہلکی ہلکی ہنسی سے کبھی کاغذات کو اور کبھی تیسور کو دیکھ رہی تھی۔ پھر جیسے اسے ہوش آ گیا وہ لہرتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"یہ۔۔۔ یہ سب آپ نے۔۔۔ میرے لیے کیا؟"

"ہاں، منو! میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے تم سے صرف وعدے نہیں کئے۔ تم میرے کاروبار میں آدمے کی شراکت دار ہو۔ میرے والدین نے تمہیں اپنی بیوی مان لیا تو ٹھیک ہے ورنہ ہم اپنی فی زندگی کا آغاز کریں گے۔ تم دستخط کرو۔" تیسور نے اپنی جیب سے ایک قیمتی قلم نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تیسور! مجھے یقین آ گیا ہے کہ میں آپ کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہوں۔ اب ان کاغذات کو درمیان میں مت لاؤ۔" منیہ جذباتی ہو گئی تھی۔

"تمہیں ایسا نہیں ہوگا، تم ان پر دستخط کرو اور قانونی طور پر میرے کاروبار کی شراکت دار بن جاؤ۔ مجھے بھی اطمینان ہوگا۔ میں اسے اپنے والدین کو میری روٹیوں کے طور پر دکھا دوں گا اور اگر خدا نخواستہ مجھے کچھ ہو گیا یا مجھے کچھ عرصہ کے لیے واپس رچل بھی جانا پڑا تو تم از کم تم کاروبار کی دیکھ بھال کر سکو۔ تم مت سوچو کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں، بس دستخط کرو۔"

"تیسور! میں۔۔۔"

منیہ نے چنگچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تو تیسور نے قلم اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر منیہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چند کاغذات پر دستخط کر دیے۔

"اب تم قانونی طور پر میری پارٹنر ہو۔ آج تم کاروبار کی پارٹنر ہو، کل میری زندگی میں لٹافٹ پارٹنر ہوگی۔" تیسور نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"تیسور! مجھے یہ سب عجیب سا لگ رہا ہے۔" منیہ نے دیر سے لیکن دیر بعد بے جوش سے کہا۔

”لیکن چند دن بعد تمہیں یہ عجیب نہیں لگے گا اور باں یہ ابھی میرے والدین کے ظلم میں نہیں ہے۔ اسے میں خود ہی ان کے سامنے لاؤں گا تم بھی ابھی ذکر مت کرنا اپنے والدین سے۔ بس جلدی سے اپنے فاضل استخوان دے لاؤ پھر تم باقاعدہ آفس آیا کرنا۔“ اس نے یوں کہا جیسے آنے والے دنوں کا خیال کر کے ہی فرحت محسوس کر رہا ہو۔

”تیور! آپ کتنے اچھے ہیں۔“

صفیہ نے اپنی لگا ہوں میں ڈنبا بھری محبت سمیٹ کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ مسکرایا پھر کمر کی سے باہر دیکھ کر بولا۔

”باہر اندھیرا خاصا ٹھیکل گیا ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ ابھی شہر تک جاتے ہوئے بھی وقت لگے گا تمہارے گھر والے پریشان ہوں گے۔“

وہ ہو جانے کے احساس ہی سے صفیہ کے دماغ سے غبار اترنے لگا وہ ایک دم سے چوٹکی مٹی۔ پھر گھر جانے کے لیے بے چین ہو

مٹی۔

شہر کی جانب پلٹتے ہوئے تیور نے گاڑی کی رفتار تیز کی ہوئی تھی مگر صفیہ کو اس کا احساس نہیں تھا۔ اس کی نگاہ میں تو وہ کاغذات پھڑپھڑا رہے تھے جنہیں وہ ابھی دیکھ چکی تھی اور پھر ان پر دھنکا کیئے تھے۔ اسٹینٹ کی آخری رقم کے بندے اس کے دماغ میں ناچ رہے تھے۔ وہ کبھی بڑے ہو جاتے اور کبھی بہت باریک۔ وہ کئی بار انہیں آدھا کر چکی تھی۔۔۔ دولت کا شمار بھی بہت عجیب ہوتا ہے اور پھر بیٹھے بیٹھے مفت میں ہاتھ آنے والی دولت میں جو خوشگوار حیرت ہوتی ہے وہ سوچوں کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اچانک دولت مند ہو جانے کے احساس نے اس میں تو اتنی ہی بھر دی تھی۔ وہ جو کچھ دیر سے اس پر مایوسی چھا ہوئی تھی انہیں کہاں غمیل ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے اب تیور بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جس نے اس کی محبت میں اپنا آدھا کاروباری انداز اس کے نام کر دیا تھا۔ لیکن سوچتے سوچتے اسے یہ خیال آنے لگا کہ تیور اس سے کتنی اور کس قدر محبت کرتا ہے ان لحاظ سے پہلے اسے کہاں بھی نہیں تھا۔ اسے پھر پورے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس کے لیے اپنے والدین سے اپنی بات منوا کر ہی رہے گا۔

”صفیہ! کہاں کھوٹی ہو۔“

تیور نے پوچھا تو وہ اپنے خیالات سے جھٹک گئی پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

”یہی سوچ رہی تھی کہ آپ مجھ سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔“ اس کے لہجے میں یقین جھلک رہا تھا۔

”یہ تو کچھ بھی نہیں ہے میرا دل چاہتا ہے کہ سب کچھ تم پر واردوں۔ بس تم دیکھتی جاؤ وقت اپنے اندر کیسے کیسے حالات رکھتا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر مضبوط نیچے میں بولا۔ ”حالات جیسے ہیں ہوں تمہارا ساتھ میرا حوصلہ ہے صفیہ! میں ان سارے حالات سے خود

نپٹاؤں گا۔“

”میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ رہوں گی تیور!“

صنیہ خارا آلود لہجے میں بولی۔ تیمور نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کاش! تمہارے پاس وقت ہوتا تو ہم ان لمحات کو سٹیلا بریت کرتے۔ کسی اچھے سے ریستوران میں بیٹھ کر کھانا کھاتے" کچھ دیر حریہ ہارا ساتھ رہتا۔

"تو اس میں اتنی حسرت کی بات کیا ہے۔۔۔ دیر تو ہو چکی ہے۔ میں فون کر دیتی ہوں" کچھ دیر اور سہی۔ "صنیہ نے خوش ہوتے ہوئے

کہا۔

"دیکھ لو! اگر کوئی پرائیبلٹ نہ ہوتی۔۔۔" تیمور بولا۔

"پرائیبلٹ ناما چیز! وہ تو اب بھی جاؤں گی تو بہت ساری باتیں سنائیں گی۔۔۔ خیر آپ اپنی پسند کے کسی بھی ریستوران میں چلیں۔"

صنیہ نے اپنا مندیو بے دیا تو تیمور نے اپنی گاڑی کی رفتار حریہ تیز کر دی۔ اس کی ساری توجہ جلد از جلد شہر پہنچ جانے پر تھی۔

اجس وقت وہ شہر کے معروف ریستوران کے سامنے پہنچے تو وہاں رنگون بھری روشنیوں کا عجیب منظر دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں کے چہرے پر تمازت بھر دینے والی خوش دمک رہی تھی صنیہ کے تو ویسے ہی قدم زمین پر ٹپٹپ ٹپ رہے تھے۔ تیمور گاڑی لاک کر رہا تھا کہ صنیہ کی لگاؤ ریستوران کے متن دروازے پر پڑی جہاں سے ہمایون ایک اجنبی شخص سے باتیں کرتا ہوا باہر نکلا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی صنیہ کے من میں آگ سی بھر گئی۔ اُس نے نفرت سے اپنا منہ پھیر لیتا چاہا لیکن اس وقت تک وہاں کی نگاہ اس پر پڑ چکی تھی۔ صنیہ نے واضح طور پر دیکھا وہ ایک دم سے گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔ اُس کی یہ کیفیت بس دو چار لمحے ہی رہی پھر اُس نے خود پر قابو پا لیا۔ صنیہ نے شطہ بارنگاہوں سے اُس کی جانب دیکھا تا کہ تھوڑی بہت ہی سہی اُس کی نفرت کا اندازہ لگائیوں کو ہو جائے۔ شاید ان نگاہوں میں دولت کا خوار بھی تھا۔ یوں جیسے نگاہوں سے چلنے والے نفرت کے تیر دولت کے خوار مگرے زہر میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ جب اُن کی نگاہیں مل ہی گئی تھیں ایک دوسرے کو دیکھ ہی لیا تھا تو صنیہ نے اپنا چہرہ پلٹ لینا مناسب نہیں سمجھا بلکہ نفرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ قریب سے گزر گیا۔

"آؤ صنفو۔"

تیمور نے کہا تو وہ چمکتے ہوئے ریستوران میں داخل ہو گئی۔ اُس کے دماغ پر ہمایوں کی آنکھیں گڑگڑکیں تھیں۔ اُس کے من میں دھیرے دھیرے فضا بٹاتا چلا جا رہا تھا کہ خوشی کے اس موقع پر اس منہوں کی صورت دیکھنا پڑی جس سے وہ شدید نفرت کرتی ہے پھر اُس نے سب کچھ بھلانے کی کوشش کرتے ہوئے تیمور کا ہاؤس تمام لیا۔

☆☆

"یہ تم اچانک! اتنے ڈسٹرب کیوں ہو گئے ہو۔۔۔؟" جنیہ نے ہمایوں سے اس وقت پوچھا جب وہ گاڑی نکال کر ریستوران سے بڑی

سڑک پر آکھلے تھے۔

"ڈسٹرب؟۔۔۔ نہیں تو۔۔۔!" ہمایوں ایک دم جھوٹ بول گیا۔

"یار! تمہارا رنگ پھیرے پر اڑی ہوئی ہوائیاں اور یکدم سر جھکا جانے کی کوئی نہ کوئی توجہ دہی ہوگی اور نہ تمہوڑی دہر پہلے تک تو تم چپک رہے تھے۔ تم اپنا پان تانے کے لیے نہ جوش تھے یہ اچانک تمہیں چپ کیوں لگ گئی ہے۔ کوئی جن بھوت دکھ لایا ہے تم نے۔۔۔؟" جنید نے یونہی خواہ خواہ بات بڑھاتے ہوئے کہا تاکہ ہائیوں بھی کچھ بول سکے۔

"کچھ نہیں! بس یونہی۔۔۔ بندے کو اتنا بولنا بھی تو نہیں چاہئے۔" ہائیوں نے واقفیت سے جھانک کر کہا۔

"تم اگر نہ بتانا چاہو تو یہ الگ بات ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تم اس لڑکی کو دکھ کر خاموش ہو گئے ہو جو ہمیں ریستوران کے گیٹ پر ملی تھی۔ بلکہ گلابی رنگ کا جس نے سوت سپن رکھا تھا میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھی نے اس کا نام بھی پکارا تھا نہ لہا منو۔۔۔"

جنید نے ایک ٹکا ہائیوں کے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا تو اس نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

"آپ کا اندازہ ٹھیک ہے جنید! وہی میری منزل ہے اور وہی میرا مقصد۔۔۔"

"تو اس کے ساتھ وہ تیرا تھا؟" جنید نے تیزی سے کہا۔

"ممکن ہے وہی ہو کیونکہ میں نے اسے پہلی بار دیکھا ہے اور وہ بھی اس صورت حال میں۔" ہائیوں کے لہجے سے جیسے ذہنوں نکل رہا ہو۔

"خبردار! ایک منٹ باقی بات پھر کرتے ہیں۔" جنید نے ڈیش بورڈ پر بڑے ہوئے موبائل فون کو اٹھایا۔ پھر اس میں سے نمبر دیکھ کر پیش کر دیے۔ اس دوران وہ ڈرائیونگ بھی کرتا جا رہا تھا۔ تمہوڑی دیر بعد کال مل گئی تو وہ کار کا نمبر بتاتے ہوئے پھر ریستوران کا نام بتا کر بولا۔ "وہ اس کے سامنے کھڑی ہے۔ ممکن ہے اس کا مالک جلدی نکل جائے یا دیر سے بہر حال تم وہاں پہنچو اور اس بندے کو نگاہ میں رکھو۔ اس سے بہت ضروری کام ہے۔" یہ کہہ کر اس نے چند لمبے دوسری طرف سے سٹاڈ اور پھر فون بند کر دیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔۔۔؟" ہائیوں نے کہا۔

"یہ میرا کام ہے اسے جھوٹے کہنے دو۔"

جنید نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔ ان دونوں کے درمیان اس وقت تک خاموشی رہی جب تک وہ پارک نہیں آ گیا جہاں سے وہ ریستوران جانے کے لیے نکلے تھے۔ گاڑی پارکنگ میں لگانے کے بعد وہ دونوں اندر چلے گئے۔ پارک میں اتنا رش نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ ایک تنہا سے ہڈ سکون گوشے میں جا بیٹھے۔

"تو میں کہہ رہا تھا کہ۔۔۔"

ہائیوں نے بات کرنا چاہی تو جنید اس کی بات کاٹنے ہوئے بولا۔ "ہائیوں! تمہارے کسی بھی پان کی اس وقت تک کوئی اہمیت یا وقعت نہیں ہے۔ جب تک تم اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں پالیتے۔ اچانک اس کی سامنے آ جانے پر تمہارا رنگ کیا تمہارے تو اطوار ہی بدل گئے ہیں۔ اب اگر کبھی تمہیں اس سے بات کرنا پڑ جائے تو تم کیا کرو گے؟ تمہارا کہنا ہے اس کے سامنے۔۔۔؟" جنید کے لہجے میں حسد تھا۔

"آپ نہیں سمجھتے! اسے دیکھ کر میری حالت کیا ہو گئی ہے۔ مان لیا جائے کہ میرے ابو اس کے درمیان کوئی جذباتی تعلق نہیں ہے لیکن رشتہ داری تو ہے۔ میں کس طرح برداشت کر پاؤں کہ وہ کسی غیر کے ساتھ ہوں آوارہ گردی کرتی پھرے۔ میرا ضبط دیکھو جیسا کہ میں نے اس شخص کا گریبان نہیں چکڑا اور میری بے بسی کہ میں صنیعہ کو کچھ بھی نہیں کہہ سکا بلکہ بے غیرتوں کی طرح اسے غیر مرد کے ساتھ دیکھ کر وہاں سے آ گیا ہوں تو کیا پھر بھی مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا؟" ہمایوں جیسے پخت پڑا تھا۔

"اس حالت میں بھی تم خود پر قابو رکھنے کی کوشش کرو یہاں تک کہ تمہارے ساتھ کچھ شخص بھی تو کیا تم خود بھی محسوس نہ کر سکو۔ میں جانتا ہوں کہ انسان بہت حد تک بے بس ہو جاتا ہے، خون بھی جوش مارتا ہے لیکن ہمایوں حقیقت کیا ہے؟ یہ کتنے ہی وقت تمہارے سامنے رہتا چاہئے۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے خاموش رہا پھر بولا۔ "چلا مجھے ایک بات بتاؤ۔ تم اس لڑکی کے لیے کس حد تک جذباتی ہو؟"

"عشق کی حد تک۔۔۔ اس کا حصول میرے لیے عشق کی حد تک چاہیے۔" ہمایوں نے ویرے سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" جنید نے وضاحت چاہی۔

"آپ کیا چاہتا چاہتے ہیں؟" ہمایوں نے گویا اٹھیا زوال دینے۔

"تم اس لڑکی سے عشق کرتے ہو یا اس کے حصول میں اس قدر رُو دہ گئے ہو کہ تمہارا مقصد عشق کی حد تک چاہیے؟" جنید نے بات کھولتے ہوئے کہا۔

"وہ لڑکی بذات خود کوئی چیز نہیں ہے اس سے بھی خوبصورت بہت ساری لڑکیاں ہیں اور ایک حد تک ایک خاص فاصلے پر رہی ہیں لیکن اس صنیعہ کے ساتھ میرے حالات کچھ اس طرح سے بن گئے ہیں کہ اس کا حصول میرے لیے زندگی اور موت جیسی تمنا بن کر رہ گیا ہے۔ میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ورنہ میرا اس دنیا میں ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔" ہمایوں کا لہجہ سنگ رہا تھا۔

"تو بات صاف ہوئی تمہیں اپنے مقصد سے لگن ہے۔" جنید نے یوں کہا جیسے خود کھلائی کر رہا ہو پھر ویرے سے بولا۔ "دیکھو ہمایوں! میں یہ قطعاً تبلیغ نہیں کروں گا کہ تمہارا مقصد ٹھیک ہے یا نہیں یہ تم جانو مگر میں بات تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں اسے بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کسی سب سے اہم چیز ہے۔ تم اگر ذرا راز سی بات پر متحشر ہو جاتے رہے تو اپنے اعصاب پر بھی کنٹرول کھودو گے۔ ابھی تمہاری راہ میں کوئی مشکل یا دشواری نہیں آئی اس سے بھی بڑی بڑی رکاوٹیں تمہاری حشر ہیں۔"

"میں کیا کروں اس کا چہرہ دیکھتا ہوں تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔" ہمایوں نے پھر بے بسی سے کہا۔

"خود پر قابو رکھنا ہوگا۔ تم نے ایک رات میں چلان تیار کر لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب تم اس میں کامیاب بھی ہو جاؤ گے۔ اس وقت تم اکیلے ہو نہیں بھی نہیں ہوں تمہارے ساتھ تو کیا تم نے ان ساری مشکلات کا تصور کیا ہے جو اس راہ میں آتی والی ہیں۔ میدان سیاست میں قدم رکھتے جا رہے ہو تو مقابلہ کن لوگوں سے ہے۔ ان جاگیرداروں سے جن کا کوئی ضمیر نہیں ہے اور وہ لوگ۔ میں کے لوگوں کا خون چھ کر اٹھا پر مسلط ہیں۔ وہ تمہیں اپنی ماہ میں کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ منافع خورد سرمایہ داروں سے سامنا رہے گا جنہیں فقط اپنے سرمایے سے غرض ہوتی ہے اور وہ

انسانی بدن تک بھیوں میں جموکت دیتے ہیں۔ کھانتے ہوئے لوگ مر جاتے ہیں لیکن انہی کی مشینوں کا ایسا من بنے رہنے پر مجبور ہیں۔ نو دو لپٹے ہیں جن کی ناجائز کمائی ان کی رگوں میں خون بن کر روڑتی ہے تو ان کا دم روم بھارت ہے کہ وہ خود بھی ناجائز ہیں۔ ایسے لوگوں کے درمیان بہت خور ذوالا ناؤٹ، ففڈے اور بد معاش بھی ہیں۔ ان سب کا مقابلہ کر سکو گے؟ دولت کا حصول بہت آسان ہے۔ اٹھو آؤ مہرے ساتھ اور ذہن میں طے کر لو کہ اتنی رقم حاصل کرنی ہے ایک رات میں حاصل کر دیتا ہوں۔ جس وقت تمہارے ہاتھ میں دولت آئے گی لوگ تمہاری جانب متوجہ ہو جائیں گے لہذا خود کو مضبوط بناؤ اس طاقت کے لیے اپنے آپ کو تیار تو کرو جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔

جنید نے طویل بات سے ہی جذبہ باقی انداز میں کی تو ہائیوں کی جیسے آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے دھیر سے سے کہا۔

”میں جانتا ہوں جنید بھائی! کہ میرے ارد گرد ماحول کیا ہے۔ بس اس کے لیے جذبہ باقی ہو جاتا ہوں لیکن اب نہیں۔“

”اپنے من میں اس آگ کو سٹائے رکھو۔ اسے پیچھے مت دینا بہت کام آئے گی اور سنو۔۔۔“ یہ کہہ کر جنید نے اسے اپنی جانب متوجہ

کیا، پھر بولا۔ ”مخشق کا مطلب ہی اپنے ہدف پر ہر وقت نگاہ رکھنا ہے، خود کو ڈبونا پڑتا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تمہیں مخشق کے معنی معلوم ہوں گے۔“

جنید نے کہا تو ہائیوں نے تابی سے بولا۔

”بس جنید بھائی! بس۔۔۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔“

”تو بس تم اپنے سارے پلان اپنے پاس رکھو۔ تمہیں کیا کرنا ہے کیسے کرنا ہے اس کا فیصلہ تم ہی نے کرنا ہے۔ دولت کی راہیں کس جانب

جاتی ہیں تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ آؤ اب چلیں۔“

اس نے کہا اور اٹھ گیا۔ دونوں دھیر سے دھیر سے قدموں سے چلتے ہوئے بیرونی دروازے کی جانب چل پڑے۔

”قاروق چہ ہدری سے کب ملنے کا ارادہ ہے؟“ ہائیوں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

”تم نے اس کے بارے میں بنیادی باتیں متاوی ہیں، تاہم جب میں مطمئن ہو گیا تو طوں کا کیا ممکن ہے اس سے ملنے کی نوبت ہی نہ

آئے۔“ اس نے عام سے لہجے میں کہا پھر اپنا فون نکال کر اس کے نمبر پر کال کر دی۔ تموزی دیر بعد رابطہ ہو گیا تو اس نے پوچھا۔ ”ہوں کیا پتہ چلا۔

وہ دونوں وہیں پر ہیں یا وہاں سے چلے گئے ہیں تمہیں ملے؟“ یہ کہہ کر وہ دوسری طرف سے تفصیلات سننا پھر فون بند کر کے تاپا۔ ”دونوں ابھی

وہیں ہیں۔ خیر اب اس کی نگاہ میں رہیں گے اور اس تیار کر کے ہارے میں پوری تفصیل معلوم کرنا پڑے گی۔ چلو یہ بھی ہو جائے گا۔“ اس نے

خودکامی والے انداز میں کہا اور پھر بیرونی دروازے کی جانب تیز قدموں سے چلنے لگا۔

☆☆

رات کا آخری پہر میں رہا تھا۔ راحیلہ، ہم ہی روشنی میں جائے لہنا پھمائی اس پر بیٹھی دعا مانگا، ریحی تھی اس نے کچھ دیر پہلے ہی نوافل

پڑھے تھے اور اس وقت وہ دل ہی دل میں رتب کے حضور دعا گو تھی۔ اس کے لب پر ایک ہی دعا تھی کہ اے زندگی اور موت دینے والے رتب

العرس! تو مجھ کی زندگی کی حفاظت کرنا جو بھی کوئی شر اس کے نزدیک آئے اسے دور کر دینا۔ میں جانتی ہوں کہ موت کا ایک وقت معین ہے مگر اس

کی زندگی کسی غلط راہ پر تمام نہ ہو اس کے دل میں جو درد مند دل ہے اس کو حیرت زدہ بنا دے۔ وہ پورے جذب سے ذکا مانگ رہی تھی۔ ایسے میں نسرین نے اپنے بیڑ پر کمر لیا تو اسے ہیرا سا دکھائی دیا۔ اس نے غور سے دیکھا تو راحیلہ دکھائی دی۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ وہ کیا کر رہی ہے اس لیے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

”اے راحیلہ! کیا کر رہی ہو۔۔۔؟“

اس پر جواب نہ ملا تو وہ جلدی سے اٹھی اور لائٹ آن کر دی جیسے ہی اس کی نگاہ جاتے نماز پڑھتی ہوئی راحیلہ پر پڑی تو ساری بات سمجھ گئی تب تک راحیلہ نے بھی منہ پر ہاتھ پھیرے اور اٹھ گئی۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔؟“ راحیلہ نے دھیرے سے پوچھا۔

”میں ڈر گئی تھی میں نے سمجھا تمہیں کچھ ہو گیا ہے۔“ نسرین نے صاف گوئی سے کام لیا۔

”مجھے کیا ہونا ہے۔۔۔ خیر سو جاؤ اب۔۔۔“ راحیلہ نے بیڑ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس وقت تم کون سی خصوصی دعائیں مانگ رہی ہو؟“ نسرین نے بھی اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔

”نسرین! اگر کوئی کسی پر احسان کرے یا اس کی مدد کرے تو اس کا بدلہ کیسے دیا جائے تم بتاؤ ذرا۔۔۔؟“ راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

”ظاہر ہے اس سے بہت اچھا سلوک کر کے۔“ نسرین نے جواب دیا۔

”تم جانتی ہو کہ میرے پاس نہ دولت ہے اور نہ طاقت میں ایک بے بس لڑکی ہوں۔ میں جنید کے احسان کا بدلہ اس طرح نہیں دے سکتی جس طرح اس نے میری مدد کی ہے۔ میرے پاس تو ایک ذرا کا وسیلہ ہے جو میں اس کے لیے کر سکتی ہوں وہ میں پورے ظلم اور جہد سے اس کے دل کی راحیلہ نے اسے سمجھاتے ہوئے دھیرے دھیرے کہا۔

”ہاں تم ایسا کر سکتی ہو۔“ یہ کہہ کر وہ ذراڑکی پھر بولی۔ ”ایک بات صحیح بتانا راحیلہ! کیا تم جنید سے محبت کرنے لگی ہو؟“

”ہاں اس سے مجھے قطعاً انکار نہیں ہے۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔“ اس نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

”لیکن راحیلہ! مجھے نہیں لگتا کہ وہ تم سے محبت کرے گا یونہی عقروں سے سر پہونڈنے والی بات ہے۔“ نسرین تشویش سے بولی۔

”یہ تمہاری سوچ ہے اور میں اس پر ایسا کچھ نہیں کہوں گی کہ تم نے ایسے کیوں سوچا مگر یہ ضرور کہوں گی کہ جب وہ مجھے نہیں ملتا تھا میں نے اسے نہیں دیکھا تھا تب تک میرے من میں ایسا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ کبھی کسی سے کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی۔ وہ جو انداز سے صدا اٹھتی ہے وہاں ہر طرح سے سناؤ تھا لیکن جیسے ہی جنید کا چہرہ میرے سامنے آیا تو میں نہیں سمجھتی کہ یہ سب کیسے ہو گیا، بس اب مجھے وہی ہر طرف دکھائی دیتا ہے۔“ راحیلہ نے یوں کہا جیسے وہ نسرین کو نہیں اپنے آپ کو اپنا حوالہ بنا رہی ہو۔

”تم ایسی کسی راہ پر کیوں جانا چاہتی ہو جس کی کوئی منزل ہی نہیں ہے۔ اس نے خود کہا ہے کہ اس کی اپنی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔۔۔“

وہ کہہ رہی تھی کہ راحیلہ نے بات کا تہہ ہی نہ کیا۔ "کیا ہنری زندگیاں کا اعتبار ہے کیا ہمیں یقین ہے کہ آج صبح کا سورج دیکھ جائیں گی۔ نہیں

تا۔۔۔ تو پھر اس میں پریشانی ہونے والی کیا بات ہے؟"

"دو تم پر اعتبار بھی تو نہیں کرتا ہے نا۔۔۔ اگر اسے تمہاری بات پر اعتبار ہوتا تو وہ کبھی گاؤں جا کر تمہاری سہائی کو جاننے کی کوشش نہ کرتا۔"

"تو پھر کیا ہوا۔۔۔ میرے خیال میں اچھا ہوا! اسے میری سہائی کا یقین آ گیا کہ میں نے غلط بیانی کر کے اس کے احساس کو نہیں نہیں

کھپائی۔" دو دیر سے سے بولی۔

"مجھے اس بات کی سمجھ۔۔۔"

"تم کوئی بات مت سمجھو نسرین! بس مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

راحیلہ نے واضح طور پر کہا تو نسرین کو اچھا نہیں لگا مگر اس نے اظہار نہیں کیا بلکہ سلجھے ہوئے غصوں میں بولی۔

"خیر اس وقت تو تمہیں اس کی محبت کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ جب اترے گا تو میں اس وقت پوچھوں گی کہ تم نے کبھی کسی سے محبت کی

تھی؟"

"نسرین میری جان! ہم آئے دن محبت کی کہانیاں سنتی ہیں لیکن کبھی اس پر غور کیا ہے کہ یہ محبت کیا بلا ہے؟ تم نے نہیں سوچا اور نہ اس پر

کبھی غور کیا ہے۔ میں جب اس پر غور کرتی تھی تا تو مجھے سوائے اپنی ماں کی محبت کے اور کچھ کبھی ہی میں نہیں آتا تھا لیکن اب اس پر بہت سوچا ہے میں

نے۔"

"کیا ہے یہ محبت تو راجھے بھی تو پتہ چلے؟" نسرین نے خالق کے سوا میں کہا۔

"اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تم عورت بن کر سوچو فقط عورت! اپنے عورت ہونے کا احساس کرو پھر خود کو بنیاد بنا کر اپنے دین کو سوچو اور دنیا کو

سمجھنے کی کوشش کرو۔ سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ ہادی دنیا جسم کی طلب اور عیوب جسمین بالکل بیچ دکھائی دیں گے۔ یہ محبت ہے نہ بہت بڑی قوت ہے۔"

راحیلہ نے کھوجانے والے انداز میں کہا۔

"تم اسے یاد کر رہی ہو اس کے لیے راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعا مانگیں مگر رقی ہو۔ یہ قوت تمہیں ہی بے شک کیے ہوئے ہے اس کا اثر مزید

پر تو نہیں ہوگا۔ اسے کیا معلوم کہ تم کیا کر رہی ہو؟" نسرین نے گویا پلٹ کر کہا۔

دعاں اثر رکھتی ہیں اگر اس پر یقین ہو جس سے دعا مانگی جا رہی ہوتی ہیں اور

"میں کون سا اس کے لیے یہ سب کر رہی ہوں میں تو اپنی محبت کے لیے۔"

یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ اس کا تیل فون بج اٹھا۔ دو دونوں عین حیرت زدہ رہ گئیں۔ راحیلہ کے فون کی اسکرین پر جو نمبر درج

تھا وہ ہنید کا تھا۔ اب تو رات صبح سے گلے ملنے والی ہے اس نے فون کیسے کر دیا؟۔۔۔ راحیلہ نے ڈرتے ڈرتے فون اٹھایا اور سہو کرتے ہوئے

دو دیر سے بولی۔

”ہیلو۔۔۔“

”ہاں دیکھا۔۔۔ منس نے آج تمہیں سوتے میں جگا دیا۔“ جنید نے تازہ دم لہجے میں کہا۔

”منس منس چاگ رہی تھی۔“ راحیلہ دھیرے سے بولی۔

”او۔۔۔ لیکن کیوں۔۔۔؟“ اس نے تیزی سے پوچھا۔

”بس یونہی نرسین سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے اطمینان سے کہا۔

”اچھا خیر۔۔۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج اپنے ہسپتال سے چھٹی کر سکتی ہو؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”چہ نہیں۔۔۔ خیریت تو ہے نا۔۔۔؟“ ایک لمبے کورا حیلہ کی آواز لرز گئی۔

”ہاں خیریت ہے۔۔۔ اگر تم آج چھٹی کر سکو تو ٹھیک ورنہ نکل ضرور چھٹی کر لینا لیکن آج شام کے وقت مجھے ملتا ہے۔“ جنید نے اٹھتے

ہوئے کہا۔

”اگر منس آج کی چھٹی کر لوں تو۔۔۔؟“

”تو پھر مجھے فون کرنا۔۔۔ تمہیں عدالت میں آنا ہوگا کچھ دیر کے لیے۔۔۔“ جنید نے تیزی سے کہا۔

”عدالت۔۔۔ مگر کیوں؟“ راحیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ غم دہاں آؤ گی تو بتاؤں گا۔۔۔ بہر حال جو بھی صورت حال ہوتی ہے لیکن سورج نکلنے کے بعد اب کچھ دیر کے لیے میرا فون بند ہوگا۔۔۔“

”اچھا اللہ حافظ!“

جنید نے کہا اور فون بند کر دیا۔ راحیلہ اس فون کال پر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

وہ دونوں ہی جنید کی فون کال پر حیران تو ہوئی تھیں لیکن یوں عدالت میں جانے پر تھوڑا پریشانی بھی ہو گئی تھی۔ ان کے درمیان خاموشی

آنٹھ رہی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہی تھیں کہ جنید نے ایسا کیوں کہا پھر اس خاموشی کو نرسین ہی نے توڑا۔

”خیر یہ تو بعد میں ہم کھینے کی کوشش کریں گی کہ جنید نے یوں اچانک عدالت میں کیوں بلایا ہے لیکن یہ دیکھو کہ میں اس وقت اس کا فون

آیا ہے جب ہم اس کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔“

”یہ کوئی آنہوئی تو نہیں ہوگی ایسا تو اکثر ہو جاتا ہے۔“ راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میری مراد ہے کہ تمہاری اور اس کی محبت کے بارے میں جو ہم باتیں کر رہے تھے۔۔۔“ نرسین نے جھپٹتے ہوئے کہا۔

”اس کی محبت کا مجھے نہیں پتہ منس اپنی محبت کی بات کر رہی تھی۔“ یہ کہہ کر راحیلہ چند لمحوں کے لیے جیسے کھوی گئی ٹھہر پڑی۔ ”نرسین اب

نارل انسان اپنے معاملات کو وہ اور وہ چار کر کے ہی دیکھتا ہے۔ ایسا کرنا بھی چاہئے کہ یہ عقل کا ٹھنڈا ہے مگر جب معاملات دل کے ہوتے ہیں نا تو

وہاں کوئی کلیہ کام نہیں آتا۔۔۔“ راحیلہ نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا کیا مطلب ہے محبت انسان کو نازل نہیں رہنے دیتی؟" نسرین کے لہجے میں حیرت تھی۔

"انسان نازل رہے یا نہ رہے لیکن کائنات بننے کی راہ پر گامزن ضرور ہو جاتا ہے۔" راحیلہ نے یوں کہا جیسے وہ کہیں اندر ڈوب کر بات کر رہی

ہو۔

"خیر چھوڑو یہ سوچو کہ اس نے تمہیں عدالت میں کیوں بلا لیا ہے۔" کہیں وہ تم سے کورٹ میرج تو نہیں کرنا چاہتا؟" نسرین جھٹکتے ہوئے

بولی۔

"میرا خیال ہے وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا اور ان حالات میں تو قطعاً نہیں جب میرے امتحان پانکل قریب ہیں اور میری پائلٹ کی زندگی

مختم ہونے والی ہے۔"

"تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔۔۔؟" نسرین کو بے حد تجسس تھا۔

"یہ تو وہی جا کر معلوم ہوگا۔۔۔ بہر حال میں جاؤں گی۔"

اس نے مضبوط لہجے میں کہا اور نکلنے کے ساتھ سرنگا کر سوچوں میں ڈوب گئی۔ نسرین اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ کئی لمحوں تک وہ اسے غور

سے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے بولی۔

"راحیلہ تم کتنی بدل گئی ہو۔۔۔ ہر وقت جلتے کڑھتے رہنے والی اپنے آپ میں ڈوب گئی ہے یوں جیسے پوری دنیا سے واسطہ ہی نہ رہا ہو

اور وہ جو تمہاری زندگی کے لیے عذاب جان بنا ہوا تھا ڈاکٹر جمیل وہ بھی اب کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ کتنا سکون سا آ گیا ہے تمہاری زندگی میں۔"

"یہ محبت کی کرامت ہے بیجاری! محبت انسان کو حوصلہ دے دیتی ہے۔ انسان باہر کی دنیا نہیں بلکہ اپنے اندر دیکھتا ہے کیونکہ ایک مستند

رواں ہو جاتا ہے سب میں۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے نسرین کی جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "اب تمہارا دکھ تمہیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ یہ

حقیقت ہے کہ اس نے تم سے بے وفائی کیا تم سے کینے دہے چورے نہیں کیے لیکن تم اب بھی اسے سوز دلائو جس شہزادی ہو بلکہ اس کی مجبوری

گردانی ہو اور اس کے باوجود تم ڈکھ محسوس کرتی ہو۔ آخر کیوں یہ سوجا کبھی تم نے۔۔۔؟"

"تم سمجھاؤ۔۔۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"اس میں کوئی اتنی الجھن نہیں ہے صرف سوچ کا فرق ہے۔ تم دونوں کے تعلق میں کہیں کوئی غرض تھی جس کے چورا نہ ہونے کا ڈکھ تمہیں

ہوتا ہے۔ خالص محبت جس میں کوئی غرض نہیں ہوتی وہاں ڈکھ نہیں ہوتے بس اپنی محبت میں ڈوبتے جانے کی کوشش میں انسان آگے ہی آگے بڑھتا

چلا جاتا ہے۔" راحیلہ نے یوں کہا جیسے وہ اپنا حال بتا رہی ہو۔

"میں کبھی نہیں۔۔۔" نسرین بولی۔

"تمہیں اس وقت سمجھ آئے گی جب کسی غرض کے بغیر تم اس بات کو سوچنے کی کوشش کر دو گی۔۔۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ تمہاری دیر حریہ

سولیں پھر آج باہر بھی جانا ہے۔"

اس وقت دن کا پہلا پھر ٹہم ہو جانے کو تھا جب راحیلہ عدالت کے باہر رکشے میں سے اترتی۔ ٹریفک کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ جنید سے بات کر کے ہی چلی تھی اس نے ایک نمبر اسے دیا تھا کہ مجھے ہی تم وہاں پہنچنا اس نمبر پر کال کر کے وہاں چلی جانا۔ وہ دوسرا نمبر تھا جو اس کے فون میں محفوظ ہوا تھا۔ راحیلہ سڑک سے ہٹ کر احاطہ عدالت کی جانب چل وی اٹھ کر ایک جانب جا کر اس نے وہ نمبر ملا دیئے۔ چند لمحوں بعد ہی فون رسیس کر لیا گیا۔

”منیں راحیلہ بات۔“ دو اتنا ہی کہہ پالی تھی۔

”آپ کہاں پر ہیں؟۔۔۔ منیں بہانوں بات کر رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے تیزی کے ساتھ کہا گیا تو راحیلہ نے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کہاں پر ہیں؟“

”منیں ادھر ہی ہوں۔ آپ وہیں ٹھہریں منیں چند منٹ میں آپ تک پہنچ جاتا ہوں۔“

ہاں میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ راحیلہ وہیں کھڑی رہی اور تقریباً دس منٹ بعد اس نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اس کے قریب آ کر

سجیدگی سے بولا۔

”آپ راحیلہ ہیں۔۔۔؟“

”جی۔۔۔“ اس نے ابتدائی انحصار سے کہا۔

”منیں ہاں ہوں۔۔۔ اگر آپ چاہیں تو جنید سے بات کر لیں تاکہ آپ کو میرے بارے میں پوری تسلی ہو جائے۔“

ہاں میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو راحیلہ نے جنید کے نمبر پیش کر دیئے۔ چند لمحوں بعد وہ بولا۔

”ہاں تم پہنچ گئی ہو۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔ میرے پاس ہاں صاحب کھڑے ہیں۔“

”بات کراؤ۔۔۔“

راحیلہ نے فون ہاں کی جانب بڑھا دیا یوں دونوں کے درمیان بات ہو جانے کے بعد راحیلہ کو اطمینان ہو گیا۔ اس نے فون واہس لیا اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ایک عجیبے میں جا پہنچے جو خالی تھا۔ ہاں میں نے اسے وہاں بٹھایا اور ہاں نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واہس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک فائل دہلی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے ہی ایک ملازم نما شخص چائے کے ساتھ لوازمات لے کر آ گیا اس نے لڑے رکھی اور واہس چلا گیا۔ ہاں میں نے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”آب مجھے نہیں معلوم کہ جنید نے آپ کو میرے متعلق بتایا ہے کہ نہیں منیں اپنا۔۔۔“

”صبح جب میری ان سے فون پر بات ہوئی تھی تب انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا تھا۔“ راحیلہ نے وچیرے

سے کہا۔

”جلیں میرا کام آسان ہوا۔ اب مجھے لمبی چوڑی تمہید نہیں ہاندھنا پڑے گی۔ لیجئے یہ چائے پیجئے۔“ اس نے کپ اس کے سامنے رکھا اور دوسرا اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا۔

”لیکن نیک بات مجھے انہوں نے نہیں بتائی کہ مجھے یہاں کیوں بلا لیا گیا ہے؟“ وہ بے چینی سے انداز میں بولی۔

”نہیک۔۔۔!“ ہمایوں نے مجھنے والے انداز میں کہا۔ پھر بولا۔ ”وہ منی آپ کو سمجھا دیتا ہوں۔۔۔ دراصل انہوں نے آپ کے لیے ایک گھر پسند کیا ہے۔ اس کی ساری ادائیگی وغیرہ ہو گئی ہے، بس قانونی طور پر آپ کے نام کرنے میں چند کاغذات کی تکمیل ہونا باقی ہے اور یہ میری ذمہ داری ہے۔ آپ نے چند کاغذات پر دستخط کرنے ہیں اور۔۔۔“

”لیکن انہوں نے اگر ایسا کیا ہے تو مجھ سے نہیں پوچھا۔ منی میں چاہتی تھی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

اس نے یوں کہا جیسے یہ سب سن کر اسے بہت دکھ ہوا ہو۔ تب ہمایوں نے اس کی جانب حیرت سے دیکھا اور بولا۔

”یا آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“

راحیلہ نے اس کی بات نظر انداز کر دی اور فون پر جنیڈ کے نمبر پر کال کر دیئے۔ چند لمحوں بعد اس کا رابطہ ہو گیا۔

”جنیڈ! آپ نے کسی گھر کو میرے نام کرنے کے لیے یہاں مجھے بلوایا ہے؟“

”ہاں۔۔۔ تمہیں ہمایوں نے تفصیل نہیں بتائی؟“

”مجھے تفصیل جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ منی ایسا نہیں کروں گی۔“ راحیلہ نے صاف لفظوں میں کہا۔

”اوہ!“ اس نے ہنسنے ہوئے کہا پھر بولا۔ ”جب منی گھر رہا ہوں کہ ایسا کرو تو پھر کرو۔“

”کیوں منی ایسا کیوں کروں؟۔۔۔ یہ کوئی موبائل فون سیٹ نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے اور منی۔۔۔“

”تم ایسا کرو تو میں تمہیں آ رہا ہوں۔“ جنیڈ نے اس کی بات کا نتیجہ ہوئے کہا۔

”لیکن اس لیے نہیں کہ۔۔۔“

وہ کہتی گئی تو پھر بات کٹ گئی۔ ”نہ کرنا۔۔۔ منی تمہیں وہاں سے پک کروں گا ہم کہیں اور جا کر بات کریں گے۔“

جنیڈ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ جب راحیلہ نے ہمایوں کی جانب دیکھا۔ اس نے کوئی بات نہیں کی، محض کاغذ سے آچکا کر چائے چہار با۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد راحیلہ صاف عدالت سے باہر آ گئی جہاں جنیڈ ایک گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھی تو اس نے گاڑی بڑھا دی۔

”آخر تمہیں کیا اعتراض ہے۔ منی جب تمہارے لیے ایک گھر خرید رہا ہوں تو۔۔۔!“ اس نے پوچھا۔

”یہ نہیک ہے کہ آپ میرے من میں لیکن منی یہ بھی نہیں چاہوں گی کہ آپ میری غربت کا شوق اڑائیں۔۔۔ منی مانتی ہوں کہ منی

ایک گاؤں کی رہنے والی خربڑکی ہوں لیکن مجھ میں ابھی غیرت ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک پختہ گھر جو شہر میں ہو اس کے لیے میری زندگی کے نبھانے کے لیے سال خرچ ہوں گے مگر مجھے خود پر بھروسہ ہے۔" راحیلہ نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

"تقریر کر چکی ہوں؟" جنید بڑے ہی اطمینان سے بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" راحیلہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"کل تم محبت کے دعوے کرتی تھی ہو اور آج اپنے اس دعوے کے بالکل برعکس بات کر رہی ہو۔" وہ دیر سے بولا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔؟" وہ بالکل نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"یہ گھر میں تمہیں نہیں دے رہا بلکہ میں اپنے لیے خرید رہا ہوں۔۔۔ تمہیں پتہ ہے میرا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں اپنے نام سے کوئی شے خرید نہیں سکتا اور اگر خریدوں گا بھی تو وہ میرے کسی کام نہیں آنے والی بلکہ میرے گلے کا پھندا ابھی بن سکتی ہے۔۔۔ میں نے کل جب تمہاری والدہ کو دیکھا تو مجھے ان پر ترس نہیں آیا اور نہ ہی میں امدادی کر رہا ہوں بلکہ میں نے اپنا قاعدہ سوچا ہے۔ میں تمہاری مختصر سی فیملی کے ساتھ بہت اچھا وقت گزار سکتا ہوں۔۔۔ پس اگر تم ڈرتی ہو کہ کل کلاں میری وجہ سے تم پر بھی کتاب نازل ہو جائے گا تو بالکل انکار کرو۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" راحیلہ نے غیرت سے پوچھا وہ اس تصور سے ہی شاداں و فرحان ہو گئی تھی۔

"ہاں سنیں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ میں وہاں رہوں چند دن رہوں نہایت عرصہ رہوں یا پھر بالکل ندر ہوں لیکن مجھے یہ معلوم ہوگا کہ میرا ایک محفوظ ٹھکانہ ہے اس دنیا میں جہاں میں اطمینان سے رہ سکتا ہوں۔ اگر تم اتنی قربانی دے سکتی ہو تو ٹھیک دنہ پھر۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا فقرہ ادا ہو کر اٹھوڑ دیا۔

"نہیں سنیں ڈرتی نہیں ہوں۔ آپ کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔" راحیلہ نے دل سے کہا۔

"مجھے تمہاری جان کی نہیں تمہاری زندگی کی ضرورت ہے۔"

جنید نے کہا تو وہ پوری جان سے مسرت آگئیں کیفیت میں کھو گئی اچھٹوں تک وہ اسی میں ڈوبی رہی پھر بولی۔

"جیسا آپ چاہیں۔۔۔"

"تم ویسے ہی وہیں اپنے ہاسٹل میں رہو گی لیکن تمہاری والدہ یہاں رہیں گی ان کے ساتھ ایک فیملی رہے گی جو ان کی دیکھ بھال کرے گی۔ چاہو تو ان سے شفیق رہنا اور جب تمہارے امتحان ہو جائیں گے تو پھر فیصلہ ہوگا کہ تم نے کیا کرنا ہے۔ اگر منظور ہے تو واپس عدالت کی جانب چلیں ورنہ تمہیں تمہارے ہاسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔" جنید نے حسنی انداز میں کہا۔

"آپ عدالت کی طرف ہی چلیں۔۔۔"

راحیلہ نے مضبوط لہجے میں کہا تو جنید نے اگلے پورٹن سے گاڑی موڑ لی۔ پھر فون پر ہائیوں کو بتا دیا کہ راحیلہ واپس آ رہی ہے۔ جس وقت راحیلہ نے عدالت کے باہر اترنا تھا تب جنید نے کہا۔

مشق قلم ہے مشق بنا

"جب وہ گھر تہارے نام ہو جائے گا تو اسے دیکھنے نہیں گئے اب جاؤ۔"

راجیل نے اس کی طرف بڑی گہری نگاہوں سے دیکھا اور گاڑی سے اتر گئی۔ اس کا زرخ اعاطہ عمارت کی جانب تھا۔

☆☆

منیہہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تیار ہو رہی تھی۔ اسے اپنی ایک سیکلی کے ساتھ اس کی کلاس فیلو کے ہاں جانا تھا، جس نے بڑے اہتمام سے انہیں ساگرہ پارٹی کی دعوت دی تھی۔ جب سے تیور نے اس سے کاغذات پر دستخط کروائے تھے وہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔ وہ اپنے انداز و اطوار سے ایک کاروباری خاتون ہونے کا احساس دلانے لگی تھی۔ اگرچہ ابھی اس کی عمر نہیں تھی لیکن جیسے کاروباری خاتون جنہیں عرب عام میں "بزنس ویمن" کہتے ہیں وہ خود کو بنیاد دینا کر رہی تھی۔ تاہم اس میں بھی انہوں نے فیشن کا پہلو تلاش کر لیا ہوا ہے اور منیہہ بھی اس وقت اپنے آپ کو ایسے ہی لہاس اور انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اٹھنے سے پہلے اس نے خود پر ایک خازنہ لگا ڈالی۔ تھی اس کے من میں خواہش ابھری کہ تھوڑی دیر کے لیے سنی اسے تیور سے ملنا چاہئے۔ شاید یہ کسی عورت کی وہ لاشعوری خواہش تھی کہ وہ بین سنور کر کسی کو اپنا سراپا دکھانا چاہتی ہے۔ اس نے سامنے ٹیبل پر پڑا فون اٹھایا اور اس کے نمبر پیش کر دیئے۔ چند لمحوں بعد دوسری جانب سے فون اٹھا لیا گیا۔

"ہاں ہوں، منیہہ! اس وقت میری کیسے یاد آگئی؟"

"پرانا ڈائلاگ ہے تیور! لیکن اس وقت چلے گا اور وہ یہ ہے کہ آپ کو بھولے ہی کب تھے آپ تو ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہو۔" اس نے جتے ہوئے کہا۔

"چلو مان لیتے ہیں لیکن پھر بھی۔۔۔؟" تیور نے جلدی سے کہا۔

"تیور! منیہہ نے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ منیہہ آپ سے ملوں حالانکہ منیہہ آج اپنی ایک کلاس فیلو کی ساگرہ پارٹی میں جا رہی ہوں۔" اس نے بڑے مان سے کہا جس میں لہاس لینے والا انداز تھا۔

"اوہ۔۔۔ تو اسکی کون سی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تم جب دباں سے لگتا تو مجھے فون کر دینا پھر ہم کسی بھی جگہ مل لیں گے۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن اگر دیر ہوئی تو پھر نہیں، میری ماما پہلے ہی مجھ پر پابندیوں لگانے کی گھر میں ہے۔" اس نے پھر ایسے ہی لہجے میں کہا جیسے وہ اسے بھاری ہو۔

"اب تو منیہہ یہی کہہ سکتا ہوں کہ جیسا تم چاہو۔۔۔" اس نے دیر سے کہا۔

"اوکے منیہہ فون کر دوں گی۔"

منیہہ نے کہا اور پھر فون بند کر دیا اسی لمحے ہارن کی آواز سنائی دی۔ منیہہ جب ڈرائنگ روم میں آئی تو اسکی سیکلی زمینوں بی بی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ منیہہ ایک دم سے چوکن ہو گئی "تجائے اس کی ماما کیا کہہ دے؟ اس نے چور لگا ہوں سے اپنی ماں کو دیکھا اور پھر سیکلی کی جانب دیکھ کر بولی۔

عشق تباہے عشق بتا

"تم بڑے وقت پر آئی ہوئیں تو کبھی بھی کہہ دیر لگا دوں گی۔"

"وقت پر آنے کا مطلب ہے کہ وقت پر واپس آئی جائے۔" اس کی تکلیف نے کہا۔

"تو پھر میرا خیال ہے ہمیں جلدی جانا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ ڈرانگ روم سے نکلتی چلی گئی نہ چون لہا لہا سے جاتے ہوئے دیکھتی رہتی لیکن ایک نظر بھی نہیں کیا۔

مغرب سے پہلے پارٹی ختم ہو گئی تو مصفیہ نے وہاں سے نکلنا چاہا اس کی تکلیف کا ابھی وہ نہیں آئے کوئی نہیں چاہ رہا تھا بہت مشکل سے وہ اسے لے کر باہر نکلے مگر جب گاڑی میں بیٹھ چکی تو مصفیہ نے دے دے غصے میں کہا۔

"وہاں میرے گھر تو بہت کہہ رہی تھیں کہ جلدی واپس آنا ہے اور یہاں سے تمہارا نکلنے کوئی نہیں چاہ رہا تھا۔"

"یار ایسے ہنگامے ہم لڑکیوں کو دیکھنے کے کہاں مواقع ملتے ہیں۔۔۔ ویسے میں نے عشاء تک واپس جانے کا کہا تھا لیکن تم نے جلدی کی۔۔۔"

"خیر میں تمہیں ڈرا پ کر کے باہر ہی سے چل جاؤں گی۔"

مصفیہ نے اپنے ذہن میں جان بھرتا تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ یونہی عام سی باتوں میں سفر نہ کیا اور مصفیہ نے اپنی تکلیف کو ڈرا پ کر دیا۔ پھر تیمور کا نمبر ملا یا اور اس سے جگہ کا تعین کر کے چل دی اس کی منزل ایک چائینیز ریسٹوران تھا۔

"آج تم بہت خوب گدھی ہو گئیں کبھی کبھی جس کے لیے اتنا اجر ہم کیا کیا تھا۔"

تیمور نے ریسٹوران کے ایک گوشے میں بیٹھتی ہی پہلی بات کی تو مصفیہ دل ہی دل میں اپنی تعریف پر نہال ہی ہو گئی۔

"ایسا تو نہیں۔۔۔ میں نے دراصل آپ سے ملنے کے لیے اس بہانے کا سہارا لیا تھا۔" مصفیہ نے خدار آلود آواز میں کہا۔

"اوه تو ہنری قربت اب اس قدر ابھی ملتی ہے آپ کو۔۔۔؟" تیمور خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"ظاہر ہے۔۔۔ لڑکی اپنی زندگی میں ایک ہی مرد کو چاہتی ہے اور تمہاری زندگی اس کے ساتھ گزارنے کی خواہش کرتی ہے۔۔۔"

مصفیہ نے صاف لفظوں میں اپنی بے تابی اس پر ظاہر کر دی جس پر تیمور نے بلا عینک انداز میں کہا۔

"میں نے کچھ اور بھی سوچا ہے اگر میرے دائرہ زندگی نہ مانتے تو میرے پاس مدیٹلونی شہریت ہے میں اور تم ہمیشہ کے لیے یہ وطن چھوڑ کر

چلے جائیں گے وہاں ہم بہت سکون سے رہیں گے۔"

"کیا آپ اس حد تک سوچ رہے ہو؟" مصفیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں تو اور کیا۔۔۔ اب تمہارے بغیر زندگی گزارنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ یہ تو میں ہی جانتا ہوں کہ ایک ایک دن کس طرح گزار

رہا ہوں۔"

"ہاں۔۔۔ یہ میرے فائل امتحان درمیان میں نہ ہوتے تو میں۔۔۔" مصفیہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"خیر ہم جب اس قدر قریب آئی تھیں تو اب ہمیں زیادہ دوڑنی نہیں رہنا چاہئے۔ کم از کم چلنے میں ایک بار تو ہمیں سارا دن ایک ساتھ گزارنا چاہئے۔" تیمور بڑے محتاط انداز میں منیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"دل تو میرا بھی چاہتا ہے لیکن۔۔۔ فائنل امتحان تک بہت مشکل ہے۔" منیہ نے تیمور کی بات میں اس خواہش کو سمجھتے ہوئے کہا جو بنانے تھی ہار وہ اس کی آنکھوں میں پڑھ چکی تھی اور اس وقت بھی وہ اس کا مطلب بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

"جیسے تمہاری مرضی منیہ کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔" تیمور نے فوراً ہی اس کی ہاں میں ہاں ملا دی لیکن لہجہ بہت زیادہ مایوسی بھرا تھا۔ اس پر منیہ نے جب کچھ نہ کہنا تو وہ بولا۔ "لیکن ایسا تو ممکن ہے کہ فائنل امتحان سے پہلے ایک بار ہم بھرپور انداز میں انجوائے کریں، سارا دن فارم ہاؤس پر گزاریں۔ تم کوئی سا بھی یہاں نہ کر سکتی ہو۔"

"ہاں ایسا ہو تو سکتا ہے پر۔۔۔" منیہ نے پہلو تھی چاہی۔

"بس فائل ہو گیا۔ تین دن بعد تمہارے کالج کی چھٹی ہے اور ہم وہ دن فارم ہاؤس پر گزاریں گے۔ خوب باتیں کریں گے انجوائے کریں گے اور مستقبل کا پلان بنا لیں گے۔"

تیمور نے حتیٰ انداز میں کہا تو منیہ نے دھیرے سے اپنی گردن ہلا دی۔۔۔ دونوں کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران کھانا بھی آ گیا۔ کھانے کے دوران تیمور نے منیہ کو فارم ہاؤس پر جانے اور وہاں دن گزارنے کے پلان سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔

منیہ جس وقت گھر واپس آئی تو اس وقت تیمور کی باتوں کا روبرو اور برطانیہ کے شہر چھٹل کے بارے میں ہونے والی گفتگو کا شمار اس پر حاوی تھا۔ اس کے ذہن میں فارم ہاؤس پر گزارنے والا وہ دن بھی تھا جس نے دو دن بعد آ جانا تھا۔ اس نے گاڑی کمزری کی اور ڈرائنگ روم میں ملنا مانی جہاں اس کی توقع کے عین مطابق اس کی ماں زینون بی بی اس کا اہتمام کر رہی تھی اسے دیکھتے ہی وہ سسلی سے بولی۔

"اس سے پوچھو سسلی! یہ اتنی دیر کہاں رہی ہے؟"

"منیہ کہیں بھی جاؤ کچھ بھی کروں اس سے آپ کو ذرا بھی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بات منیہ آپ لوگوں کو کیسے سمجھاؤں؟" منیہ نے پرس مونی پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"بیتیبوں کے یہ لہجے نہیں ہوتے۔۔۔ اتنی بد اخلاق بنی یا اللہ! اسے موت دے دے یا پھر مجھے اٹھائے۔" زینون بی بی نے وکھے ہوئے دل سے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"تم ای کے ساتھ اس قدر بدتمیزی سے کیوں پیش آتی ہو؟" سسلی نے غصے میں پوچھا۔

"یہ تم ماں بیٹی نے میرے ہارے میں ہی تمہیں کاٹھیک کیوں لیا ہوا ہے منیہ نے کبھی یہ پوچھا ہے کہ تم دونوں کیا کرتی ہو؟۔۔۔ میری اپنی زندگی ہے خدا کے لئے مجھے گزارنے دو۔"

لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ اس کے پاپا ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ انہوں نے یہ بات سن لی مگر اس لیے آتے ہی بولے۔

"کیا بات ہوگئی صفیہ! کیوں اس طرح بات کر رہی ہو؟"

"پاپا! میں غم آگئی ہوں اپنے ہی گھر میں ذرا ذرا سی بات پر پابند ہوں سے۔ یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ اس وقت اٹھو وہاں نہ جاؤ۔" منیں
کیا کروں پاپا؟" اس نے رو باسوہوتے ہوئے کہا۔

"ہوا کیا ہے؟" اس کے باپ نے اس کے قریب بیٹھے ہوئے کہا۔

"میری کلاس فیلو کی سائیکرو پارتی تھی وہاں گئی تھی۔ اب! میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ منیں ذرا ذرا سے کیوں آئی ہوں۔ ان سے پوچھیں! کیا رات
فقہ ہوگئی ہے؟ انہیں کیا پوسٹل لائف کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے تو گھر میں بند رہنا ہوتا ہے۔ کسی سے ملنا نہیں! مرضی سے بات کرتی ہے۔"

وہ صغیرے میں بولی تھی۔ پاپا نے سہلی کی جانب دیکھا تو وہ ہونٹوں کی طرح ان دونوں کو دیکھے جلی جا رہی تھی۔

"پاپا! یہ منیں نے نہیں! ای نے اس سے پوچھا تھا لیکن یہ اجنبی! یہ تمیزی سے پیش آئی ہے! کم از کم اسے یہ تمیز تو ہونی چاہئے کہ ماں سے بات
کس طرح کی جاتی ہے۔" سہلی نے صغیرے سے کہا۔

"ہاں! منیں تو سہرا پاندی ہوں ان کی لگا ہوں میں اور جب میری ہر بات میں نرمائی ہے تو پھر کوئی بات کیسے ٹھیک ہوگی۔" صغیرے نے باقاعدہ
روتے ہوئے کہا۔

"تم جاؤ! سہلی!۔" پاپا نے ذرا سختی سے کہا۔ وہ جلی گئی تو پھر صغیرے کی طرف دیکھ کر بولے۔ "اجھا! خاموش ہو جاؤ۔ وہ ایک طرح
سے ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں۔ لڑکیاں شادی سے پہلے یوں زیادہ وقت باہر نہیں گزارتیں۔" ہاں! جب تمہاری منگنی وغیرہ ہو جائے تو پھر بات دوسری
ہے۔ زندگی پڑی ہے سوشل لائف کے لیے اور پھر جب تم میرے ساتھ بزنس میں آ جاؤ گی تو اپنے شوق پورے کر لینا۔"

اس کے پاپا نے کہا تو وہ خاموش ہوگئی۔ جب اجا تک اس کے ذہن میں یہ بات کہ سبھی وہ موقع ہے جب وہ اپنی غیر معمولی اہمیت کے
بارے میں اپنے پاپا کو آگاہ کرنے چاہے اور سہلی کو معلوم ہو کہ اس نے کتنی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس نے لمحے بھر میں سوچا پھر صغیرے سے بولی۔

"پاپا! منیں آپ سے ایک بات کہوں۔؟"

"ہاں! کہو۔" انہوں نے جتیس سے پوچھا۔

"منیں نے آپ کو تمہارے بارے میں بتایا تھا۔" وہ صغیرے سے بولی۔

"ہاں!۔۔ کیا ہوا اسے؟" پاپا نے پوچھا۔

"اس نے اپنے کاروبار میں مجھے شراکت دار بنا دیا ہے۔" وہ بے دے جوش اور قدرے خوف سے بولی۔

"کیا۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" وہ حیرت سے بولے۔

"ہاں! پاپا! میرے پاس ان کا اندازت کی فتول پڑی ہوئی ہیں وہ منیں آپ کو دکھا سکتی ہوں۔" صغیرے نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ کیوں کیا اس نے۔۔؟"

"صرف گارنی کے طور پر۔۔۔ اُس نے کہا ہے کہ اگر اُس کے والدین نہ مانے تو مجھ سے شادی کرے گا اُس کے کاروبار میں شراکت دار تو میں ہوں گی۔ اگر ادھر رہے تو وہ ایک گھر میرے نام کرے گا یا پھر چنڈل پلے جائیں گے۔" صفیہ نے اطمینان سے کہا۔

"کیا تم مجھے وہ کاغذات دکھا سکتی ہو؟" پاپا نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔۔۔" اِس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آپ کو لادتی ہوں لیکن۔۔۔ لیکن جب میں گھر آتی ہوں تو مجھے ذرا بھی

سکون نہیں ملتا میرا دل کرتا ہے کہ یہ پڑھائی وغیرہ چھوڑ دوں اور آپ کے ساتھ ابھی سے بزنس میں آ جاؤں۔"

"نہیں تم یہ امتحان دو وقت ہی کتنا ہے۔۔۔ نہیں تمہاری ماں کو سمجھا دوں گا۔" پاپا نے سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ نہیں سنیں ابھی آپ کو وہ کاغذات لادتی ہوں آپ دیکھیں انہیں۔۔۔"

صفیہ یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئی اور اِس کے پاپا گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

۶۶۶

ہمایوں سڑک کے کنارے کھڑا اِس جانب دیکھ رہا تھا جس طرف سے راحیلہ نے والی تھی۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔

ہمایوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ جنید کی راحیلہ کے ساتھ کیا بات ہوئی ہے لیکن وہ وہی کچھ کر رہا تھا جس کے بارے میں جنید نے اُسے بتایا تھا۔ اُس کی

راحیلہ سے بات ہو چکی تھی جس نے تھوڑی دیر بعد آنے کا کہا تھا۔ اُسے وہاں کھڑے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ اُسے راحیلہ آتی ہوئی دکھائی

دی جس نے ایک بڑی ساری چادر اوڑھ رکھی تھی وہ اُسے دور ہی سے پہچان چکا تھا۔

"آئیے۔۔۔"

جیسے ہی وہ قریب آئی تو ہمایوں نے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ٹیکسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

راحیلہ اِس جانب بڑھ گئی پھر پچھلا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھی تب تک ہمایوں بھی اِس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا اور اُس نے ٹیکسی والے کو

چلنے کے لیے کہا جو شاید اسی انتظار میں تھا۔ ٹیکسی تیزی سے اپنا سفر سستی رہی اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش رہے۔ اِس علاقے کو نہ تو پوٹش کہا جاسکتا

تھا اور نہ ہی وہ کوئی فریجوں کا علاقہ تھا لیکن متوسط طبقے کے لوگوں کے لیے وہ بہت ہی اچھا ناؤن تھا۔ اِس علاقہ میں جا بجا بہت ساری کولمیاں تعمیر ہو

رہی تھیں۔ اِن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ آئندہ آنے والے چند برسوں میں یہ علاقہ معروف ترین ہو جائے والا تھا۔ اِن کی ٹیکسی ایسی ہی ایک نو تعمیر شدہ

کوشی کے سامنے جا کر رُک گئی۔ ہمایوں نے کرایہ ادا کیا۔ اپنی جیب سے چاہیوں کا ایک گچھا نکال کر اِس میں سے ایک چوٹی تھپ کی اور گیسٹ کھولنے

کا تب تک ٹیکسی والا وہاں جا چکا تھا۔

"یہ ہے آپ کا گھر۔"

ہمایوں نے گیسٹ کھولتے ہوئے کہا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ راحیلہ ایک انجمانی کیفیت میں گھر گئی تھی۔ اِس کے اندر جیسے ہی یہ احساسِ ذر

آیا کہ یہ اِس کا اپنا گھر ہے تو خوشی کی ایک لہر نے اسے ادھ موماسا کر دیا لیکن اِس کے ساتھ ہی جب یہ خیال آیا کہ یہ اِس کے نام کیوں ہوا ہے تو ساری

خوش ہو گئی یہ خیال اس کے لیے بہت سی تکلیف دہ تھا۔ مگر جو سکون تحفظ اور خوشی کا مسکن ہوا کرتا ہے، ممکن ہے کہ یہی گھر اس کا متعلق بن جائے۔ اس نے یہ گھر اسی لیے اپنے نام کرایا تھا کہ اس میں جنید کی اپنی غرض تھی اور وہ اس کے لیے اپنی جان بھی دے دینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

”کہاں تم ہیں آپ؟“

ہمایوں نے پوچھا تو وہ چونکی۔

”کہیں نہیں۔۔۔!“ اس نے اپنے ذہن سے سارے خیالات ہٹاتے ہوئے کہا۔

”راحیلہ! اہوتا ہے ایسا زندگی میں بہت سارے فیصلے اپنی مرضی سے نہیں کرنے پڑتے اور جو کن چاہ رہا ہوتا ہے وہ اپنی دسترس سے بہت دور ہوتا ہے۔ اسی کا نام زندگی ہے۔۔۔ خیر آؤ۔ دیکھو میری پسند کیسی ہے؟“ ہمایوں نے عجیب سے لہجے میں کہا اور اندر کے دروازے کھولا چلا گیا۔

”یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے ابھی اس میں رہائش کر لی جائے۔ سارا سامان موجود ہے، جو بایا بھی بہت خوب گیا ہے۔“ راحیلہ نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں ایسا ہی ہے۔ پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے مجھے خریداری کرتے ہوئے۔۔۔ اس میں بیشتر چیزیں جنید کی پسند کی ہیں۔ مثلاً یہ سارا فرنیچر۔۔۔ دو کچن کا سارا سامان۔۔۔“

ہمایوں تفصیل بتاتے ہوئے بولا اور راحیلہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ ایک گھر کا تصور کس قدر خوش کن ہوتا ہے۔

”اچھا ہے بہت ہی اچھا ہے۔“ راحیلہ نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن یہ خالی کیوں چھوڑا ہوا ہے، کون کبھی۔۔۔“

”ہمیں یہاں رات کے وقت چوکیدار ہوتا ہے۔ کل سے ایک فیملی یہاں آ جائے گی، وہ دونوں یہاں بیوی ہیں اور ایک بچہ ہے ان کے ساتھ۔ وہ ان پر والے پورٹن میں رہیں گے اور آپ کی امی یہاں نیچے والے پورٹن میں۔“ اس نے تفصیلاً بتایا تو راحیلہ اس کی طرف دیکھتی رہی لیکن جہاں کوئی بات نہیں کہی تب وہی بولا۔ ”دیکھو میں نے فرنیچر بھی سارا بھر دیا ہے۔“

”بہت اچھا کیا۔“ راحیلہ تب تک اپنے آپ میں آچکی تھی۔

”تو پھر اس کچن کا آغاز کریں۔ تم از کم چائے تو پکانا آتی ہو گی آپ کو ذرا نہیں۔۔۔“

ہمایوں نے خوشگواریت سے کہا تو راحیلہ مسکرائی اور کچن کی جانب چل پڑی۔ ابھی شاید اس نے چولہا بھی نہیں جلایا ہو گا کہ ہمایوں کے سیل فون پر مس بٹن ہوئی اور ساتھ ہی ہارن کی آواز آئی۔ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور گیٹ کھول دیا۔ جنید گاڑی سمیت اندر آ گیا، ہمایوں اس سے پہلے ہی ڈرائنگ روم میں آچکا تھا۔

”راحیلہ! تم نے یہاں کیا بنا، جنید آ گیا ہے۔“ اس نے ہانک لگائی۔

”بڑے بے تکلف ہو رہے ہو، راحیلہ سے۔“ جنید نے بیٹھے ہوئے کہا۔

”آپ یہ حسد سے کہہ رہے ہو یا غداقی کا موڈ ہے؟“

ہاویوں نے ہنستے ہوئے کہا تو جنید مسکرایا۔ پھر پوچھا۔

”کیا یہ سب پسند آیا ہے؟“

”خود ہی پوچھ لیتا۔“

ہاویوں نے کہا اور پھر وہ انہی باتوں میں کھو گئے کہ اب کیا چیز ضروری ہے کیا نہیں۔ اتنے میں راحیلہ چائے لے کر آگئی ساتھ میں ایک بھی تھا جو اس نے فریج میں سے لیا تھا۔ اس کے آنے پر بھی وہی باتیں چلتی رہیں یہاں تک کہ چائے پی لیا گیا۔ تب جنید نے راحیلہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”چلیں گا اس بیماری اسی کو لے آئیں۔“

یوں پوچھنے پر راحیلہ چند لمحے خاموش رہی اور جنید کے چہرے کی جانب دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

”چلیں۔“

تھوڑی دیر بعد انہوں نے گھر کو لاک کیا اور گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑے۔

☆ ☆ ☆

اسی وقت رات گہری ہو چکی تھی جب وہ گاڑی پہنچے۔ ہر جانب گہرا سناٹا طاری تھا۔ اتنی رات گئے جب وہ گھر پہنچے تو راحیلہ کی ماں ان دونوں کو یوں سامنے پا کر حیرت اور گھبراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھتی ہی رو گئی سلام دعا سے پہلے اس نے پوچھا۔

”خیریت تو ہے؟“

”ہاں امی! خیریت ہے۔“

یہ کہہ کر راحیلہ اندر چلی گئی۔ اس کے پیچھے جنید بھی اندر چلا گیا۔ دونوں جب سہولت سے بیٹھ گئے تو اس کی ماں نے پھر تشویش زدہ لہجے میں دوبارہ آئے کا سبب پوچھا۔

”امی! میں آپ کو لینے کے لیے آئی ہوں۔ اب ہم شہر میں رہیں گے۔“

راحیلہ نے کہا تو اس کی ماں نے اچھائی حیرت اور پریشانی سے راحیلہ کی جانب دیکھا پھر جنید کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

”میں کبھی نہیں مینی! تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“ اس کے لہجے میں حیرت ملی تشویش اب بھی تھی۔

”میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی ہے جو آپ سمجھ نہ سکیں۔ میں نے شہر میں گھرنے لیا ہے اور۔“

راحیلہ نے کہا جا باتوں اس کی ماں نے ٹوک دیا۔ ”یہی بات تو میں سمجھتا چاہ رہی ہوں۔۔۔ بنی الوگ ساری زندگی لگا دیتے ہیں ہانسی پائی جوڑتے ہیں تو کہیں جا کر حیرت لہیب ہوتی ہے۔ تم نے ابھی اپنا کورس بھی مکمل نہیں کیا اور ایک گھر لے لیا ہے۔ اتنی عمل تو ہے مجھ میں مینی! کہ یہ کچھ

سکوں! یہاں صحت کی حلال کھائی سے تو نہیں ہو سکتا۔ تم نے کہیں میری ---؟" ماں نے دبو بے نصے میں انتہائی باہوسانہ لہجہ میں پوچھا۔

"ہائیں! ماں! میں اپنی جان تو دے سکتی ہوں لیکن اپنی عزت پر حرف نہیں آنے دوں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ماں میری جدائی کا صدمہ برداشت کر لے گی مگر میری عزت چلی جائے یہ اس سے برداشت نہیں ہوگا۔" راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"تو پھر! سے میں کیا سمجھوں ---؟"

ماں نے پوچھا تو جنید نے دھیرے سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں آپ کو --- میرا اور راحیلہ کا ایک خاموش معاہدہ ہوا ہے۔ یہ میرے کام آ رہی ہے اور میں اس کے --- میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ آپ کی بیٹی کی عزت پر حرف آئے۔ یہ گھر میں نے اسے لے کر دیا ہے۔ یہاں میں نے اس لیے کیا ہے کہ اپنی حفاظت کر سکوں۔"

"یہ کیا معاہدہ ہے؟" پتہ ---؟" ماں نے پوچھا۔

"آپ یہ ساری باتیں پوری تفصیل سے سمجھ جائیں گی۔ آپ نے اپنی زندگی کے کشن اور مشکل دن دیکھ لیے اب اچھے دن بھی دیکھیں۔ آپ یقین کریں مجھ پر ---" جنید نے کہا۔

"آپ کچھ بھی مت سوچو! میں جو آپ کو لینے آئی ہوں ---"

راحیلہ نے کہا تو ماں نے اپنا سر جھکا لیا پھر پوچھا۔

"کب چاہتا ہے ---؟"

"چاہیں تو آپ ابھی چلیں۔" جنید نے کہا۔

"نہیں! میں یوں چھ دنوں کی طرح رات کے اندھیرے میں یہ گاؤں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ دن نکلے گا تو میں یہ گھر کسی کے سپرد کر کے جاؤں گی باقی اللہ مالک ہے۔" اس نے یوں کہا جیسے یہ سب کہتے ہوئے اسے بہت صدمہ ہو رہا ہو۔

"تمہیک ہے جیسا آپ چاہیں ---"

جنید نے جتنی انداز میں کہا اور جس چار پائی پر بیٹھا تھا۔ اس پر لپٹ گیا تب راحیلہ اور اس کی ماں دونوں اٹھ گئیں۔

☆ ☆

جنید گن میں کھلے آسمان کے نیچے پھٹی ہوئی چار پائی پر لیٹا ہوا تھا۔ جامعہ کی ہر سو پھٹی ہوئی تھی رات تھی کہ کتنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ رات گئے شہر سے ابھرنے والا چاند اب سر کے اوپر آ چکا تھا۔ راحیلہ اور اس کی امی کے کمرے کے اندر تھیں۔ اسے پوری امید تھی کہ وہ بھی نہیں سوئی ہوں گی۔ لو کہ گزرتی رات کے ساتھ جنید کی سوچیں بھی اسے گھیرے ہوئے تھیں۔ وہاں لیٹے ہوئے ایک نئی سوال اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ آیا اس نے جو کچھ راحیلہ اور اس کی ماں سے کہا ہے وہی سچ ہے یا پھر وہ جوٹ بول کر نہیں مطمئن کر رہا ہے اور اگر جوٹ بول رہا ہے تو

کیوں؟ — اُسے اپنے سوال کا جواب بھی معلوم تھا لیکن وہ خود اس سے بچ کر نکل جاتا چاہتا تھا۔ وہ اس راہ پر جا کر کسی بندگی میں راستہ نہیں کھونا چاہتا تھا۔ اُس کی ان ساری سرگرمیوں کے پیچھے نظر ایک ہی احساس تھا اور تھی راحیلہ سے محبت اور وہ اس اعتراف سے بچ نکلتا چاہتا تھا۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ کبھی نہ کبھی ایسا ہوگا کہ اُسے راحیلہ کے سامنے اپنی محبت کا اقرار کرنے پڑے گا لیکن ایسا کر کے وہ اس بندھن میں نہیں بندھنا چاہتا تھا کہ جس سے پھر وہ فرار نہ لے سکے۔

یہ انسانی شعور اور لاشعور کی کہانی تھی بڑی عجیب ہے۔ قدرت نے انسان کے اندر ایسا خود کار نظام رکھ دیا ہے کہ جس سے انسان کی زندگی کے بیشتر مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ وہ شعور کی آگے سے جب ہر شے اور معاملے کو دیکھتا ہے تو ان سے انسان کو آگہی مل جاتی ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے لیکن لاشعور کے معاملے ایسے ہیں جن سے انسان کو معلوم بھی نہیں ہوتا اور وہ کسی انجام نے فیصلے کے تحت بہت کچھ کرتا چلا جاتا ہے۔ سارے اُلجھے ہوئے مسئلے اسی لاشعور میں جا کر سمجھے جاتے ہیں۔ یہ ہمارے خیالات ہی ہیں جن کی بنیاد پر ہمارے اعمال سرزد ہوتے ہیں اور خیال ایک بیج کی مانند ہے۔ یہ لاشعور کی دھرتی میں جب اُگتا ہے پودے سے تیار درخت بنتا ہے تو اعمال کے پھل پھول اس پر ضرور آتے ہیں۔ جنید جس طرح کی بھی زندگی گزارا چاہتا وہ اپنی جگہ لیکن وہ ایک نوجوان حقیقت پسند اور دل رکھنے والا انسان بھی تھا۔ لاشعور کی آہرائیوں میں کہیں کوئی تصویر پڑی ہوئی تھی جو راحیلہ کی صورت میں اُس کے سامنے آگئی تھی یا پھر راحیلہ میں اُس نے وہ کچھ دیکھ لیا تھا جس کی خواہش لاشعور میں تھی۔ بہر حال جو بھی تھا ایک کشش تھی جو اس کی جانب متوجہ کیے ہوئے تھی۔ اُس نے پوری زندگی کسی کے لیے کچھ نہیں کیا تھا، بس لاشعور سے بنے ایک نصب العین کی خاطر اپنی زندگی داؤد پر لگانے ہوئے تھا۔ اسے یہ فرض نہیں تھی کہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ اُسے اگر کوئی مطلب تھا تو یہ کہ اُس کے نصب العین کے مطابق کیا نمیک ہے۔ زندگی میں پہلی بار اُس نے کسی کے لیے دل کے کہنے پر کچھ کرنے کا سوا چاہا۔ ایسا کرتے ہوئے اُسے ایک سرد اطمینان اور خوشی ملی تھی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بعض اوقات انسان کن شے کے حصول کے لیے ساری زندگی گزارتا رہتا ہے، اس کی خواہش میں ترستا رہتا ہے لیکن وہ شے اس کی دسترس میں نہیں آتی مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شے نہ صرف وافر مقدار میں مل جاتی ہے بلکہ اس کے مصرف کے بارے میں کچھ بھی سمجھائی نہیں دیتا۔ جنید کے لیے دولت کا حصول کبھی بھی مشکل نہیں رہا تھا۔ جس قدر خواہش ہوتی، اُسے مل جاتی تھی۔ زیادہ کی خواہش اُسے اس لیے بھی نہیں ہوئی تھی کہ اتنی دولت وہ کہاں رکھے؟ چیک بینکس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا وہاں پڑی ہوئی دولت کس کام کی؟ اب اگر اُسے راحیلہ کی صورت میں دولت کا مصرف ملتا تو اُس نے بے دریغ خرچ کرنا شروع کر دیا۔ پھر وہ جو دولت کمانے لگا، یہاں احساس تو بڑھتا ہے جب وہ اسے خرچ کرتے ہیں۔ جنید کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اُس کی صرف ایک خواہش تھی جو کبھی کبھی اُسے بھی بہت عجیب لگتی تھی۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ راحیلہ کبھی پورے دل سے اُس کے ساتھ خوشی کے ساتھ قبضہ لگا دے۔ ایسا قبضہ جس میں کوئی خوف پریشانی یا بے یقینی شامل نہ ہو۔ اس میں فقط خوشی ہو، خالص خوشی! اس خواہش کے لیے اُسے جو بھی کرنا پڑے وہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ وہ حزن جو راحیلہ کے چہرے پر ہمہ وقت رہتا تھا جنید نے اسے ختم کرنے کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ اُس نے یہ ذرا سی خواہش کرتی تھی مگر اُسے معلوم تھا کہ اسے پورا کرنے میں کس قدر مشکل ہے لیکن مشکلات سے ڈرنے کے لیے تو وہ

بھائی نہیں تھا۔ راحیلہ اُس کی زندگی میں یوں آگئی تھی جیسے کوئی دبے پاؤں اٹھانا اجازت کرے میں آ کر وہاں کی ہر شے پر تسلف جمالیٹھا ہے۔ اس وقت وہ خوف زدہ ہو گیا تھا جب راحیلہ نے پورے جذب سے اعتراض سمیت کہنا تھا شاید اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ جو متوجہ ہونے جا رہی ہے وہ تو فلاح ہے۔ شاید محبت میں وہی فاتح قرار پاتا ہے جو اپنا آپ محبت میں دوسرے پر واردے۔ جنید نے راحیلہ کے سامنے اپنی محبت کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن وہ بے قدموں وادی عشق میں قدم رکھ چکا تھا۔ شروع شروع میں تو اُسے پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ عشق ہوتا کیا ہے لیکن وہ پھر سے واپس آئے اسے احساس ہوا کہ وہ عشق کی وادی میں آچکا ہے تو جس کی سحر انگیزی میں ڈوب کر رہ گیا۔

عشق ہے کیا چیز؟ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان اور طہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ جس کسی نے بھی اس کے بارے میں سوچا ہے اُس نے اپنا ہی مطلب اخذ کیا ہے۔ ہر سوچ و فکر والے بندے نے عشق کو جیسا پایا اُس نے بیان کر دیا۔ یہاں تک کہ صوفیاء نے کہہ دیا کہ عشق کی سمجھ عشق عطا کرتا ہے۔ عشق وحدت کی علامت ہے۔ اس باطنی کشش کا اثر ہے کہ جس میں اللہ جمال محبوب ہی پر لگی رہتی ہے۔ عاشق کا سارا وجود ایمان کیان اور وجدان فقط ایک ذات کے لیے مختص ہو کر رہ جاتا ہے یہاں تک کہ عاشق کی اپنی ذات بھن معشوق کے تابع ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ دل کی زرخیز زمین پر آشنائی کے بیج سے اُنبیت کا زوہ لے کر پھوٹتا ہے۔ موافق باحوال میسر آ جانے سے یہ پودا محبت کے تناور درخت کا زوہ اختیار کرتا ہے جس کا پھل عشق ہے۔ شدت طلب کے باعث اس پھل کو چکھنے والا اس کی لذت کا ہو کر رہ جاتا ہے پھر کوئی اور ذائقہ اس کا تم اہل نہیں ہو سکتا۔ سارے ہی ذائقے حواس سے محو ہو جاتے ہیں۔۔۔ لفظ عشق کو اصل لفظ "عشقہ" سے تعبیر کرتے ہیں جو ایک نخل کا نام ہے اور وہ شاداب درختوں پر بسیرا کر کے دن بدن پھلتی پھوٹتی اور پرورش پاتی ہے یہاں تک کہ سرسبز درخت کی ہستی فنا ہو جاتی ہے۔ یہاں لفظ کی شرح ہے جو انہوں نے معنی بتائے۔ یہ ہمیشہ لفظی معنی ہوا کرتے ہیں جو لفظ میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اصطلاحی معنی عن وہ سمجھ لو جو عطا کرتے ہیں جو کسی شے کے بارے میں جاننے کی ضرورت کے مطابق ہوتے ہیں۔ جس طرح "سقی" کے لفظی معنی تو کوشش کے ہیں لیکن جب ہم دوران حج میں سعی کا ذکر کریں گے تو یہ ایک خاص عمل ہوگا۔ ہر مضمون کے حامل فرد نے اپنے نکتہ نگاہ سے عشق کی تشریح کر دی لیکن صوفیاء کا کہنا ہے کہ عشق زہد کائنات کے رموز میں سے ایک راز ہے جو خواص اور اعلیٰ ہے جسے وہی جانتا ہے جس پر عشق کا نزول ہوتا ہے اور عشق انہی پر اترا ہے جو عشق کے عمل ہوتے ہیں۔ تاہم یہ سوال اب بھی اپنا جگہ موجود ہے کہ عشق ہے کیا؟

جنید لیکن ایسے ہی احساس میں گمراہ ہوا تھا اُسے یہ احساس تو ہو گیا تھا کہ وہ عشق کی وادی میں آچکا ہے۔ ذرا غور کرنے پر اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اس وادی تک کیسے آن پہنچا لیکن یہ ہے کیا؟ اس بارے میں ایک ذرا لیکن اسے سمجھ نہیں آئی تھی مگر اس کی سحر انگیزی میں جو خوشی اطمینان اور سرور تھا وہ اس میں ڈوب کر رہ گیا تھا۔ اس رات بھی کھلے آسمان تلے چاندنی میں اُس نے عشق کے بارے میں بہت سوچا تھا لیکن اُس کی سوچیں ایوانِ ذہن سے نامراد نہیں تھیں گو ہر تصور ہاتھ نہیں لگا تھا سو اُس نے عشق پر نہ سوچنے کا فیصلہ کر لیا عشق اگر اپنی سمجھ خود عطا کرتا ہے تو پھر یہی سبھی کبھی نہ بھی تو یہ راز اس پر کھلے گا یہ اسی وقت ممکن ہے جب فطرت چاہے گی۔ یہ فیصلہ کرتے وقت وہ ہنس مکھ ہو گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کیں تو نیند کے بلورے اپنی آنکھوں میں محسوس کیے ڈھیر سے ڈھیر سے وہ نیند کی بانہوں میں ہلکے سے لینے لگا۔

دن اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔ راحیلہ کی ماں نے جو توڑا بہت سامان کھرا ہوا تھا اندر کمرے میں رکھ کر تالا لگا دیا تھا۔ صبح میں مساجدوں کی چوڑو تھیں موجود تھیں جو حیرت سے ان دونوں کے ساتھ ساتھ چنید کو بھی دیکھ رہی تھیں۔ راحیلہ انہیں بتا چکی تھی کہ اس کی نوکری شہر میں ہو گئی ہے اس لیے وہ اپنی ماں کو لے کر وہاں چارعی ہے۔ راحیلہ کی ماں نے تالا لگا دیا اور اس کی چابی ایک اویسز عمر خاتون کو دیتے ہوئے یولی۔

”لو! بہن! اب یہ گھر تمہارے اور اللہ کے آسرے پر ہے۔ تم ہی اس کی دیکھ بھال کرنا۔ میں اگر کبھی آسکی تو آ جاؤں گی ورنہ یہ تم اپنی بیٹی کو دے دیتا۔“

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ ان خواتین سے ملنے لگی تو چنید گاڑی میں جا بیٹھا۔ سامان کے نام پر انہوں نے کچھ بھی نہیں لینے دیا تھا، وہ دونوں ماں بیٹی گاڑی میں آ بیٹھیں تو چنید نے گاڑی بڑھا دی اس کے من میں ایک اطمینان سا اثر کیا تھا۔

۵۶

جتنی رات گہری ہو چکی تھی، ہمایوں بھی اتنی گہرائی میں سو رہا تھا۔ اُسے اچانک ایک شارٹ کٹ مل گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُسے اپنی منزل اس قدر آسانی سے مل جائے گی۔ وہ چنید کے کہنے پر شہر کی اس سستی سے جا کر ملا تھا جسے عام آدمی تو فقط صنعت کاری کی حیثیت سے جانتے تھے، تاہم خواہش کو یہ معلوم تھا کہ وہ بادشاہ کے دربار میں ضروری نہیں ہوتا کہ کھڑا ہی بیٹھ کر کام کرے۔ وہ جو بساط سیاست سمجھانے والے کھڑا ہی ہوتے ہیں، انہیں ہمیشہ نئے نئے سے مہروں کی ضرورت ہوتی۔ بہت جانے والے مہرے اُن کے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ انہی مہروں کے سہارے وہ نہ صرف اپنانوں پر قابض ہوتے ہیں بلکہ حقیقی معنوں میں حکمرانی بھی لائی جاتی ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ ایک ایسی کی حیثیت رکھتی ہے کہ پاکستان میں جمہوری طور پر جاگیر واری کا قلعہ ہے۔ وہ نہ صرف سیاست کے میدان میں متحرک رہتے ہیں بلکہ اب تو وہ پورے ملک میں بھی اپنی جڑیں مضبوط کر چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ مکمل اندھیرا ہو جاتا اور جاگیردار طبقہ پورے نظام پر قابض ہو جاتا لیکن اس کا ردِ عمل بھی پوری طرح متحرک ہو گیا جس سے اسی کے عشرے میں ایک کلکشن نے جنم لیا۔ اس کلکشن میں جہاں جاگیردار طبقے نے خود کو فعال، مضبوط اور متحد کرنے کی کوشش کی وہاں ان کے ردِ عمل کے طور پر مخالف طبقہ بھی فعال، مضبوط اور متحد ہوتا چلا گیا۔ اس میں وہ طبقہ جو نو دولتوں کا ہے اس کی اہمیت بڑھ گئی۔ دونوں طرف کے طبقات نے اپنے آپ کو قریب کرنا چاہا، اقتدار کے علاوہ مکرانی میں بھی تھوڑا بہت حصہ دے کر اسے اپنے ساتھ ملانے کی سر توڑ کوشش کی جس سے تیسرا ایک نیا طبقہ وجود میں آ کر اہمیت اختیار کر گیا۔ وہ جو اپنی جگہ کے لیے جنگ لڑ رہے تھے اب شریک سیاست ہیں۔ آمریت کے ذور میں تو ان کی اہمیت نفروں تر ہو گئی۔ چونکہ ان تینوں طبقات نے عوام کے پاس جانا ہوتا ہے اس لیے بہت ساری جگہیں ایسی ہیں جہاں دکھاوے کے لیے اس طبقے سے بھی لوگ لینے کا راجحان بن گیا ہے۔ یہ کوئی ادارہ نہیں بلکہ ہمارے وطن کی تاریخ ہے۔ عوام کے ذریعے عوام کی حکومت عوام پر وانا تصور اب بھی واضح بھی نہیں ہو سکا۔ عوام تو ابھی روٹی کے چکر سے نکلنے کی توجہ کی حالت میں اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ ہے جس پر سوچنا ہوگا کہ عوام کو کیا کرنا چاہئے۔ جس دن انہیں شعور آ گیا۔ روٹی تو کیا وہ اس ملک کا اقتدار بھی حاصل کر لیں گے۔ سینٹہ حیفہ دین بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھا جو میدان سیاست میں اپنی بساط بچھاتے ہیں۔ کبھی اس کی نگاہ چنید پر ٹھہری تھی لیکن اس

نے اپنے نظریات کو چھوڑنا قبول نہیں کیا تھا اور یوں دو ممبر نہیں بن پایا تھا۔ چینیہ کو ہائیوں کے بارے میں یہی حل دکھائی دیا کہ وہ اسے سینٹ حقیقہ سے ملوانے اس لیے ہائیوں اس شام اس کے پاس چلا گیا تھا۔ کافی دیر تک ان کے درمیان گپ شپ چلتی رہی۔ ملکی معاملات سے لے کر مقامی سیاست کی آگہی تک مختلف لوگوں کے بارے میں تاثرات سے لے کر اداروں کی کارکردگی تک۔ دونوں ہی بڑے عظاما انداز میں ایک دوسرے کو جانچ اور پرکھ رہے تھے یہاں تک کہ سینٹ حقیقہ نے کہا۔

”دیکھو ہائیوں! ہمارے حلقے کی جو صورت حال ہے اس میں اوپر والی سیٹ پر تو ہمیشہ جاگیرداروں ہی کا قبضہ رہا ہے۔ بہت سارے لوگوں نے یہ قبضہ توڑنے کی کوشش کی۔ ان میں نظریاتی نوگ بھی تھے اور ذات برادری والے بھی لیکن سبھی کومات ہوئی۔ میرے خیال میں ان کا قبضہ اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک سیاسی پارٹیوں میں خود جمہوریت نہیں آجاتی اور سیاسی پارٹیوں پر بھی تو وہی جاگیردار ہی مسلط ہیں جن کی اپنی ذات زندگی اور پوزیشن تو بن رہی ہے لیکن عوام اسی طرح بے حال ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ چند لمبے عتہ موش رہا پھر بولا۔ ”جہاں تک چھوٹی سیٹ کا سوال ہے وہ ہمیشہ حادثاتی رہی ہے۔ بظاہر وہ حادثاتی ہی دکھائی دیتی ہے لیکن اس کے پیچھے بھی لاری ایک پلاننگ ہوتی ہے کہ وہ بندہ لایا جائے جو انہی کے رحم و کرم پر ہو اور متوسط طبقے کی نمائندگی بھی ہو جائے حالانکہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ میری بات کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو چھوٹی سیٹ ہے اس پر ہی ساری ٹیم ہوتی ہے۔ جو بھی خود کو اس کا اٹل ثابت کرنے اُسے مل جاتی ہے۔“

”مطلب اس میں سرمایہ صلاحیت یا نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ٹیم کہیں اور کھلی جاتی ہے؟“ ہائیوں نے اپنی طرف سے تجزیہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاں ایسا ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نے سرمایہ لگانا ہے اُس نے کسی نہ کسی طرح اسے پورا تو کرنا ہی ہوتا ہے تا وہ بہر حال پورا ہو جاتا ہے۔“

”تو اس سارے مظر میں میرا کیا کردار ہو سکتا ہے اگر میں خود کو اس کا اٹل ثابت کرنے کی کوشش کروں تو۔“ ہائیوں سیدھے اچھے مطلب پراثر آیا تھا۔

”وہی کچھ جو کہا جائے گا۔۔۔ ایک ڈارگٹ دے دیا جائے گا اسے پورا کرتے رہنا۔ فی الحال تم ہمارے قانونی مشیر ہو گے۔ ایک بہت اچھا دفتر اور رہائش دے دی جائے گی وہاں لوگوں سے ملنا ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرنا۔ جہاں رسائی نہ ہو وہ ہم دیکھ لیں گے۔ گاڑی بھی ش جائے گی یوں پورے حلقے میں لوگوں سے طوائف سے تعلقات بناؤ۔ لیکن کچھ اور کیا۔“ سینٹ حقیقہ نے بڑے آرام سے اس پر واضح کر دیا۔

”ٹھیک ہے میں تمہیں تمہاری ہوں۔“ اس نے ایک عزم سے کہا۔

”ہاں ایک بات اور۔۔۔ اگر کسی کو فائدہ دوتا ہے یا اس کا نقصان کرتا ہے اس میں ہمیشہ یہ دیکھنا ہے کہ تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ محض جذباتی انداز میں فیصلے نہیں کرنے۔۔۔ تم کل تو ہمارا جرنل نمبر سارے انکوائری کر دے گا سبھاؤے گا کڑیرے داری کیسے چھانی ہے۔“

میرے خیال میں تم خود بھی مجھداری سے کام لو گے۔" اس نے کہا اور گویا اپنی طرف سے بات ختم کر دی۔

"ٹھیک ہے اب مجھے اجازت۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو دوسری طرف سے ہاتھ ملا گیا یوں بیویوں کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو گیا۔

اس وقت وہ بیٹھا بھی سوچ رہا تھا کہ اس کا یہ فیصلہ کیسا ہے۔ کہیں اس نے غلطی تو نہیں کیا یا بالکل درست کیا ہے؟۔۔۔ وہ اپنے آپ کو دلیس دے رہا تھا۔ یہ بہر حال غلطی تھا کہ اپنی جلدی شارٹ کٹش جانا آسان نہیں ہوا کرتا، یہ قسمت دانوں ہی کو ملتا ہے۔

"تو پھر کیا ملے کیا ہے تم۔۔۔؟" اس کے اندر سے آواز ابھری

"کہنی کہ سنیں نے وہی کرنا ہے جو ان سے دن کرا آیا ہوں۔"

"دیکھو تمہاری بنیاد وہ نہیں ہے۔ تم ایک غریب باپ کے بیٹے ہو۔ آپ تمہارا بھائی بھی پڑھ لکھ گیا ہے اسے انجینئر کی جاب ملنے والی ہے۔ تم لوگوں کے دن بدل جائیں گے تو پھر اگلے میں سر دینے کا فائدہ۔۔۔ ظاہر ہے وہاں موسیٰ بھی پڑیں گی؟"

"پہلے کون سا میرا شمار زندگیوں میں ہو رہا ہے مردوں جیسی زندگی گزار رہا ہوں۔ ایک کیڑے جیسی اوقات ہے میری ایک معمولی سے نوپیس لہکار نے میری ذہنی کر کے رکھ دی تھی سنیں جو قانون کا طالب علم تھا یہ عزت ہے قانون دانوں کی اور اس کے علاوہ میرے پاس کیا ہے؟ کل بھائی کو کڑی لگ جائے گا کمانے لگے گا تو کب تک مجھے انورڈ کرے گا نکالت بھی تو تعلقات پر چلتی ہے۔ اس سے کم از کم یہ فائدہ تو ہوگا کہ ایک حلقے میں میری پہچان تو بنے گی۔ میں سیاست میں کامیاب نہ بھی ہوا تو کیا ہوا میری نکالت تو چلے گی۔"

"لیکن یہ درست راستہ نہیں ہے۔۔۔؟"

"نہ ہو۔۔۔ میری پہلی ضرورت وہی نہیں ہے بلکہ میری انا ہے جسے قدم قدم پر چلا گیا ہے۔ محبت کی بات کی تو میری روح تک کو مزاد سدا گئی قانون کی بات کی تو بیچ چھوڑا ہے پر نکال کر دیا گیا۔ کیا میں نے درست راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ کیا درست راستہ یہی ہے کہ خاموش رہو اور ظلم سہتے چلے جاؤ؟۔۔۔ میری ہمد ہے کہ میں نے اسے حاصل کرنا ہے جس نے میری زندگی برباد کر دی ہے۔"

"اس پر انہما مت دھرو تم خود ذلیل ہو رہے ہو۔ کیوں خواہش کرتے ہو اس کی اول سے انکار کر بیٹھو۔ اس کے لیے فقط ایک نو روکار ہے۔"

"نظا کہتے ہو۔ ایک لو نہیں۔ ان لمحات کا حساب کون دے گا جن میں میری روح تک سلگ اٹھی تھی اس تمہاری صدا میں کیسے بھلا پاؤں گا جو بیچ بازار میرے منہ پر پڑا تھا۔ میں تو محبت کے پھول لے کر گیا تھا میری سوچوں میں انکارے کیوں مجھو گئے؟"

"پھر بھی یہ نظر راستہ ہے جس پر تم جانا چاہتے ہو۔ اس میں ایسے مقام ہیں جن کو بندہ ساری زندگی اپنے دماغ سے سہلاتا ہوا مرنے کی دعا نہیں کرتا ہے لیکن موت نہیں آتی۔"

"مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔۔۔ میں ماننا ہوں کہ یہ غلط راستہ ہے لیکن تم مجھے یہ بتاؤ میرے سامنے درست راستے کا بھی تو کوئی آپشن نہیں

ہے۔ بتاؤ مجھے درست راستہ کون سا ہے جس پر چلتے ہوئے نہیں اپنے آپ کو مطمئن کر لوں۔ اپنا وہ مقصد پا لوں جس سے میں عشق کی حد تک لگاؤ رکھتا ہوں۔ اگر ایسا ہے تو میں وہی کروں گا جو تم چاہو گے ورنہ خاموش ہو جاؤ سو جاؤ۔ اس طرح سو جاؤ کہ میری ذمیل سے ذمیل حرکت پر بھی تم نہ جاگ سکو۔

”نہیں میں اپنا فرض نبھاتا رہوں گا۔“

”تم اگر اپنے مقصد سے باز نہیں رہ سکتے تو میں کیوں رہوں۔ تم اپنا کام کرتے رہو میں اپنا۔۔۔ آج کے بعد تمہاری کسی آواز پر کان نہیں دھروں گا۔“

”میں پھر۔۔۔“

”خاموش۔۔۔“

اس لفظ کی دیر تک اس کے ذہن میں بازگشت رہی۔ پھر اس نے سر جھکا تو رات کے دوسرے پہر کا احساس ہوا۔ اس نے سوچا اتنی مناسب سمجھا، انہی لمحات میں اس کا تیل فون بج اٹھا۔

”جی جنید۔۔۔“ اس کا نمبر بجا بجا ہوا اس تھا۔

”جاگ رہے ہو تم؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔“ وہ دوسرے سے بولا۔

”کیا رہا پھر۔۔۔“ اس نے پوچھا۔

”ذرا آ رہا ہوں۔۔۔ صبح اُن کے جزل نمبر سے ملتا ہے۔“ اس نے اپنے لہجے میں خوشی کا تاثر بھرتے ہوئے بتایا۔

”ٹھیک۔۔۔ اس سے مل کر آؤ تو پھر مجھے ملتا۔“

جنید نے خوشگوار انداز میں کہا پھر فون بند کر دیا۔ تاکہ اس نے فون مریبانے رکھا اور پھر سونے کے لیے آنکھیں موند لیں۔

☆☆

سورج طلوع ہونے کے بعد چند گھنٹوں کا سفر کر چکا تھا۔ منیہ تیار ہو چکی تھی! اسے تیمور سے ملنے کے لیے جانا تھا۔۔۔ رات بہت دیر تک وہ فون پر باتیں کرتے رہے حتیٰ صبح اُنہوں نے نئے کا تھین کیا اور اب وہ جانے کے لیے تیار تھی۔ اس کے لیے مشکل ترین مرحلہ یہی تھا کہ جب دو گھر سے نکلے تب اس کا ماں سے سامنا نہ ہو جائے۔ اگر اس کے سامنے گھر سے نکلتی ہے تو پھر جب تک وہ وہاں نہیں آ جاتی تب تک نہ صرف اس کی ماں پریشان رہتی بلکہ وہ بھی ڈسٹرب ہی رہتی۔ اسی لیے اس نے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا۔ وہی عام سالہاں انجیر میک آپ اور کسی جیولری وغیرہ کے بڑا وہ ڈرائنگ روم میں آئی جہاں کوئی نہیں تھا اس نے سکون کا سانس لیا اور کچن کی جانب بڑھ گئی جہاں ملازمہ صفائی وغیرہ کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ ملازمہ بولی۔

"آئیے چھوٹی بی بی! اس آپ ہی نے ناشتہ نہیں کیا باقی سب کر چکے ہیں۔"

"اچھا پڑھناؤ۔"

اس نے لا پرواہی سے کہا اور لڑانگہ رویہ میں آگئی۔ وہ اس صوفے پر بیٹھ کر اس نے ٹی وی آن کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد ملازمہ اس کے لیے ناشتہ لے آئی۔ ابھی وہ ناشتہ کر رہی تھی کہ اس کے پاؤں آگئے۔

"گناہ ہے آج تم کالج نہیں جا رہی ہو۔؟" اس کے پاپائے قریب ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی۔۔۔ پڑھائی تو ہوتی نہیں کلاسز بھی تقریباً فری ہیں امتحانوں کی وجہ سے۔ بس سمجھیں آنا چاہتا ہے۔ کوئی ضروری کلاس تو ہوتی

نہیں۔۔۔" اس نے وجہ سے کہا۔

"امتحانوں کی تیاری کیسی ہے؟" اس کے پاپائے تھل سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے پاس تو ہو جاؤں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا پھر برتن ایک طرف رکھتے ہوئے چائے کھک اٹھا لیا۔

"بس صرف پاس ہی کرو گی؟" تم اگر چاہو تو بہت بہترین مارکس لے کر کوئی ہونڈیشن بھی لے سکتی ہو۔" پاپائے اس کے چہرے پر

دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تب ہوتا تھا کہ میں کتابی کیزے کی مانند ہر وقت کتابوں میں سرویے رکھتی۔ مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب کچھ۔ بس پاس ہو جاؤں تو ہی

بڑی بات ہے۔" یہ کہہ کر اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔ "وہی آج آپ کو آفس جانے میں اتنی دیر کیوں دو گئی ہے؟"

"وہ اس لیے کہ میں نے تم سے انتہائی ضروری بات کرنی تھی۔" پاپائے مسمیہ لہجہ میں کہا۔

"مجھ سے انتہائی ضروری بات۔؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں۔۔۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم ایک بہت بڑے فراڈ سے دوچار ہونے والی ہو۔" انہوں نے یوں کہا جیسے وہ بڑے تھل سے

بات کرنے میں مشکل محسوس کر رہے ہوں۔

"بہت بڑا فراڈ۔۔۔ میں سمجھی نہیں پاپا؟" وہ تیزی سے بولی۔

"تمہارے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ ایک صنعت کار کا بیٹا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ بہت دولت مند لوگ ہیں

اس کا اپنا بھی کاروبار ہے اس شہر میں لیکن اس نے جو کمپنیاں کاغذات دینے ہیں ان کی کوئی قانونی یا کسی بھی قسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ کاغذ

جھوٹ کا پتلا ہے۔" پاپائے یوں کہا جیسے ان کا بس نہ چل رہا ہوں کہ پھٹ پڑیں۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔" مصفیہ نے ہڈیانی انداز میں کہا۔ اس کے اندر خواب نوٹنے کا چھٹا کا اس قدر زیادہ ہوا تھا

کہ چند لمحوں تک اسے اپنی مدد بدھی نہیں رہی تھی۔

"ایسا ہی ہے۔۔۔ میں نے ان کاغذات کے بارے میں پوری چھان بین کی ہے۔ اس میں سوائے جھوٹے دیکھنے کے اور کچھ بھی نہیں

ہے۔" پاپا نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ ایسا کیوں کرے گا۔۔۔ اس نے کیوں کہا ایسا۔۔۔؟" وہ اب بھی صدمے سے دوچار تھی اس لیے بیٹھے ہوئے لہجے سے

بولی۔

"دیکھو بیٹی! میں نے تمہیں بر طرح کی آرزوی دی۔ تم نے جو چاہا میں نے اسے مانا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہارے معاملات سے قائل رہا ہوں۔ جاکسی ٹھوس ثبوت کے اگر میں تم پر روک ٹوک لگا تو تم میرے ساتھ بھی ویسا ہی رویہ رکھتیں جیسا کہ تم نے اپنی ماں کے ساتھ کیا۔ میں نے تم سے یہ بھی نہیں کہا کہ تم نے غلط کیا ہے یا صحیح ہمیشہ تمہاری بات کو اہمیت دینی ہے لیکن اگر اب میں تمہیں تمہارے ہی فائدے کے لیے اس دھوکے دینے کے بارے میں بتا رہا ہوں تو یہ بھی غلط نہیں ہے۔"

پاپا نے بہت مشکل سے دھیرے دھیرے کہا۔ اس نے ایک ایک لفظ منہ اور اس پر غور کرتی رہی۔ اچانک ہی اسے تیور کا وجود نہ اگنے لگا۔ چند لمحہ وہ ایسی شاک میں رہی پھر دھیرے سے بولی۔

"اس سے یہ توقع نہیں تھی۔" اس کے لہجے میں حسرت شامل تھا۔

"کیوں نہیں توقع کی جا سکتی۔۔۔ اس دنیا میں جہاں بہت سارے اچھے بندے اور نرے غلوں لوگ ہیں وہیں اسی قدر تے منافق اور دھوکے باز بھی ہیں۔ میں ان غلطیوں سے بد معاشوں کو بہر حال ان لوگوں سے اچھا خیال کرتا ہوں جو پھرے پر شرارت کا نقاب اوڑھ دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ غلطیوں سے بد معاش اس لیے بھی اچھے ہیں کہ وہ کھل کر سامنے تو آجاتے ہیں۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ آج کے بعد تم تیور کو بھول جاؤ یہی تمہارے حق میں اچھا ہے ورنہ تم بہت بڑے دھوکے کا شکار ہو سکتی ہو۔" پاپا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"پاپا! آپ نے جو کچھ کہا میں نے اسے مانا ہے لیکن مجھے تیور پر حسرت آ رہا ہے۔ اس نے۔۔۔ اس نے میرے ساتھ فراڈ کرنے کی جرأت کیسے کی؟" منیہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اس لیے مہری بیٹی! کہ تم نے خود کو شکار ہونے کے لیے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کیا ورنہ۔۔۔" یہ کہتے ہوئے ان کا ہاتھ بھرا گیا تھا۔

"پاپا! میں آج کے بعد اس کا نام بھی نہیں لوں گی لیکن میرے دل میں اس سے انتقام کا جذبہ ضرور ہے گا میں اسے یونہی سزا نہیں کر سکتی۔" اس نے اندر ہی اندر رکوٹے ہوئے کہا۔

"ہر کام وقت پر اچھا لگتا ہے۔ اس وقت تم انکی پوزیشن میں نہیں ہو لہذا خاموشی سے اپنا امتحان دو بعد میں دیکھا جائے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے؟" پاپا نے اسے غم سے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے پاپا! جیسا آپ چاہیں۔ میں اب اس کا نام بھی نہیں لوں گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی بیٹی! اس میں تمہاری بہتری ہے۔"

پاپا نے کہا اور پھر اٹھ گئے وہ یونیونیٹی رہی۔ اسے زبردست شاک لگا تھا۔ کہاں وہ اپنے ہی خوابوں کے سہارے سڑکوں میں اڑ رہی تھی اور کہاں اچانک وہ زمین پر منہ کے مل کر آ گری تھی۔ چوٹ لگنے سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔ اس کے اندر غصہ اٹنے لگا اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی اٹھے اور جا کر اس کا منہ ٹوٹی لے لیکن ایسا کرنے سے بھی کیا ہوگا؟ وہ مرد ذات ہے نقصان اگر ہوگا بھی تو ایسی کا اس کی تشہیر ہو جائے گی۔۔۔ سوچوں کا ایک سلسلہ تھا جو اسے اپنے گہرے میں لیے ہوئے تھا۔ ملازمہ کب سے آ کر برتن لے جا چکی تھی ابھی اس کے سٹیل فون کی گھنٹی بجی تو وہ چونک گئی۔ سکرین پر تیمور کا نام چمک رہا تھا۔ اس نے ایک گہری اور طویل سانس لی پھر فون اٹھا لیا اور خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

”ہیلو۔۔۔“

”بھئی کہاں ہو تم میں تمہارے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔؟“ تیمور نے پھنسلاتے ہوئے کہا۔

”تیمور ایک گڑبڑ ہو گئی ہے شاید میں آپ سے آج نزل سکوں۔“ اس نے اپنا آپ سنبھالتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

”کیا ہوا دانی نے کوئی بات کہہ دی۔۔۔؟“ اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ بس ایسا پر اہم آن پڑا ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔“ اس نے ویسے ہی دھیرے سے لہجے میں خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”پھر بھی کیا ہوا۔ کون سا پھاڑ ٹوٹ پڑا ہے؟“ وہ اپنی ہی ذہن میں کہے جا رہا تھا۔

”اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے تمہیں بتانے کا قاعدہ۔۔۔؟“ اس نے اپنی ہی جھونک میں یوں کہا جیسے خود پر قابو بہت مشکل

ہو رہا ہو۔

”صنوا کیا ہو گیا ہے تمہیں یہ کیا کہہ رہی ہو تم نے غور کیا ہے اپنے لفظوں پر۔۔۔ ہمیشہ آپ کہنے والی اب تم کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔“ وہ

گڑبڑاتے ہوئے حسرت سے بولا۔

”سوری تیمور پریشانی ہی اس قدر ہے کہ میں اپنے آپ ہی میں نہیں رہی ہوں۔“ وہ بولی۔

”اچھا تم آؤ نا پھر مجھ کہ بات کرتے ہیں۔ نہیں اگر تمہارے کسی کام آسکا تو۔۔۔۔“ وہ پیا دھیرے لہجے میں بولا۔

”میں فارم ہاؤس تک نہیں آ پاؤں گی آج۔“ اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

”کیا واقعی بہت سیرس معاملہ ہے؟“ کاپلی ہاراس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”ہاں ایسی لیے کہہ رہی ہوں۔۔۔۔۔ سمجھیں ایک طوفان آ گیا ہے۔“ اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر معاملہ ہے کیا۔۔۔؟“ اس نے پھر اصرار کیا۔

”آپ ایسا کریں اپنے آفس آئیں۔ میں بھی وہیں آ رہی ہوں وہیں آپ کو بتاتی ہوں۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”ٹھیک ہے میں وہیں جا رہا ہوں۔ تم آ جاؤ۔۔۔۔“

اس نے کہا پھر فون بند کر دیا۔ منیہ نے بھی اپنا فون بند کرتے ہوئے زہریلی مسکراہٹ سے فون کی طرف دیکھا۔

دو پہر ہونے کو تھی جب صفیہ اپنی گاڑی میں تیمور کے آفس پہنچ گئی۔ اس وقت بھی دو عام سے لباس! بغیر میک اپ اور کسی جھوٹے وغیرہ کے بغیر تھی۔ وہ سیدھی اُس کے کمرے کی جانب بڑھ گئی اور بنا دستک دیئے اُس کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ تھا تھا۔

"اوہ! آؤ صفو! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"سوری! تیمور! میں آج فارم ہاؤس تک نہیں چلائی۔" اس نے بیٹھے ہی بڑی عداوت بھرے انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ تم سہولت سے بیٹھو اور بتاؤ بات کیا ہے۔ فارم ہاؤس تو کبھی بھی جا یا جاسکتا ہے۔" تیمور نے ہمدردی سے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ پاپا کو چاہنا کہ دس ٹاکہ کی ضرورت آئی ہے۔ انہوں نے۔۔۔" صفیہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اتنی تھوڑی سی رقم کے لیے تم پریشان ہو رہی ہو۔۔۔ وہ اتنے بڑے آفسر ہیں تمہارا بھائی کا روپا کر رہا ہے۔ اتنی رقم تو ویسے ہی پڑی

ہوتی ہے۔"

"اصل میں انہیں کہیں ادا نہیں کرنی ہے۔ رقم تو بہت زیادہ چاہئے دس لاکھ کم پڑ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے میرے زہر وغیرہ ہانگے

ہیں تاکہ میں انہیں دوں تو وہ بیچ کر رقم چوری کریں۔ فوری طور پر یہی ممکن ہے ورنہ پراپرٹی بھی ہے۔ میں اپنا زہر نہیں دینا چاہتی۔" اس نے

یوں کہا جیسے کسی بیچے سے اُس کا کھلونا مانگا جا رہا ہو اور وہ اپنے سے انکار کر رہا ہو۔

"بس اتنی سی بات پر پریشان ہو گئی ہو؟" تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ پریشانی والی بات نہیں ہے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"نہیں۔۔۔ حقیقت یہ ہے صفو! تمہاری یہ پریشانی ہے ہی نہیں تمہیں جھوٹ بولنا آیا ہی نہیں ہے۔ تم وہ بات کرو جو اصل میں ہے۔"

تیمور نے اچانک بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔؟" صفیہ جو پہلے ہی غصے میں تھی اچانک جھجے سے اُکڑ گئی۔

"صفو! میری جان! تم کیا سمجھتی ہو کہ میں کوئی بہت بڑا شخص ہوں جو تمہارے ذرا سے جھوٹ پڑھو اور اچیک بک نکالوں گا! اس میں رقم بھروں

گا اور دھکا کر کے تمہارے حضور پیش کر دوں گا؟" وہ مسکراتے ہوئے لفظ چبا کر بولا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ تم مجھے رقم دو۔۔۔؟" وہ بولی تو اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"ہاں ایسا ہی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم یوں کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔؟" اس نے غصے میں کہا۔

"اس لیے بھری جان! کہ ایسا کچھ نہیں ہے تمہارے گھر میں بالکل سکون ہے۔ نہ تمہارے باپ نے رقم مانگی ہے اور نہ ہی انہیں کسی

ادا لگی کے لیے ضرورت ہے۔ اصل میں تمہارے باپ نے میرے دیئے ہوئے کاغذات کے بارے میں تمہیں بتا دیا ہے کہ وہ فراڈ تھے۔"

یہ کہہ کر تیمور نے گہری ناکوں سے صفیہ کی جانب دیکھا جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا لیکن ساتھ میں حیرت بھی چھیل گئی تھی۔

”یہ تم۔“

صفیہ نے کہا چاہا لیکن تیمور نے بات کاٹنے ہوئے کہا۔ ”ہم لوگ اگر دولت سے کھینچتے ہیں یا دولت ہمارے گھر کی ہانڈی ہے تو یہ یونہی نہیں ہو جاتا بہت مشکل کام ہے۔ دس روپے کا نوٹ اگر مرکز پر پھینک دو تو چند لمحوں میں غائب ہو جاتا ہے۔ اپنی بڑی دولت پر تو ہر کسی کی نگاہ ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی دولت کی حفاظت نہ کریں تو چند دن میں کنگال ہو جائیں اور تمہارے بھئی کی جوجہ مارے آگے پیچھے پھرتی ہیں ہمارے طرف دیکھتا بھی گوارا نہ کریں۔“

”یہ تم کیا بکد رہے ہو۔۔۔؟“ اس نے غصے میں کہا۔

”منیسا بک نہیں رہا تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔ ہماری جڑیں بہت گہری ہیں۔ تمہارے باپ نے جب میرے بارے میں تحقیق کرنا شروع کی تھی تا تو پہلے ہی دن مجھے مضموم ہو گیا تھا۔ ایک فون کال نے مجھ پر ساری حقیقت کھول دی۔ منیسا سمجھ گیا ہوں کہ تمہارا باپ بہت عقلمند آدمی ہے ورنہ وہ بھی تمہاری طرح لالچ میں بہہ جاتا۔ منیسا نے فون کال کے فوراً بعد اندازہ لگا لیا تھا کہ یا تو تم وہی کچھ کرو گی جو منیسا چاہوں گا یا پھر تمہارا میرا ساتھ نہیں رہے گا۔۔۔ یوں کیا کہتی ہو؟“

”تمہارے جیسے لڑاکے کے ساتھ منیسا ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔“ اس نے تیز غصے میں گلے ہوئے کہا۔

”تو بس جاؤ۔ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟“ دس لاکھ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ منیسا تمہیں دے سکتا ہوں، اہمگی اور اس وقت کیش کی صورت میں لیکن۔۔۔“ یہ کہہ کر اس نے لمبے لمبے وقفے کیا پھر بولا۔ ”تم مجھے کیا دو گی؟“

اس نے ایسے انداز میں کہا کہ صفیہ سے برداشت نہ ہو کہ اس نے بڑھ کر تمہیں اس کے منہ پر مارنا چاہا لیکن وہ مٹھا مٹھا تھا اس نے صفیہ کا بازو پکڑ لیا۔

”نہیں میری جان! نہیں۔ ایسا نہیں کرتے۔ منیسا تم سے سوا طے کر رہا ہوں ورنہ مارکتے ہیں اس دس لاکھ کے عوض چند نہیں سکتا کچھ مل جائے۔“

”تم بہت گھنیا انسان ہو۔“ صفیہ نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

”اپنے ہارے میں کیا خیال ہے؟“ تیمور نے انتہائی طحڑے سے کہا تو صفیہ جیسے زمین میں گڑ گئی۔ اس سے ایک لفظ بھی نہ کہا گیا۔ ”تمہارا باپ اس لیے بھی عقلمند ہے کہ اس نے تمہارے ساتھ بہت اچھے انداز میں برتاؤ کیا اور دوسری طرف میرے پیچھے بندے لگا دیئے جو میرے ہارے میں رپورت ضرور دیتے ہوں گے۔ خیر منیسا تم سے شادی تو نہیں کر سکتا البتہ اگر۔“ اس نے آخری لفظ حقارت سے کہا۔

”اپنا منہ بند کر لو تیمور اور نہ منیسا تو اپنی نگاہوں میں گر کر مرتی ہوئی کہیں تمہیں بھی سبیل قتل نہ کر دوں۔“ صفیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے سبیل فتح کر دے۔

”میرے پاس سیکورٹی گارڈز ہیں جو اس کرے کے باہر کھڑے ہیں۔ دو یہاں کمرے میں سب دیکھ رہے ہیں اور یہ دیکھار ڈھکی ہو گیا

ہے۔ فارم ہاؤس پر بھی کمرے ہیں وہاں تمہاری اور میری تنہائی کی مٹا قاتمیں دیکھا رہا ہو چکی ہیں۔ تم کہیں بھی بھاگ کر نہیں جاسکتی ہو جب تک میں نہ جاؤں۔ چاؤ اور بہت غور کرو۔ میرا ساتھ قبول ہے تو نہال کروں گا اور اگر نہیں تو سوچنا میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔ اب دفع ہو جاؤ میرے آفس سے۔ میں جب چاہوں گا تم سے بات کروں گا مگر خود فون کرنے کی کوشش نہ کرنا۔۔۔ چاؤ۔“

اس نے اہنجائی حقارت سے کہا تو صفیہ ہونٹوں کی طرح وہاں سے اٹھ گئی۔ پھر اسے ہوش ہی نہیں رہا کہ وہ وہاں سے کب نکلی کب اپنی گاڑی تک پہنچی۔ وہ پوری جان سے سگ رہی تھی پوری دنیا میں آگ لگا دینا چاہتی تھی۔ اتنی حقارت! اتنی بے عزتی اور اس قدر برا سلوک۔۔۔ وہ بہت مشکل سے اپنے گھر تک پہنچی۔ اس نے گاڑی کھڑی کی اور کرتی پڑتی اپنے کمرے تک آ کر اپنے بستر پر گر گئی۔ وہ روٹنا چاہتی تھی لیکن اس کی آنکھ سے ایک بھی آنسو نہیں پٹکا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ یہ دنیا ہی چھوڑ دے۔ وہ اپنے آپ کو ختم کرنے کا سوچ رہی تھی مگر پھر اسے ہوش نہیں رہا وہ اٹھ ہی نہ سکی۔ ہر طرف سادہ میرا چھا گیا تھا۔

۶۶۶

راحیلہ اس وقت لہر ہنسی میں ڈیوٹی کر رہی تھی۔ وہ دیگر سٹاف کے ساتھ مصروف تھی۔ ان کی ڈیوٹی ختم ہونے میں ابھی کچھ وقت پڑا تھا۔ ایک خاتون ڈاکٹر اپنے کمرے میں موجود تھی باقی سب چلے گئے تھے۔ جب سے میڈم کو یہ معلوم ہوا تھا کہ راخیلہ ایک خاموش گالے کی مانند نہیں شیر کے جیسا خاموش بھی رکھتی ہے اس کے بعد سے وہ اپنی مرضی سے ڈیوٹی لگواتی اور زیادہ تر اس کے ساتھ نرسین ہوتی تھی جس کے ساتھ اس کا وقت بہت اچھا کٹ جاتا تھا۔ اب اکثر وہ دن کی ڈیوٹی کے بعد رات اپنا ماں کے ساتھ گزارتی تھی۔ اس کی ماں جب سے شہر میں آئی تھی ایک خاموشی ہی اسے لگ گئی تھی۔ اس نے کبھی کوئی سوال راخیلہ سے نہیں کیا تھا جس چپ چاپ سارا دن گزارتی۔ اب اسے کھانا بھی نہیں پڑتا پڑتا تھا اور نہ ہی کوئی گھر کا کام کرنے پڑتا سارے کام وہی نوجوان لڑکی رضیہ کر دیتی جو ان کے ساتھ رہ رہی تھی اور اس کا خاوند شام ڈھلے گھر آتا تھا۔ راخیلہ کی ماں سارا دن یا تو ان کے بچوں میں مصروف رہتی جو اس سے خاصے مانوس ہو گئے تھے یا پھر نماز جمعہ میں دن گزارتی۔ دوسرے تیسرے دن جب وہ تھکی ماندی گھر جاتی تو اس کے ہاؤس کو وہ بہت تھکان محسوس کرتی اپنی ماں سے باتیں کرنے کو اس کا دل بہت چھٹا لیکن وہ ہوں ہاں کر کے ہی رہ جاتی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہ باحول کی تبدیلی اثر ہے۔ کچھ عرصہ ایسے ہی رہے گا پھر ٹھیک ہو جائے گا۔ ظاہر ہے یہاں اس کا کوئی جائے والا نہیں تھا جبکہ گاؤں میں اس نے اتنی زندگی گزارنی تھی فرق تو پڑتا ہی تھا۔ وہ خود بھی اتنا وقت کہاں دے پاتی تھی۔ بس جی سوچ کر اپنے آپ کو ڈھارس دے لیتی کہ یہ امتحان ختم ہو جائیں گے تو پھر وہ سارا دن اپنی ماں کے پاس رہا کرے گی اور خوب جی بھر کے ان کی خدمت کرے گی۔۔۔ انہی سوچوں کے دوران وہ تیزی سے کانٹوں میں اُبھی ہوئی اپنا کام بھی ختم کر رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ ڈیوٹی آف کرنے کے بعد وہ آج اپنی ماں کی طرف جائے گی۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھی کہ کارڈور میں پھینک ہوئی۔ ان کے لیے یہ معمول کی بات تھی مریض آتے ہی رہتے تھے۔ امیر ہنسی میں تو لوگ بہت تیزی سے آتے ہیں۔ پھر چند لمحوں بعد مریض کو اندر لایا گیا تو وہ کانٹا چھوڑ کر اس کی طرف لپکی اُٹھے میں ڈاکٹر بھی آگئی۔ اس نے سامنے پڑی صفیہ کو غور سے دیکھتے ہوئے اٹھتے ہوئے سیدھا گیا۔

”کیا ہوا ہے۔۔۔؟“

ڈاکٹر نے سرسری سے انداز میں پوچھا اور اسے دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ سٹوڈنٹ اور زینون بی بی تھی۔ راحیلہ بچکان چلی تھی کہ دو زینون بی بی ہے جو کچھ عرصہ پہلے یہاں پرائیوٹ تھی اور اس نے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا تھا جبکہ زینون بی بی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

”پتہ نہیں لگتا یہ اپنے کمرے میں بے ہوش پڑی تھی۔“ سٹوڈنٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”درمیان میں کہیں ہوش آیا تھا یا یہ مسلسل یونگی بے ہوش ہے؟“ ڈاکٹر نے اس کے دل کی دھڑکن دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہاں لاتے لاتے تھوڑا ہوش کیا تھا پھر یونگی۔۔۔“ سٹوڈنٹ سے کہنا نہ گیا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ آپ باہر نہیں ہم دیکھتے ہیں۔“

ڈاکٹر نے اطمینان سے کہا اور اسے ہوش میں لانے کے لیے کوشش کرنے لگی۔ اس کے ساتھ راحیلہ اور دوسری دو نرسیں بھی شامل ہو گئیں۔ اسے میں دو ڈاکٹر مزید آگے جانے کی یہاں ڈیوٹی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد وہ ہوش میں آگئی۔ منیہ کارنگ پیلا زور ہو رہا تھا۔

ڈاکٹر اس سے مختلف سوالات پوچھتے رہے ساتھ میں آنکشن وغیرہ بھی لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ان سب کی رائے تھی کہ مریض کو سخت ذہنی جھکاؤ ہے جس سے نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے۔ اسے ایمر جنسی وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا جہاں سٹوڈنٹ اور زینون بی بی اس کے پاس تھیں۔ راحیلہ آنکشن دینے لگی تو زینون بی بی نے اسے بچکان لیا۔ یونگی چند باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔

”کیا ہوا ہے منیہ کو۔۔۔؟“

”پتہ نہیں لگتا، ایسی اتنی بھڑکتی ہے کہ جس طرح میں اس کی وجہ سے یہاں پڑتی تھی اسی طرح یہاں بھی وجہ سے یہاں پڑ گئی ہے۔ کوئی بہت

گہرا صدمہ پہنچا ہے اسے۔“ زینون بی بی نے کہا۔

”خیر اللہ کرم کرے گا۔ آپ حوصلہ رکھیں ٹھیک ہو جائے گی یہ۔“

راحیلہ نے سکون سے کہا اور پلٹ گئی۔ اس کیلئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی لوگ جب اپنی ہی سوچوں سے بے بس ہو جاتے ہیں تو اسی طرح خود سے بیگانے بھی ہو جاتے ہیں ایسا حفاظتی کے ساتھ ہوتا ہے جو حوصلہ نہیں رکھتے بلکہ مایوسیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ قدرت نے انسان کے اندر

ایسی صلاحیتیں رکھی ہیں کہ وہ چاہے تو اپنے آپ کو بہت مضبوط بنانے یا پھر خود کو ایسا بنانے کے ذرا سی ہوا اسے آڑا کر رکھ دے۔ چونکہ انسان اپنے ہی خیالات کا شکار ہے۔ وہ جو سوچتا ہے اس کا اظہار اس کے اعمال سے ہو جاتا ہے۔ سوچ سے عمل تک کے دورانے میں فقط ایک شے ہے جو بنیاد ہے

اور وہ یقین۔ اگر انسان کو اپنے آپ پر یقین ہے تو پھر بھی اس کے سامنے رانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں۔ تاریخ شاید ہے کہ انسان نے ہمیں اس کے دکھایا ہے۔ لیکن اگر اسے خود پر یقین نہیں ہے تو اس پر جھکاؤ اٹھانا بھی بھاری ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یقین کس طرح پیدا

ہو؟ یہی وہ راز ہے جس سے انسان غافل رہتا ہے حالانکہ یہ راز اس کے اندر ہی چڑا ہوا ہے جو اس وقت ہی کھلتا ہے جب انسان اپنے آپ پر لگاؤ ڈالتا ہے۔ کیا کبھی ہم نے یہ سوچا کہ انسان کا ارادہ کیا شے ہے؟۔۔۔ جولوگ اس پر سوچتے ہیں وہ یقین کی منزل تک ضرور پہنچتے ہیں۔

راحیلہ کی اپنی زندگی اس قدر سنگین دور سے گزری تھی کہ اگر وہ لوگوں کی باتوں میں چپے ہوئے زہر کو محسوس کرتی تو وہ اپنے حالات کی مشکلوں کو خود پر حاوی کر لیتی اور زندگی کی مسدود راہوں میں حوصلہ پار کر بیٹھ جاتی تو اب تک وہ مرگئی ہوتی۔ اسے اگر زندہ رکھا تھا تو اس کے یقین نے۔ اسے اپنی ذات پر اٹھا دھا کہ وہ ان سب سے نبرد آزما ہو سکتی ہے۔ دیر سے دیر سے لوگ ہاتھ کرتا بند کر گئے حالات کی مشکلات ختم ہونا شروع ہو گئیں اور زندگی کی راہیں کھل گئیں۔ راحیلہ لا شعوری طور پر اس سے اپنا مقابلہ کینے جا رہی تھی۔ اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ جن کی زندگی اتنی سبک ہوتی ہے وہ حوصلہ کیوں ہار بیٹھتے ہیں؟ اگرچہ یہ سوال اپنی جگہ اہمیت رکھتا تھا لیکن اسے نہیں معطوم تھا کہ ان کے اپنے الگ طرز کے مسائل و معاملات ہوتے ہیں۔ اس سے بحث نہیں کر وہ حتمی ہوتے ہیں یا ثابت ان کی بنیاد میں لالچ و ہوس پائی جاتی ہے یا ظلم؟ یہی سوچتے ہوئے وہ اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ اس کی ڈیوٹی کا وقت بھی ختم ہو گیا۔ ساتھی نرسز بائبل کی جانب جانے کو تیار تھیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ایک بار زنتون بی بی کے پاس ضرور جائے چاہے چند لمحوں کے لیے ہی کسی۔۔۔ وہ اٹھی اور ان کے پاس چلی گئی۔

”بہ کسی طبیعت ہے۔۔۔؟“

اس نے پوچھا تو صفیہ نے خدارا لود لگا چیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا پھر لاپرواہ بن جاتی ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

”پوری فخر ہوش میں نہیں آ رہی ہے ایسے ہی ہونقوں کی طرح دیکھنے چلے جا رہی ہے۔“ زنتون بی بی نے بتایا۔

”آپ اسے آرام کرنے دیں اس سے ہاتھ مت کریں۔“ راحیلہ نے دیر سے سے تاکید کی۔

”تمہاری اہم رودی کا بہت شکر یہ بیٹی! زنتون بی بی نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تو میرا فرض ہے۔۔۔ اس وقت تو میں جا رہی ہوں۔“ اس نے کہا اور واپس مرگئی! اسے اپنے گھر جانے کی جلدی تھی۔

☆ ☆ ☆

یقتی

اس طویل و درمیان دنیا میں ابھی بے شمار حقائق ایسے بھی ہیں جن سے انسان پوری طرح ناخبر نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کی تھمس پسند فطرت ہر روز کئی نئے چونکا دینے والے انکشاف کے لئے اسے بے قرار رکھتی ہے۔ ایسے ہی چند تحقیق کے میدان کے نکلاڑیوں کی ہم جوبی کا قصہ۔ دو ایک ان دیکھی مخلوق کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھے۔ ان کی ہم جو طبیعت انہیں خطرناک راستوں پر لے آئی تھی۔ ایک ہفتی (ہفتا ہفتی انسان) کی انہیں تلاش تھی۔ اس کتاب کا قصہ جس کا آخری باب تحریر کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ انگریزی ادب سے یہ انتخاب کتاب گھر کے ایکٹو ایڈیٹر ناول سیکشن میں دستیاب ہے۔

جس وقت راحیل نے رکشے سے اتر کر اپنے گھر کی تلس دی اس وقت اسے خیال آیا کہ جنیڈ نے تو یہ کہا تھا کہ وہ یہ گمراہے نمکانے کے طور پر لے کر رہے مگر اتنے دن ہو گئے اس نے ایک باہمی یہاں آنے کے لیے نہیں کہا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ اس نے کئی دن ہوئے فون بھی نہیں کیا۔ اللہ خیر کرے اسکے دل سے یہ دعا اٹھی۔ تبھی گیت کھل گیا اور وہ اندر چلی گئی۔ اس کی ماں مغرب کی نماز پڑھ چکی تھی لیکن ابھی تک جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بھر ملنے ملانے کھانا کھانے اور تھوڑی دیر باتوں کے بعد جب وہ اپنے بستر پر لیٹی تو اسے بھر سے جنیڈ کا خیال آیا۔ چند لمحوں تک وہ اسے فون کرنے پانہ کرنے کے بارے میں سوچتی رہی پھر بے تاب سی ہو کر نمبر ملانے لگی۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو گیا۔

”ہیلو۔۔۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

”ہاں راحیلہ! کیسی ہو تم۔۔۔؟“ اس نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

”منیں ٹھیک ہوں مگر لگتا نہیں ہے کہ آپ ٹھیک ہوں گے۔ اتنے دن ہو گئے فون ہی نہیں کیا؟“ اس نے ایک ہی سانس میں سب کہہ دیا جس میں شکوہ بھی تھا اور شکایت بھی۔

”تم ٹھیک کہتی ہو۔ منیں ان دنوں کچھ مصروف ہوں اس لیے کوئی رابطہ نہیں کر سکا۔“ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اسی بھی کیا مصروفیت حال احوال پوچھنے میں کون سا وقت لگتا ہے؟“ راحیلہ کا ٹھہرے ہوئے لہجہ تھا۔

”تمہیں یاد ہے راحیلہ! منیں جس مریض کو لے کر ہسپتال آیا تھا اور ایک بار تم نے اس کے بارے میں سوال بھی کیا تھا کہ منیں اسے کیوں۔۔۔“

راحیلہ نے بات کا بچے ہوئے کہا۔ ”منیں اسے کیسے بھول سکتی ہوں آپ ہی کی گولی سے وہ زخمی ہوا تھا۔“

”وہ گولی منیں نے اپنی مدافعت میں ماری تھی وہ ٹھیک بھی ہو رہا تھا لیکن مر گیا۔ اب اس کے قتل کا الزام مجھ پر ہے! میں اسی کے چکر میں ہوں۔“ وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”کیا پولیس۔۔۔؟“ وہ تشویش سے بولی۔

”منیں میرے ہی لوگ ہیں۔ انہیں بس اتنا یقین چاہئے کہ ہسپتال میں اس کے ساتھ کچھ خواہے۔ میرے ساتھ ایک اور بھی لڑکا تھا! اسی نے کچھ کیا ہے۔ اب وہ ملک سے فرار ہو چکا ہے اور۔۔۔“

”منیں اس بارے میں تصدیق کروں گی کہ اس کی موت کس وجہ سے ہوئی تھی۔ ریکارڈ میں تو موجود ہوگا نا؟“ راحیلہ نے تیزی سے کہا۔

”کیا ایسا ممکن ہے؟“ وہ تیزی سے بولا۔

”ہاں۔۔۔ اس سے کچھ نہ کچھ تو اندازہ ہوگا۔“

”ٹھیک ہے منیں کل بھر فون کر دوں گا۔“

اس نے کہا اور پھر بونٹی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے پھر رات گئے ان کی باتیں ختم ہوئیں اور وہ سوئی۔

اگلے دن جب وہ ڈیوٹی پر مگنی تو سب سے پہلے اس ٹکرک کے پاس مگنی جو اسے ریکارڈ دے سکتا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر تک میل و جھت کی لیکن جب ایک برالوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے راحیلہ نے کہا۔

”ایسا ہی مزید آپ کو ملے گا اگر آج ہی وہ مطلوبہ فائل کی فوٹو کاپی مجھے مل جائے۔“

”سٹاف! دیکھو یہ معاملات اسی وقت سامنے آتے ہیں جب پولیس یا عدالت کو مطلوب ہوں۔ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کو اس کی ضرورت کہاں آن پڑی ہے؟“ ٹکرک نے اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

”میں آپ کو پوری تفصیل بتا دوں گی اگر آپ اس فائل کی فوٹو کاپی مجھے دے دیں۔“ اس نے صاف لفظوں میں کہا۔

”ٹھیک ہے میں دے دوں گا۔“ اس نے حتمی انداز میں جواب دیا۔

”میں وہ پہرے کے وقت آؤں گی۔“

یہ سب کہہ کر وہ اٹھ گئی اور سیدھی ایئر جنسی وارڈ میں چلی گئی جہاں اس کی ڈیوٹی تھی۔ وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ زمینون بی بی کی مریدہ اب وہاں نہیں ہے انہیں پرائیویٹ وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ وہاں جائے لیکن کاغذی احواں پر مجھے لیکن پھر وہیں مصروفیت میں کھو گئی یہاں تک کہ دوپہر کے وقت اسے خیال آیا تو وہ سیدھی ٹکرک کے پاس چلی گئی جس نے ایک بند لٹافے میں اس فائل کی فوٹو کاپی کر کے اسے دے دی۔ راحیلہ نے ٹکرک کے کمرے سے نکلے ہی چند کوفون کر دیا کہ فائل ش مگنی ہے اب وہ پوری تفصیلات سے آگاہ ہو کر ہی فون کرے گی۔ راحیلہ وہ فائل لے کر اسی ڈاکٹر کے پاس چلی گئی جس نے اس کا پوسٹ مارم کیا تھا۔ اس نے فائل دیکھی اور پھر بوجھا۔

”سٹاف! میں آپ کو اس کی تفصیل تو بتا دیتا ہوں لیکن پہلے مجھے مطمئن کرو کہ یہ سچی کہاں سے آ رہا ہے؟“

”میرے ایک مسنر دیکل ہیں انہوں نے دی ہے تاکہ میں آپ سے معذرت لے سکوں۔ ان کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔“ راحیلہ نے فوراً ہی جھوٹ مٹا لیا۔

”کیا آپ اس دیکل سے مجھے مخاطب ہیں؟“ اس نے راحیلہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیوں نہیں۔“ وہ جھڑی سے بولی۔

”میں دو گھنٹے تک ادھر ہوں آپ انہیں بلا لیں میں پوری تفصیل ان کے ساتھ شیئر کروں گا۔“ اس نے دو فائل راحیلہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میں ان سے بات کرتی ہوں اگر وہ آگے تو۔“ راحیلہ نے بات نہ بننے و کچھ کر بیچے دل سے کہا۔

”اگر انہیں دلچسپی ہوئی تو ضرور آئیں گے۔ آج اگر مصروفیت ہوئی تو کل آ جائیں۔“ ڈاکٹر شاید مطمئن نہیں ہو پارہا تھا۔

”ٹھیک ہے ڈاکٹر! آپ کی بہت مہربانی۔۔۔“

اس نے کہا اور اٹھ گئی۔ پھر کارڈ روم میں آ کر اس نے چند کوفون کیا۔ اس نے تمام بات سنتے ہی کہا۔

"یہ کون سی بڑی بات ہے جسے انہی ہمایوں کو سمجھنا ہوں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" راحیلہ کی جیسے جان میں جان آگئی اس کا جھوٹ سچ میں تبدیل ہو جانے والا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بھی نہیں گزر تھا کہ ہمایوں نے راحیلہ کو فون کر دیا۔ وہ ہسپتال پہنچ چکا تھا اور اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ دونوں نے ایک جگہ ملنے کی پھر تھوڑے سے وقت کے بعد وہ ڈاکٹر کے پاس تھے۔ تھوڑی دیر تعارف وغیرہ میں گزر گئی پھر ڈاکٹر نے کہا۔

"مجھے خود حیرت تھی کہ اس مریض کی موت کیسے واقع ہو گئی ہے۔ اس کا ڈیٹم ٹھیک ہونے کی طرف جا رہا تھا اور پوری امید تھی کہ چند دن تک وہ بالکل ٹھیک ہو جاتا۔ کوئی زہر نہیں پھیلا تھا ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا یہ میں نے رپورٹ میں بھی لکھا ہے۔ بہت مشکل سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کی موت حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ بلاشبہ اس کا سانس زکا تھا اور البھمن سہمی پر ہے کیونکہ اس سے اڑبالیس گھنٹہ قبل آکسیجن اتار دی گئی تھی اس وقت مریض کو ضرورت نہیں تھی۔ اب سانس کس طرح زکا ہے۔ یہی البھمن ہے اور یہ بات رپورٹ میں درج ہے۔" ڈاکٹر نے تفصیل سے بتایا۔

"مغرب مریض رو بہ صحت تھا لیکن اس کی سانس زک جانے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی؟" ہمایوں نے پوری بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"جی۔۔۔ اس وقت کسی طرف سے یا اس مریض کے لواحقین نے توجہ نہیں دی تھی ورنہ یہ بات اسی وقت کھل جاتی تھی مگر یہ بات فائلوں میں ڈن ہو گئی۔ اب آپ اس کا کیس لڑنا چاہتے ہیں تو مجھے نہیں یقین کہ آپ اس وجہ تک پہنچ پائیں گے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟" ہمایوں نے کرید۔

"اس لیے کہ میں ایک پروفیشنل بندہ ہوں۔ مجھے بھی البھمن ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر اس وقت کرید ہوئی تو بات سامنے آسکتی تھی لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میرے پاس اگر ٹھوس دلائل ہوتے تو میں ضرور آپ کو مطمئن کروں گا یہ میرا وعدہ رہا اور نہ ہوتے تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔"

ہمایوں نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر باتوں کے بعد وہ اٹھ گئے۔ دونوں کا ریزورٹ میں چلتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے درمیان یہی موضوع چل رہا تھا۔ ہمایوں کا خیال تھا کہ بات صاف ہو گئی ہے ڈیٹا ان ہی دراصل غلطی کا قائل تھا۔ اب جینڈرائی قیادت کو مطمئن کر سکتا ہے۔۔۔ پارکنگ کی جانب بلا رہتے ہوئے ہمایوں نے کہا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔ میں پوری تفصیل خود ہی اُسے بتا دوں گا۔"

"کم از کم جائے یا ضحفا؟" آپ نیچے جا رہے ہیں اس طرح اچھا نہیں لگتا۔" راحیلہ نے کہا۔

"چلو تم پر اُدھار رہا اس کے عوض کسی دن کھانا کھائیں گے وہ بھی تمہارے مگر۔ اس وقت جانا ضروری ہے پھر کسی وقت سہی۔" ہمایوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔"

راحیلہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ ٹھیک انہی لمحات میں پارکنگ میں ایک گاڑی آ کر رکی جس میں سے زوجین بی بی اور سلٹی باہر آ گئیں۔ ان کی نگاہوں پر پڑی تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ان دونوں کی نگاہوں کا مرکز آب ہمایوں تھا۔

"ہمایوں ایہ آپ کو ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" راحیلہ نے فوراً ہی پوچھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ جو ادبیز مرخانوں ہے، یہ میری چاچھی ہیں اور اُس کے ساتھ میری کزن۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے نشوونما سے پوچھا۔ "مگر یہ

یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"ان کی بیٹی کو فرسٹر بریک ڈاؤن ہو گیا ہے، کل سے وہ یہاں ایڈمٹ ہے۔" راحیلہ نے ویرے سے جواب دیا۔

"ضنیہ!۔۔۔ اے۔۔۔" ہمایوں اتنا ہی کہہ سکا۔

"ہاں کوئی کھدہ پہنچا ہے اے۔"

وہ بولنا تو ہمایوں نے ویرے سے کہا۔

"اچھا۔۔۔ انہیں معلوم نہ ہو کہ ہمارے درمیان کوئی تعلق یا شائستگی ہے۔ اس کی تفصیل میں بعد میں بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔"

راحیلہ نے کہا تو ہمایوں آگے بڑھ گیا۔ زوجین بی بی نے اُسے دیکھ کر کناجا باکرہ دہنیں زکا اپنی گاڑی تک گیا اور تیزی سے وہاں سے نکل

گیا۔ وہ دونوں کمری اُسے دیکھتی رہیں۔ جب وہ نگاہوں سے اور عمل ہو گیا تو زوجین بی بی جھگھے قدموں سے راحیلہ کی جانب آگئی۔ راحیلہ نے اُسے

سلام کیا جس کا جواب دیتے ہوئے اُس نے پوچھا۔

"بہن! یہ لڑکا ہمایوں ہی تھا نا۔۔۔؟"

"جی۔۔۔ جی نام بتایا تھا انہوں نے۔۔۔" راحیلہ نے کہا۔

"یہاں کیا کرنے آیا تھا؟" وہ نشوونما سے بولی۔

"کسی کیس کے سلسلے میں یہاں ایک ڈاکٹر سے ملے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے بھی بلوایا تھا کوئی بات پوچھنے کے لیے اب میں انہیں بہن

تک چھوڑنے آئی تھی۔ کیا آپ جانتی ہیں انہیں؟"

"جانتی ہی نہیں بچھاتی بھی ہوں لیکن۔۔۔ خیر!"

یہ کہتے ہوئے زوجین بی بی ایک دم سے اُسے سیت ہو گئی پھر کوئی بات کہے بنا آگے بڑھ گئی۔ اُس کے پیچھے سلٹی تھی۔ تب راحیلہ بھی اپنے

دارڈ کی جانب چلی گئی۔ راحیلہ کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ ان کے درمیان کوئی بات ضرور ہے۔ کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں تھا۔

☆☆

جنید اپنی قیادت کے تین اہم لوگوں کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ان کے سامنے اپنی طرف سے بھرپور دلائل دینے کے بعد لمبی گفتگو کر چکا تھا اور اب ان کی طرف سے کسی جواب کا منتظر تھا۔ تھوڑی دیر یونہی گزر گئی تو ان میں سے بولا۔

"جنید! ہمیں اس دن ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ تم بے گناہ ہو جس دن ڈیٹان یہ ملک چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ اگرچہ ہم نے تمہیں فقط تین دن دینے تھے لیکن یہ تین دن تمہیں ماہ پر محیط ہو گئے ہیں۔ ہم اصل کہانی تک پہنچنا چاہتے تھے اور وہ اصل کہانی یہ ہے کہ ڈیٹان ہی نے عالمگیر کو قتل کیا اور بھاگ گیا۔"

"لیکن اس نے ایسا کیوں کیا؟" جنید نے پوچھا۔

"ان دونوں کے درمیان تنازعہ چل رہا تھا۔ دونوں ہی تنظیم چھوڑ دینا چاہتے تھے اور تنازعہ یہ تھا کہ ان کی رقم جو دونوں ہی اپنے ذرائع سے حاصل کرتے رہے تھے وہ کوئی تیسرا ان کے درمیان سے لے ازا تھا۔ اس میں قصور عالمگیر کا تھا کہ اس نے اسلٹ خریدنے کے لیے یہ رقم درمیان کے ایک بندے کو دی تھی۔ اب ڈیٹان اس تک پہنچ گیا ہے اور بڑے آرام سے زندگی گزار رہا ہے۔ وہ اب ان ہاتھوں میں ہے جو بین الاقوامی طور پر کام کر رہے ہیں۔" دوسرے شخص نے تفصیل سے بتایا۔

"میں نے اپنا من صاف کرنا تھا وہ کر لیا ہے۔ آپ کو اصل بات معلوم ہو گئی میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" جنید نے فریاد اپنی صفائی میں کھنڈیا۔

"لیکن ہم چاہتے ہیں کہ یہ ذمہ داری تم قبول کرو۔ ڈیٹان نے جس طرح غداری کی ہے اسے معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے یہاں بھی اپنا میت درک بنا رکھا ہے اسے توڑنا ہے ورنہ ہماری تنظیم کمزور ہی نہیں ختم ہو کر رہ جائے گی۔" تیسرے نے دھیرے سے تشویش کے ساتھ کہا۔

"میں اکیلا نہیں کر سکتا کیونکہ میری معلومات کے مطابق ہم میں سے ہی وہ لوگ ہیں جو اسکے نیٹ ورک کا حصہ بنتے چلے جا رہے ہیں۔ میں اعتماد کس پر کروں؟— یا پھر مجھے دقت دیا جائے کہ میں اپنے حساب سے بندے جمع کروں اور پھر کوئی سوا دیکھوں۔" جنید نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"بدقسمتی سے ایسا ہو رہا ہے حکومت کی جانب سے بھی کوئی اچھے اشارے نہیں مل رہے ہیں۔ تم جو چاہو کرو لیکن ڈیٹان کا نیٹ ورک ختم کر دو۔ اس کے لیے تم جو چاہو گے تمہیں ملے گا۔" پہلے نے دے ہوئے ٹھہسے میں کہا جیسے اس کے نزدیک کیا سب سے اہم بات ہے۔

"اگر یہ ذمہ داری مجھ کو جاری ہے تو میں قبول کرتا ہوں۔" جنید نے پوری سنجیدگی سے اس نارگت کو اپنے ذمے لے لیا۔

"جو ضروری معلومات ہوں گی وہ تمہیں دے دی جائیں گی اور بہت ساری باتوں کا تمہیں خود بھی علم ہوگا۔ اس بارے میں اگر تم کوئی بات کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔" تیسرے نے سرد سے لہجے میں کہا۔

"اسکی کوئی بات نہیں لیکن جس طرح آپ نے کہا ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی اچھے اشارے نہیں مل رہے ہیں۔ اگر اپنے لوگوں کے تحفظ کے لیے میں کچھ کروں تو تنظیم کو کوئی اعتراض نہیں ہو تا ہے کیونکہ میں ایسا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" جنید نے ان پر واضح کر دیا۔

"تم جو چاہو کرو۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہمیں بس نتیجہ چاہئے۔" تیسرے نے ہی کہا۔

"تو پھر ملے ہو گیا۔" جنید نے آخری بات کہہ دی اور اٹھ گیا۔

اس کی یہ خفیہ ملاقات جہاں ہو رہی تھی جب وہ وہاں سے نکلا تو ذہن پر سے بوجھ اتار چکا تھا۔ اسے جو ہنسا مشن دیا گیا تھا اس سے نہ صرف تنظیم میں اس کی اہمیت واضح ہو رہی تھی بلکہ اس کی اپنی خواہش بھی اس میں شامل تھی۔ ایک طرح سے وہ آزاد ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر کام کرتے ہوئے اپنے نیسے کرنے تھے۔ اس میں جس قدر کامیابی کے امکانات تھے اس سے دو سو فیصد ناکامی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی زندگی کو تھیلے پہلے ہی جھٹلی پر رکھے ہوئے تھا اس لیے کوئی پروا نہیں تھی۔ اسے ادھیڑ پر بہت پیار آ رہا تھا ایک معمولی سی بات جو اس کی لگا ہوں سے ادھل تھی اس کے اشارہ کرنے پر اور پھر اس کو واضح کر دینے کے بعد وہ کس قدر نہ سکون ہو گیا تھا اب اسے اپنی تنظیم کی جانب سے تو کوئی خضر نہیں تھا پہلے وہ خود کو نکل کے دو پانوں میں محسوس کر رہا تھا ادھیڑ نے اسے یہ سکون دیا تھا وہ جس قدر خطرے میں تھی اور بے سکونی میں مبتلا تھا اس کے ختم ہوتے ہی وہ سب کچھ اسے غیر اہم سا لگا جو دور ادھیڑ کے لیے کر چکا تھا۔ اگر اسی بے یقینی کی فضا میں اسے کوئی سنسناتی ہوئی گولی لگ جاتی اسے موت آ بھی جاتی تو اسے یقین تھا کہ اسے جاننے والے لوگ اسے غدار نہیں کہہ سکیں گے۔۔۔ انہی خیالات میں گھرا وہ گاڑی دوڑائے شہر کی جانب آ رہا تھا۔ وہ آتہ ہر حالت میں ادھیڑ سے ملنا چاہتا تھا چاہے چند گز ہی ہی سہی یا پھر کسی ریسٹوران میں کھانا۔۔۔ وہ اس کے گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ اس کی باتوں کے سامنے جانے کا جو صلہ نہیں رکھتا تھا وہ اس قدر حسرت بھری لگا ہوں سے اسے دیکھتی تھی جیسے کوئی قیدی اپنے میاں کی طرف دیکھتا ہے۔ بلاشبہ اس کے ذہن میں یہی تھا کہ اس کی ساری لوازمیں بھر دی اور غلطیوں سے بچنے اور حقیقت میں ایسا تھا بھی لیکن وہ شک جو اس کی نگاہوں سے عیاں تھا زبان پر نہیں آتا تھا وہ جنید کو مارے ڈال رہا تھا۔ اس نے اپنا سٹیل فون نکالا اور ادھیڑ کے نمبر پر کال کر دی۔ چند لمحوں بعد ان کا رابطہ ہو گیا۔

"آج کہیں کھانا کھانے کا خیال ہے۔" اس نے کہا۔

"جیسا آپ کہیں۔۔۔ تاکہ ہے؟" ادھیڑ نے فوراً کہا۔

"تم تاکو کہاں کہاں کہیں؟" جنید نے ترنگہ میں پوچھا۔

"ادھر گھر ہی آ جائیں نہیں خود بخود ملتی ہوں۔" اس نے بڑے مان سے کہا۔

"ٹھیک ہے نہیں آ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر تک پہنچ جاؤں گا۔" اس نے چند لمحوں سوچنے کے بعد کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ شہر کی جانب گاڑی دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ ایک موڑ کے بعد آگے گھر کا پل تھا جہاں اسے گاڑی آہستہ کرنا پڑی اس کے ساتھ ہی کپے میں سڑک اترتی تھی۔ تبھی اس کی نگاہ تیسرے کی گاڑی پر پڑی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر تیسرے کی گاڑی جو گاڑی موڑ لینے کے لیے ہتھیار میں تھا۔ لمبے کے بزار دیں حصے میں جنید نے ایک فیصلہ کر لیا۔ اس نے گاڑی تیسرے کی گاڑی کے سامنے روک دی پھر ہینجر سیٹ پر کپڑے کے نیچے پزار باندھا اور اس کے چہرے پر لگا دیں بجائے تیزی سے باہر نکلا۔ تیسرے کے چہرے پر شدید جسم کی حیرت جم کر رہ گئی تھی۔

تیسرے اس کی جانب دیکھ رہا تھا جبکہ بلا خوف اس کی نگاہوں میں لگا ہوں ڈالنے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس کے قریب

بچ گیا۔ تیمور اسکی جانب یوں دیکھ رہا تھا جیسے تیز روشنی میں ٹرکوش سناکت ہو جاتا ہے جبید نے اسکی طرف کا دروازہ کھولا اور مرد سے لہجے میں کہا۔
 "پار آؤ۔۔۔"

"نگ کیا بات ہے۔۔۔ کون ہو تم؟" تیمور نے لرزتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ اس نے ریوا اور دیکھ لیا تھا۔

"میں ایشیا بات ذہرانے کا جاوی نہیں ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے تیمور کو کال سے پکڑ لیا۔

"وہ کھو تم ایسا۔۔۔ نہیں کر سکتے تم جانتے نہیں ہو کہ میں۔۔۔"

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ جبید نے اسے باہر گھسیٹ لیا۔ جیڑکی ٹھوکر سے دروازہ بند کیا اور پھر اسے لیتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف آیا۔
 ذرا نیچے گیٹ والا دروازہ کھولا اور پھر اسے اندر دھکیل دیا خود رانا نیچے گیٹ پر بیٹھ کر گاڑی چلا دی۔ وہ ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ تیمور نے پوچھا۔

"کون ہو تم اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"شاہ ہے تیرے باپ کے پاس بہت دولت ہے۔ اس میں سے تمہارا سنا حصہ ہمیں بھی چاہئے، میں اتنی ہی بات ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریوا اور اپنی گود میں رکھ اور اپنا فون سیدھا کر کے نمبر ملائے۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو جانے پر اس نے کہا۔

"ایک نیا پرندہ ہے تمہارا نازک حراج بھی ہے۔ ممکن ہے اسے سدھارنے میں دو چار دن لگیں۔ اس لیے فوراً پیئیرے کا بند دست کرو۔"

پانچ منٹ بعد مجھے تازہ کہ اسے کس پیئیرے میں بند کرنا ہے۔ میں اس وقت شہر سے چند کلومیٹر کے قاصطے پر ہوں۔"

پھر دوسری طرف سے سن کر اس نے فون بند کر دیا۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ۔۔۔؟" تیمور اس وقت تک تھوڑا حوصلہ پکڑ چکا تھا۔

"انوار برائے تاوان کا نام یاد کرو تو کبھی سنا ہوگا یا پھر اخبار میں کبھی پڑھا ہوگا، میں یہی کچھ ہونا ہے تمہارے ساتھ۔ تمہاؤں کو روگے تو

زندہ اپنے والدین کے پاس پہنچ جاؤ گے ورنہ اسے تو کھنڈ کر دیا جائے گا۔ جان سکو تمہارے ساتھ کیا کیا جا سکتا ہے۔" اس نے مرد سے لہجے میں غمگینا کر کہا۔

"کیا چاہتے ہو تم۔۔۔؟" تیمور نے دھیرے سے پوچھا۔

"بکو اس بند کرو اور چپ کر کے بیٹھ جاؤ بعد میں بات کرتے ہیں۔"

جبید نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا اور پوری توجہ رانا نیچے گیٹ پر لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا سٹش فون بج اٹھا۔ اس نے نمبر دیکھ کر فون سنا پھر

چند لمبے سنتے رہنے کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ شہر اب دو یا تین کلومیٹر پر ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور پھر گاڑی کی رفتار مزید تیز کر دی۔ تقریباً دو کلومیٹر قاصطے طے کرنے کے بعد اسے ایک دین دکھائی دی جو

سڑک کے کنارے کھڑی تھی اور وہ بندے اس کے قریب کھڑے تھے۔ جبید نے اپنی گاڑی ان کے قریب روک دی۔ وہ لوگ تیزی سے اس کی

مشق تازہ مشق بنا

"کیا چاہتے ہو؟"

"صرف دو کروڑ روپیہ اور وہ بھی چھ مہینوں میں۔۔۔ اس کال کے بعد کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو جائے گا اور میرا یہ بھی خیال ہے کہ پولیس وغیرہ کو تم زحمت نہیں دو گے ورنہ ہم ناراض ہو کر تمہارے بیٹے کی لاش بھی تمہیں بھجوا سکتے ہیں یا پھر کہیں سڑک پر پھینک دیں گے۔"

"تمہارے پھر یہ بات کراؤ۔۔۔"

"وہ سن رہا ہے۔۔۔" جنید نے کہا۔

"تمہارے بیٹے اتم گھبرانا نہیں۔ مجھے تمہاری زندگی مزید ہے منیں فوراً بندہ بست کرتا ہوں۔۔۔ اور تم جو کوئی بھی ہو میرے بیٹے کو کچھ مت کہنا منیں رقم دوں گے۔" دوسری طرف سے انتہائی گھبراہٹ میں کہا گیا۔

"ٹھیک۔۔۔ منیں رقم کسی طرح لوں گا بعد میں فون کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ چند لمحے دو تیس روڈ چکھتا رہا پھر بولا۔

"آرام کرو گے۔۔۔؟"

"منیں ایک بات کہوں۔۔۔؟" تیمور بولا۔

"بولو۔۔۔" ڈوہنگارا۔

"مجھے چھوڑ دو۔ پاپا کی رسائی بہت زیادہ ہے وہ۔۔۔"

اس نے کہنا چاہا تو جنید نے آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ دو آلت کر کر سی سے فچے کر گیا۔ پھر اسے کال سے چکڑا اور

اٹھاتے ہوئے بولا۔

"ڈھنگل دیتا ہے۔۔۔ جب تک تیرا پاپا رسائی کرے گا اس وقت تک منیں تجھے اوپر پہنچا دوں گا۔۔۔ سمجھا؟"

یہ کہہ کر اس نے تیمور کو بیڈ پر پھینکا اور باہر نکل گیا۔ شاید تیمور نے اس کی باتوں کا کوئی سلسلہ اثر نہ لیا تھا اس لیے ڈھنگل پر اترا آیا تھا۔

جنید یہی سوچتا ہوا وہاں سے آگیا۔ تیمور کا فون اس کے پاس ہی تھا جو اس نے بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ اب اس چوٹیں کھٹنے ہی حلی میں گزارنے تھے۔

☆☆

شام ۵ بج چکی تھی۔ شہر میں روشنیاں بج چکی تھیں۔ راحیلہ اس وقت بھی کچن میں مصروف تھی۔ اسے جو تین چار ڈشیں بنانا آتی تھیں وہ

بنا چکی تھی۔ اس کی ماں اپنے کمرے میں تھی اور ضیہ اس کے ساتھ کام میں مصروف تھی۔ اس کے بچے ڈرائنگ روم میں اپنے باپ کے ساتھ کھیل

رہے تھے۔ وقت اوپر سے اوپر زیادہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ وہ کھانا بنا چکی تھی اس لیے فون کر کے جنید سے اتنی دیر ہو جانے کی بابت پوچھتا چاہا۔ اس

نے اپنا فون لیا اور اس کے نمبر پر کال کر دینے دوسری طرف سے دہرایا۔

"سوری سوری راحیلہ منیں تمہاری طرف آ رہا تھا کہ اچانک کام پڑ گیا اور مجھے اس جانب نکلتا پڑا۔ منیں اب نہیں آسکوں گا۔" اس

کے لہجے میں انتہائی معذرت کھلی ہوئی تھی۔

”اور یہ جو میں نے بتانا کھانا بنایا؟“ اس نے دھیرے سے کہا۔

”میں نے کہا نا سوری۔ کام ہی اتنا ضروری۔۔۔“

”کوئی بات نہیں آپ اطمینان سے اپنا کام کر سکتے آجائیں میں آپ کا انتظار کروں گی۔“

”ارے نہیں میں نہیں آؤں گا۔ میں کل کسی وقت آؤں گا۔ تم پریشان نہیں ہونا میں پھر معذرت خواہ ہوں۔“ اس نے شمار آلود سے

لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔“ وہ باہری سے بولی۔

”تم ایسا کرؤ ہا میں کو بلاؤ۔ اس کے ساتھ کھانا کھاؤ۔“

”وہ کیوں۔۔۔؟“ وہ دھیرے سے بولی۔

”میں نہیں ہوتا نا تو وہ تمہاری کیڑ کرتا ہے تمہارا اس کے ساتھ بہت اچھا تعلق ہونا ضروری ہے۔ میں اُسے کہہ دیتا ہوں۔۔۔ پلیز“

جنید نے تیزی سے کہا۔

”آپ کہتے ہیں تو۔۔۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

”میں کہہ دیتا ہوں وہ کچھ دیر بعد آجائے گا۔“

جنید نے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ راحیلہ نے چمکتی ہوئی مسکریں کرنا ایک بار دیکھا اور پھر ایسی کے ساتھ ایک طرف رکھ دیا۔ اُسے یوں لگ

رہا تھا جیسے اندری اندر کوئی شے ٹوٹ گئی ہو۔ اُس نے قریب کھڑی رضیہ سے کہا۔

”مہمان تو شاید دیر سے آئے تم لوگ تو کھانا کھاؤ ابھی تو کبھی دے دو۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔“

اس نے سعادت مندی سے کہا اور پھر کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ راحیلہ وہاں سے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی اُسے جنید کے نہ آنے

کا بہت دکھ ہو رہا تھا۔۔۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہا میں آ گیا۔ اس وقت ڈرائنگ روم میں کوئی نہیں تھا۔ رضیہ اسی انتظار میں تھی وہ کھانا گانے کے لیے بڑھ گئی۔

راحیلہ نے ڈائیننگ ٹیبل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”آئیے ہا میں۔۔۔“

”اے کہتے ہیں قسمت کھانا کسی کے لیے بنا اور کھانے میں آ گیا۔ ویسے کیا بناؤ ہے؟“ اس نے خوشگوار انداز میں کہا۔

”جو کچھ بنا ہے! اے قسمت کا کھانا کچھ کرین کھا لیں۔“ راحیلہ نے ایک طرف پینتے ہوئے کہا۔

"وہیے راحیلہ! یقین جانو نہیں خود تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔ جنید کے فون آنے سے پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ تمہیں فون کر کے کوئی وقت ملے کہ
وں۔ یہ تو اللہ نے میری من لی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا کوئی خاص بات تھی۔۔۔؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ وہی میرے رشتے دار ہسپتال میں! اسی بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"ہاں۔۔۔" اسے جیسے یاد آیا پھر دلچسپی سے بولی۔ "وہی بات کیا ہے؟ آپ کے اور ان کے درمیان کوئی گڑبڑ ہے؟"

"کوئی تھوڑی بہت۔۔۔" ہالوں نے کہا پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "اگرچہ یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن انجمنی اختصار سے تمہیں

سنانا پڑے گی۔"

پھر اس نے انجمنی اختصار سے پوری بات بیان کرنا شروع کر دی۔ اس دوران وہ کھانا بھی کھاتے رہے۔ راحیلہ اس کی بات بخاری توجہ
سے سنتی رہی یہاں تک کہ کھانے کے ساتھ اس کی بات بھی مکمل ہو گئی تو اس نے تیرہ نکالتے ہوئے کہا۔

"تو آپ صنف سے عشق کرتے ہیں اور وہ ہے کہ آپ کو اس لائق ہی نہیں سمجھتی اس کی وجہ صرف اور صرف آپ کی غربت ہے۔"

"ہاں۔۔۔" ہالوں نے اعتراف کیا۔

"چائے چیکس کے آپ۔۔۔؟" راحیلہ نے چانک پوچھا۔

"اتنی اچھی بات چل رہی ہے اور تم چائے۔۔۔؟" ہالوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اصل میں کام کی بات اب ہو گئی نا! منہ چاہتی ہوں کہ سکون سے وہ بات سنوں۔ آپ ادھر صوفے پر آئیں منہ چائے کا کبہہ کرائی

ہوں۔"

اس نے کہا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ ہالوں بھی اٹھ کر صوفے کی جانب چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد راحیلہ اس کے پاس دوسرے صوفے پر بیٹھ

گئی۔

"ہوں تو مشت ہے۔"

"نہیں۔۔۔ مجھے اس سے مشت تھا، کشش تھی اس میں لیکن اب نہیں ہے۔ اب تو میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں جیسے بھی ممکن ہو۔"

یہ کہہ کر وہ یوں ہو گیا جیسے ہانسی کے کسی کرب ناک لمحے میں کھو گیا ہو پھر اس کیفیت سے چونک کر نکلنے ہوئے بولا۔ "منہ پوچھنا یہ چاہ رہا ہوں کہ
اسے کیا ہو گیا ہے جو وہ ہسپتال میں ہے؟"

"اسے کوئی گہرا صدمہ آیا ہے جس کی وجہ سے اس کا مزہ بیک ڈاؤن ہو گیا ہے لیکن اب اس کی حالت بہتر ہے۔ اسے اس وقت شدید
جذباتی تعلق کی ضرورت ہے اور مجھے حیرت ہے کہ اس کی ماں بھی اسے کوئی حوصلہ نہیں دے پا رہی ہے۔" راحیلہ نے کچھ میں نہ آنے والے انداز میں

کہا۔

اس وقت سورج طلوع ہونے کو تھا جب جنید نے تیمور کا فون آن کیا اس کے ساتھ اس میں آنے والے ایس ایم ایس کی بھرمار ہو گئی۔ اس نے ایک ایک کر کے پڑھے۔ وہ سبھی مختلف نمبر سے تھے ایک نمبر زیادہ تھا جو اس کی جانب سے کال کرنے کے لیے تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر تیمور کی طرف چلا گیا۔ ایک ہی رات میں اس کی حالت خستہ ہو گئی تھی شاید وہ رویا بھی تھا یا پھر ساری رات اسے تین نہیں آئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جنید اس کے قریب جا کر کرسی پر بیٹھ گیا وہ اتنی دیر میں بیڈ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

”کیوں اچانک من ارات کیسے گزری۔۔۔ گستاخے آرام نہیں کیا تم نے۔۔۔؟“ جنید نے مسکراتے ہوئے سرد سے لہجے میں کہا مگر تیمور اس کی طرف دیکھتا رہ گیا بولا کچھ بھی نہیں تو جنید نے کہا۔ ”دیکھو ایک معمولی سے تپن کے علاوہ منی نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔ وہ بھی تم نے اپنی غلطی کی وجہ سے کھایا۔ تم نے مجھے اور کیلکولٹ کر لیا تھا۔ میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ میرا مطالبہ تھا باپ بنا کسی جنگ جنگ کے پورا کر دیتا ہے تو منی تمہیں زندہ سلامت تمہارے گھر تک پہنچا دوں گا ورنہ پھر ظاہر ہے منی تمہیں اوپر پہنچانے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں؟“

”دیکھو مجھے ڈرانا بند کرو اور میری بات پاپا سے کراؤ۔“

تیمور نے اپنے غصے کو باپتے ہوئی کہا تو جنید اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”جب ملی گھرے میں آتی ہے تو وہ نہ صرف غرابی ہے بلکہ بیچارے کی کوشش بھی کرتی ہے۔“

اس نے یوں کہا جیسے اسے تیمور پر بہت ترس آ رہا ہو۔ پھر فون کے نمبر پٹل کر دیئے اور ہیکر آن کر دیا فوراً ہی فون رہا سیدھا کر لیا گیا۔

”تیمور مینے! تم ٹھیک تو ہو؟“ دوسری جانب سے انتہائی تشویش کے ساتھ پوچھا گیا۔

”منی ٹھیک ہوں پاپا۔“ اس نے دیر سے کہا۔

”تم پر کوئی قلم۔۔۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ منی ٹھیک ہوں۔“

”منی نے رقم کا بندہ دست کر لیا ہے۔ تم میری اس سے بات کراؤ۔“

”ہاں بولو۔۔۔“ جنید نے کہا۔

”منی نے۔۔۔ منی نے رقم پھدی کر دی ہے بتاؤ کہ اس پہنچانی ہے؟“

”تم یوں کرو، اکیلے اپنی گاڑی میں شہر کے جنوب کی طرف آؤ۔ منی بتاتا ہوں رقم کہاں ملی جائے گی۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔“ دوسری طرف سے کہا گیا تو اس نے فون بند کر دیا پھر اپنا فون نکالتے ہوئے بیلا۔ ”اب تمہاری زندگی کا فیصلہ تمہارے باپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس کی نیت میں ذرا سا بھی کھوت دکھائی دیا تو سمجھو اس نے تمہیں مارنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔“

”منی تمہیں رقم مل جائے گی لیکن منی یہ بتا دوں تمہیں یہ رقم ہمیں نہیں ہوگی۔“ تیمور نے کہا۔

”تم جو بھی ہو منی سن لوں گا۔ آخر قربانی کے بکرے کو بولنے کا حق تو ہونا چاہئے۔۔۔؟“ یہ کہہ کر اس نے اپنا فون کان سے لگا لیا۔ ذرا

کی دیر میں رابطہ ہو گیا تو وہ بولا: "ہاں وہ کہہ رہا ہے کہ تھلے لے کر گھر سے نکل آئے تو ہے۔ ذرا دیر میں وہ دو واقعہ اکیلا ہے یا کوئی لاؤ لنگر بھی اُس کے ساتھ ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ کسی کے ساتھ جا کر ملے 'فون پر بھی ہمارے لیے مہمان نوازی کا بندوبست ہو سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ دوسری جانب سے سنتا رہا مگر فون بند کر دیا۔ جنید چند لمحوں کو گھورتا رہا اور پھر پوچھا کہ ناشتہ کرو گے؟

"نہیں۔۔۔" تیمور نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کرنا پارا پھر کہو گے ہم نے کوئی مہمانداری ہی نہیں کی اور اگر تمہیں مرنا پڑتا ہے تو کم از کم یہو کے تو ضرور۔۔۔"

"تم جو کوئی بھی بنو جاوے مجھے مار دو لیکن تم کینا سمجھتے ہو کہ تم یوں چھپ جاؤ گے؟"

"نہیں، میری جان! میں چھپ نہیں جاؤں گا بلکہ تمہاری بہت قریب رہوں گا اتنا قریب کہ تم سانس بھی لو تو مجھے سنائی دے اور تم کینا سمجھتے ہو کہ میں نے یونہی راہ چلنے تمہیں پکڑ لیا ہے؟"۔۔۔ نہیں، میری جان! میں نے تم پر رحمت کی ہے۔" جنید نے اس کی جانب دیکھ کر جمیدگی سے کہا۔

"مجھ پر رحمت۔۔۔؟" تیمور حیرت سے بولا۔

"ہاں تم پر۔۔۔ تم نے جو یہاں آتے ہی لڑکیوں کو گھیرنے کا مشغلہ اپنالیا تھا، اسی نے مجھے تمہاری چھپ متوجہ کیا ہے۔ میرا ملک اور میرا یہ شہر برطانیہ کا رینڈل نہیں ہے۔ ممکن ہے کچھ تمہارے جاٹل میں پھنس چکی ہوں اور بعض کو تم شکار بھی کر چکے ہو لیکن میں تمہیں سبق بھی سکھانا چاہتا ہوں۔ یہاں رہنا ہے تو بندے کے بیچے بویا پھر واپس رینڈل لوٹ جاؤ ورنہ۔۔۔" جنید کے لہجے میں اظہارِ غم و کراہتی تھی۔

"تم مجھے اس قدر قریب سے جانتے ہو؟" وہ حیرت سے بولا۔

"میں نے کہا، میں تمہارے اس قدر قریب ہو چکا ہوں کہ تمہاری سانس تک گن لوں۔ اگر تم زندہ بچ کر چلے بھی گئے اور دوبارہ اپنی معروفیات کو اپنانے کی کوشش کی تو میں بلا تامل تمہیں مار دوں گا۔" اس نے غراتے ہوئے کہا۔

"میں واپس چلا جاؤں گا مجھے یہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"اس کا فیصلہ تو آج تمہارا باپ کرے گا کہ تم کچھ کرنا سکتے ہو یا نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہارے باپ نے یہ تک نہیں پوچھا کہ تمہیں کس نے کب اور کیسے اغوا کیا ہے؟" جنید نے لاپرواہی کے ساتھ انداز میں کہا۔

"ہمارے سوڈن میں۔۔۔ انہوں نے بس اس پر توجہ دی ہوگی کہ مجھے اغوا کر لیا گیا ہے اور۔۔۔" وہ یہ کہتے ہوئے خود بھی ہنسا ہنسا ہنسا۔

"نیکیا بات مجھے سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ تمہارے آپ کے ساتھ لاؤ لنگر ضرور ہوگا اسی لیے میں پوری تیاری کے ساتھ جاؤں گا۔" جنید نے یوں کہا جیسے وہ ان کی منافقت پر غصے میں آ گیا ہو۔

"پلیز مجھے فون دو۔ میں پاپا سے بات کرتا ہوں۔"

"نہیں۔ ابھی نہیں، ہن ان میری ذمہ داری زیادہ مستتر ہے، چاہے لڑکا کھیل تو ابھی شروع ہوگا۔"

جنید نے سرو لہجے میں کہا اور پھر کسی بندے کو آواز دی۔ چند لمحوں بعد وہ آ گیا تو اُس نے ناشتہ کرنے کو کہا۔ تب ان دونوں میں خاموشی اور

آئی۔ ابھی دو بندہ ناشتہ لے کر نہیں پلانا تھا کہ جنید کا فون بج اٹھا اس نے پتھر آن کر دیا۔

”ہاں بولو۔۔۔؟“ جنید بولا۔

”دو گھر سے تو اکیلا ہی نکلا ہے لیکن بڑی شاہراہ پر آتے ہی اس کے ساتھ دو کاریں مسلسل سڑ کر رہی ہیں، خطرہ ہے۔“ دوسری جانب سے انتہائی تشویش کے ساتھ کہا گیا۔

”اس پر نگاہ رکھو۔ ذرا سی بھی کوئی بات محسوس کر دو تو مجھے بتانا۔۔۔“

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ پھر فون ایک جانب رکھتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھا اور لگا بولیں میں سی اسے کہا کہ کون بتاؤ؟

”فون مجھے دو سٹین بات کرتا ہوں۔۔۔“

”جنید نے فون اس کی جانب بڑھا دیا۔ تیمور نے جلدی سے نمبر پٹیش کیے فوراً ہی راپبل ہو گیا۔

”تیمور۔۔۔ تم تیمور ہی بات کر رہے ہو؟“

”پاپا اکیلا آپ کو میری زندگی نہیں چاہئے؟“

”یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟“

”وہ لوگ بہت تیز اور چالاک ہیں، دو آپ کی ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کے ساتھ دو کاریں کیا کر رہی ہیں؟ یہ بات انہیں معلوم ہو گئی ہے۔“

”نہ نہیں۔ اسکی تو کوئی بات نہیں ہے، انہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔“

جمی جنید نے فون چڑ لیا اور فرماتے ہوئے بولا۔

”غلط فہمی نہیں ہوتی ہے بڑھے! تم کیا کہتے ہو کہ ہمیں پراس لوگ؟۔۔۔ اس وقت تم ہمارے جال میں ہو تمہارا بیٹا تو جائے گا ہی تم بھی خود کو گئے سمجھو۔“

”ہمیں تم کچھ نہیں کرو گے۔“

”ہاں سننا اپنے وعدے کا پاس کروں گا۔۔۔ صرف ایک گھنٹہ ہے تمہارے پاس انہی میں تم نے اپنے بیٹے کی زندگی کا فیصلہ کرنا ہے۔“

”سٹین مجبور ہو گیا ہوں۔۔۔ پلیز تم کچھ مت کرنا سٹین کوئی راستہ نکالو ہوں۔“

”صرف ایک گھنٹہ ہے تمہارے پاس۔۔۔“ جنید نے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔

”سٹین نے تمہارے بارے میں غلط اندازہ لگا یا تھا اور میرے پاس نے بھی۔“

تیمور نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے انتہائی حسرت کے ساتھ جنید کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش تھا۔۔۔ جنید اس وقت ناشتہ کر چکا تھا جب وہ بارہ فون آیا۔ تیمور نے ایک لقمہ بھی نہیں لیا تھا وہ بس اس کی جانب دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ جنید نے فون کان سے لگا دیا اور

عشق تارا ہے عشق بتا

پوچھا۔

"ہاں بھلا۔۔۔؟"

"وہ سب ایک سڑک کنارے بنے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے کچھ قاصطے پرہوں۔ ان میں تیز تیز باتیں چل رہی ہیں۔ گنگا بڑے اُدھ کی نپیلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ دوبارہ رابطہ کرنا۔"

یہ کہہ کر جنید نے فون بند کر دیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا وہ اب خود میدان میں آ جانا چاہتا تھا۔

☆ ☆

راجیلا ایمر جنسی وارڈ سے اس طرف جاری تھی جہاں پرائیویٹ کمرے میں صفیہ تھی۔ اس کے ذہن میں یہ قطعاً نہیں تھا کہ وہ اس سے کس طرح بات کرے گی لیکن اسے یقین تھا کہ وہ ہمایوں کا ذکر ضرور پھینچے گی اور صفیہ کا تاثر لینے کی کوشش کرے گی۔ یہی تاثر سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس قدر ٹوٹ جانے کے باوجود بھی اس سے نفرت کرتی ہے یا پھر اب بھی اس کے دماغ میں دولت کا شمار باقی ہے؟

وہ ہر جانب سے بے نیاز لگی سمجھتی ہوئی اس طرف مٹی جاری تھی۔ رات جب ہمایوں نے اسے صفیہ سے تعلق میں شدت اور خاندانی پس منظر کا احوال سنایا تھا تو اسے صفیہ کا رویہ عجیب معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس کے خیال میں ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے اُسے محبت یا کسی بھی جذبے کے تحت مجبور نہ کیا جائے۔ اصل میں جب انسان کی روایت یا اصول کی خلاف ورزی کرتا ہے تب یا تو وہ اصول یا روایت اس قدر کمزور ہوتی ہیں کہ ان کی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی یا پھر ان کی حیثیت اس قدر تھیل ہو جاتی ہے۔ وہ روایت یا اصول جو کبھی انسان نے اپنے مفاد میں بنائے ہوتے ہیں اس کے گلے کا پھندہ بن جاتے ہیں۔ پھر وقت اور ماحول بھی ان اصولوں اور روایات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جس طرح انسان کے بنائے ہوئے قانون ایک خاص وقت کے بعد غیر موثر ہو جاتے ہیں اور ان کی تجدید کی ضرورت محسوس ہوتی ہے بالکل اسی طرح کا معاملہ سماجی اصولوں اور روایات کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مذہبی معاملات کو بھی وقت کے تقاضوں کے مطابق پرکھنے کی کوشش کی جانی ہے البتہ جن کی اپنی مستقل حیثیت ہوتی ہے وہ تھیل نہیں ہو سکتے۔ دراصل انسانی معاشرہ میں ایسا پسندیدہ ضرور آ جاتی ہے جن میں یا تو وہ ظلم کی جانب مائل نکلنے ہیں یا پھر اس روایت اصول اور قانون کی تجدید ہو جاتی ہے۔ جب بھی معاشرے میں ظلم بڑھتا ہے تو اس کے جواب میں بغاوت ضرور پیدا ہوتی ہے بلکہ یوں کہہ دینا زیادہ مناسب ہے کہ ظلم کا رد عمل بغاوت ہے اور جو باقی ہوتا ہے اس کے نزدیک قانون روایت اور اصول کی کوئی اہمیت اس لیے نہیں ہوتی کہ انہی کی بدولت وہ اپنا رد عمل ظاہر کر رہا ہوتا ہے۔ راجیلا یہ سمجھتی تھی کہ صفیہ اپنی خواہشات میں ڈوبی ہوئی ہے وہ اپنی من پسند زندگی چاہتی ہے۔ قصور اس کا نہیں کہ اس نے ایسا کیوں چاہا بلکہ غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو اسے اس طرح کا بنا گئے ہیں۔ کوئی بھی انسان اس طرح کی زندگی کی خواہش نہیں کر سکتا جس کے بارے میں اسے معلوم نہ ہو۔ کسی خیال یا تصور کے بغیر عمل کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہی بات ہے اور پھر کسی بھی انسان کو کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ فحاشی کو چھوڑ کر فحاشی سے محبت کرے؟ یہ بھی تو ناممکن باتوں میں سے

عشق کا ہے عشق بتا

ایک بات ہے۔ اس نے سب سے پہلے اپنی ذات ہی کا تجربہ کیا تھا۔ وہ جنید کو شدت سے چاہتی تھی اس کے لیے اس نے ایک خطرناک زعمی کا چناؤ بھی کر لیا تھا۔ اس نے اپنی ذات ہی کو ٹکس بلکسا اپنی ماں کو بھی اس میں جو ٹک دیا تھا یہاں تک کہ اسے جنید کے ساتھ مر جانا بھی قبول تھا۔ ایسے میں کوئی اسے یہ کہے کہ تم جنید کا خیال چھوڑ کر کسی دوسرے سے اپنی ہی شدت سے محبت کرو تو ایسا ممکن نہیں تھا۔ یہ تو ان معاملات میں سے ایک معاملہ ہے جن پر انسان کو اپنا اختیار بھی نہیں ہوتا۔ سبکی سوچتی ہوئی وہ اس کرے کے سامنے جا پہنچی جس میں صفیہ تھی۔ وہ بلا جھجک اندر چلی گئی اس نے جیل پر صفیہ لٹھی ہوئی تھی اور اس کے پاس زینون بی بی تھی۔ سلام و دعا کے بعد وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

”اب کیسی طبیعت ہے؟“ راحیلہ نے دھیرے سے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔۔۔“ اس نے اہمائی اختصار سے جواب دیا۔

”میرے خیال میں اب دو ایمان! کا اثر نہ دکھایا نہیں گی جتنا تم خود اپنے آپ کو تندرست کر سکتی ہو۔“

راحیلہ نے دھیرے سے کہا تو صفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ذرا سی خاموشی کے بعد زینون بی بی نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک کہتی ہو یعنی جب بندہ اپنی خواہشوں میں جنون کی حد تک جا پہنچتا ہے تو ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ کسی دوسرے کو کیا خبر کہ صدمہ کس

قدر ہوتا ہے یہ تو ہی جانتا ہے جس پر گزری ہو۔ ایسے میں دوبارہ سے ہونے میں وقت لگتا ہے اور خود ہی حوصلہ کرنا پڑتا ہے۔“

”وہی ہے تو یہ آپ کا ذاتی معاملہ لیکن میں ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں؟“ راحیلہ نے زینون بی بی کی طرف دیکھتے ہوئی کہا۔

”کل میرے ساتھ جو ایک وکیل صاحب تھے وہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئے تھے اور میں انکس پارکنگ تک چھوڑنے گئی تھی وہ آپ کو

دیکھتے ہی اچانک گڑبوا گئے تھے پھر تیزی سے چلے گئے۔۔۔ ایسا کیوں ہوا تھا؟“ راحیلہ نے بڑی مشکل سے اپنی بات کہی تھی۔

”اس لیے بیٹی کہ وہ میرا بھتیجا تھا۔ ہمارے خاندان میں کچھ اختلافات ہیں بس اس وجہ سے۔۔۔ اب میں یہ تو نہیں بتا سکتی ہوں کہ اس

کے ذہن میں کیا تھا؟“ زینون بی بی نے دھیرے سے کہا۔

”وہ آیا ہوگا تماشہ دیکھنے۔۔۔ وہ تو خوشیاں منا رہا ہوگا بلکہ اس کے سارے خاندان والے۔۔۔“

صفیہ نے اہمائی نظرت سے کہا تو راحیلہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

”یہ تمہاری بدگمانی ہے صفیہ! وہ کوئی نقل کا معاملہ تھا جس پر اس نے معلومات لی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی والدہ کو دیکھنے سے پہلے

تک اسے معلوم بھی نہیں ہوگا کہ یہاں کون ہے جس کے لیے یہ یہاں پر ہیں۔“ اس نے زینون بی بی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بس بیٹی بدگمانی نے ایک خاندان کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔“ زینون بی بی نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”ہماری ان سے کیا بدگمانی ہو سکتی ہے ہمارا ان کا مقابلہ ہی کیا؟“ صفیہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

”ممکن ہے نوکل امیر ہو جائے تو۔۔۔؟“ زینون بی بی نے کہا۔

”وہ سات ہنم میں بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔“ صفیہ نے نظرت سے کہا۔

"صنید! انسان کو جنم ایک بار ہی ملتا ہے اور وہ ان میں بہت کچھ کر سکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کی مالی پوزیشن پہلے کیا ہوگی لیکن اس وقت وہ شہر کی ایک بڑی صنعتی کمپنی میں قانونی مشیر ہیں، شہر کے بہترین علاقے میں بڑے سے گھر میں رہتے ہیں اور وہ اپنی گاڑی میں یہاں تک آئے تھے۔ یہ ساری معلومات مجھے ڈاکٹر صاحب نے دی تھیں۔"

"کیا۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" صنید نے حیرت سے پوچھا۔

"یعنی جو تم نے سنا ہے۔۔۔ عام حالات میں شاید ڈاکٹر صاحب انہیں ملنے کی بھی اجازت نہ دیتے لیکن کوئی بات ضرورت ہے جس کے باعث نہ صرف وہ ملے ہیں بلکہ معلومات بھی دیں۔ یہاں تک کہ پر دو ٹوک دل دینے کے لئے مجھے بھی کہا کہ میں اسے دروازے تک چھوڑ آؤں۔ میں نے بھی ڈاکٹر صاحب سے ان کے اس معمول سے ہٹ کر رویے کے بارے میں پوچھا تھا، تب مجھے اس دیکل کی اہمیت کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔" راحیلہ نے بات بتاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ اہم لوگوں میں شمار ہونے کی کوشش کر رہا ہے؟" صنید نے قدرے مضرب انداز میں کہا۔

"میرے خیال میں شمار ہے ورنہ۔۔۔"

راحیلہ نے جان بوجھ کر فقیر اور احمد چھوڑ دیا تو صنید کو چپ لگ گئی۔ ذہن کچھ بھی نہ تھی تو زنتون بی بی نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے بیٹی! کہ میرے شوہر نے خوب محنت کی۔ وہ اعلیٰ عہدے پر ہیں، ساتھ میں ایک کاروبار بھی چل رہا ہے جسے میرا بیٹا دیکھتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں وہ دولت کمانے کے معاملے میں بہت پیچھے رہ گئے۔ بس یہی اصل میں دوری کی وجہ ہے۔"

"صنید کے بات کرنے سے تو یہی لگتا ہے کہ یہ دوری جیسے نفرت میں تبدیل ہو گئی ہے۔" راحیلہ نے جان بوجھ کر ذرا سی تلخ بات کہی۔

"دو انگ انگ معیار زندگی میں رہنے والے لوگ کیجئے کیسے ہو سکتے ہیں؟" صنید نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"۔۔۔ ہو سکتے ہیں اگر دل میں وسعت ہو۔ اب یہی دیکھو کہ وہ لوگ اگر آپ کے معیار زندگی میں آجائیں تو پھر نفس کا سلسلہ تو چل سکتا ہے پھر نفرت کہاں جائے گی؟ اس نے جواب دیتے ہوئے سوال کر دیا۔ جس پر صنید خاموش رہی۔ راحیلہ کا بھی یہی مقصد تھا کہ وہ بھلے جواب نہ دے لیکن اس بات پر سوچے گی ضرور۔۔۔ ماحول میں تاؤ سا آ گیا تھا اس لیے راحیلہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔" اب میں چلتی ہوں۔۔۔"

"ٹھیک ہے بیٹی!"

زنتون بی بی نے کہا تو صنید اس کی طرف دیکھتی رہی۔ راحیلہ نے اس کی جانب دیکھنا ہی گوارا نہیں کیا اور وہاں سے آگئی۔ راحیلہ وہ بیخام پہنچا چکی تھی جو ہائیوں کے ذہن میں تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ صنید اپنے طور پر رہائیوں کے بارے میں ضرور معلومات لے گی۔

☆☆

حیدر اہی کرے میں موجود تھا جہاں تیمور کو رکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی حیدر تھے جو کسی بھی وقت کسی بھی حکم کے لیے تیار تھے۔ کمرے کے ماحول میں تاؤ تھا، گہری خاموشی میں سب کی نگاہ گھڑی پر تھی۔ حیدر کا دیا ہوا وقت ختم ہونے کو تھا۔ تیمور کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔

اس کا رنگ زرد تھا اور جسم یوں لڑھیلا تھا کہ جیسے ابھی بے جان ہو جائے گا۔

"پلیز مجھے ایک ہار فون کر لینے دو۔ میں ساری بات سنچالی لیتا ہوں۔" تیمور نے مرلی ہی آواز میں گزرتے ہوئے کہا۔

"باتا وقت گزر جانے کے باوجود ابھی تمہارے ہاپ نے پولیس والوں سے اپنی جان نہیں چھڑائی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ انہیں تمہاری

زندگی سے کوئی غرض نہیں وہ صرف اپنا پیسہ بچاؤ چاہتے ہیں۔۔۔ جب انہیں روکا گیا تھا کہ پولیس والوں کو بتائیں تو اب اس کی سزا تو ملنی چاہئے؟" جمیل نے یوں کہا جیسے وہ بمشکل اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مجھے فقط آخری بار بات کر لینے دو پھر چاہے مجھے گولی مار دیتا۔"

تیمور نے انتہائی مایوسی سے کہا جس پر جمیل اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"چلو ٹھیک ہے کہو بات۔"

یہ کہہ کر اس نے فون سے نمبر پیش کیے اور دوسری طرف رابطہ ہو جانے کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری تہل پر فون اٹھایا گیا۔

"پاپا! آپ نے ابھی تک رقم کا بندوبست نہیں کیا؟"

"میں کر کے بیٹھا ہوں لیکن۔۔۔" وہ روپوشا نما انداز میں بولا۔

"اب شاید آپ کی یہ رقم بھی کام نہ آئے۔ یہ لوگ کسی طرح بھی پولیس کی لٹکا ہوں میں آنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے میری زندگی خود

داؤ پر لگا لی ہے۔ اب ان کے پاس سوائے میرے قتل کے اور کوئی آپشن ہی نہیں ہے۔ میرے قاتل آپ ہیں۔" تیمور نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

"بیٹا وہ اس بات کی کیسے گارنٹی دیتے ہیں؟"

"تمہیں گارنٹی چاہئے۔۔۔" جمیل نے پھٹکارتے ہوئے کہا۔ "تو سنو کوئی گارنٹی نہیں ہے لیکن اب تمہارا بیٹا قتل ہو گا ہی تم بھی نہیں بچ

پاؤ گے یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔۔۔ اب جاؤ آرام سے گھر چلے جاؤ اور اس وقت کا انتظار کرو جب تمہارے بیٹے کی لاش تمہارے سامنے آئے گی۔"

"سوری پاپا! میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ آپ ہی میرے قاتل ہیں۔"

تیمور نے مری ہوئی آواز میں کہا تو جمیل نے فون بند کر دیا اور تیمور کی جانب دیکھا جو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

"دولت بھی کیا چیز ہے بیٹا! اپنی نسل کو بھی قربان کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ خیر تم حوصلہ کرو۔"

"مجھے چھوڑ دو میں تمہارے ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔"

تیمور نے کہا تو جمیل ہنس دیا اور کوئی بات کہنے بغیر ہاتھ آگیا۔ ہاتھ آتے ہی اس نے فون پر نمبر ملائے اور دوسری طرف رابطہ ہونے کا

انتظار کرنے لگا۔

"ہاں اب کہاں ہیں وہ۔۔۔؟"

وہ اسی شاہراہ پر ہیں۔۔۔ سادہ کپڑوں میں بہت ساری پولیس ہے۔ وہ مشتکار گاڑی میں ہے اور اکیللا ہے۔"

"تم لوگ اسے نظر انداز کر کے واپس چلے جاؤ۔ میں دو بارہو رابطہ کرتا ہوں۔"

جنید نے کہا اور فون بند کر دیا پھر اندر تیمور کے پاس چلا گیا جو اس کی طرف دیکھتے ہی زرد ہو گیا تھا۔ جب جنید نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو نکلو۔۔۔ اسے بھی لے لو وقت ختم ہو گیا ہے۔"

"خدا کے لیے۔۔۔ خدا کے لیے مجھے صاف کر دو۔"

تیمور اُدھنی آواز میں گڑ گڑانے لگا۔ جنید نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں اور باہر آ گیا۔۔۔

اس وقت شام کے سائے پھیل چکے تھے جب وہ اس حویلی سے نکلے تیمور ایک وہن میں تھا جبکہ جنید ایک گاڑی میں۔ ان کے پیچھے ایک اور گاڑی میں چند لوگ تھے۔ یوں یہ قافلہ بڑی سڑک کی جانب چل پڑا۔ وہ اس شہر سے نکل جانا چاہتا تھا۔۔۔ رات گئے وہ دوسرے شہر میں پہنچے تھے جہاں انہیں محفوظ مکان مل گیا تھا۔ ابھی انہیں سکون سے بیٹھے ہوئے تھوڑا وقت گزرا تھا کہ جنید کا فون بج اٹھا یہ کال وہیں سے تھی جہاں سے وہ آئے تھے۔

"اس پورے علاقے میں پولیس پھیلی ہوئی ہے۔ اچھا ہوا آپ یہاں سے نکلے گئے ہیں۔"

"مجھے یقین تھا کہ وہ تیمور کے فون سے مدد لے کر یہاں پہنچیں گے۔۔۔ خیر کولی بات نہیں۔ تم لوگوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں مگر وہ پاس کولی بھی نشان باقی نہ رہے۔ وہاں آ بھی تو درسا بھی شک نہ ہو۔"

جنید نے کہا اور دھیرے سے مسکرایا اس کا شک یقین میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس نے تیمور کے فون کی طرف دیکھا اسے کھول کر سم نکالی اور دوبارہ بند کر دیا۔ پھر ذرا سی دیر بعد وہ اس شہر سے نکل کر واپس لوٹ آیا۔ صبح ہو رہی تھی جب وہ واپس اپنے اس ٹھکانے پر پہنچا جہاں وہ ان دنوں مستقل رہ رہا تھا۔ تیمور کا فون اس نے راستے میں آنے والی ٹیڑھی میں پھینک دیا تھا۔ پھر پورے شہر کے حدود اٹھا اس نے سلطان سے تاشقانتانے کو کہا اور پھر تیار ہو کر تاشقانتانے گیا۔ جب وہ اپنی گاڑی میں باہر نکلا تو دن کا پہلا پھر شہر ہو جانے کو تھا۔ وہ اسی شاہراہ پر چلا گیا جہاں پر گزشتہ دن تیمور کا باپ پھرتا رہا تھا۔ اس نے وہاں جا کر اپنے فون میں تیمور کی ہم ڈالی اور اس کے باپ کو فون کیا۔

"کیا تمہیں اپنے بیٹے کی لاش مل گئی ہے؟"

"کیا۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔؟" دوسری طرف سے ہذیبانی انداز میں کہا گیا۔

"وہی جو تم نے سنا ہے۔۔۔ بہت افسوس ہے مجھے پتہ چلا ہے آخری وقت میں اپنے باپ ہی کو قاتل ٹھہراتا رہا۔"

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم۔۔۔؟"

"حکومت۔۔۔ اب ہمیں تلاش کرنے کی بجائے اپنے بیٹے کی تلاش کرو۔ کل شام تمہاری بھیلیاں ہوئی پولیس کے درمیان سے تمہارے بیٹے کو لے جا کر قتل کر دیا ہے۔"

"بہت بُرا ہوا۔"

یہ کہتے ہوئے دو روئے لگا۔ جنید چند لمبے مختار ہا اور پھر فون بند کر کے ہم نکال کر اپنا فون آن کر لیا۔ وہاں سے وہ سیدھا ہاتھوں کے پاس چلا گیا جو ابھی تک اپنے دفتر میں موجود تھا۔

"بہت مصروف ہو گئے ہو آپ؟" ہمایوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں نہیں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر تھا۔ رات ہی آیا ہوں۔۔۔ سناؤ کیسا چل رہا ہے؟"

جنید نے پوچھا۔ مہران کے درمیان گپ شپ چل پڑی۔ دوپہر کے بعد تک وہ وہیں رہا۔ یہیں پر اُسے فون کال کے ذریعے حالات سے آگاہ کیا جاتا رہا تھا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ جنید بہت بے چین دکھائی دے رہا تھا اُسے جس فون کال کا ہنگامہ تھا وہ ابھی تک موصول نہیں ہوئی تھی۔ مگر وہ اسی بے چینی میں ہاتھوں کو لے کر باہر نکلا اور ایک پارک کی کھلی فضا میں چلا گیا اس وقت وہ دونوں پارک میں چھیل کودی کرتے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ ہمایوں کو فون ملا۔ وہ اس کے بڑے بھائی کا تھا فون سن کر اس نے جنید سے کہا۔

"چاچا صنعتی کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔"

"کیوں؟" اُس نے ذہیرے سے پوچھا۔

"ٹھیک طرح سے معلوم نہیں ہو سکا۔" وہ تشویش سے بولا۔

"انہیں کیسے پتہ چلا؟" جنید نے پوچھا۔

"ذبحان بی بی جو میری چاچھی ہیں انہوں نے گھر فون کر کے مجھ سے بات کرنا چاہی تھی۔" وہ بولا۔

"تو؟" اُس نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"موقعہ تو بہت اچھا ہے لیکن نہیں کھیل جاؤں گا جب تک کہ مجھے صافہ خود نہیں کہتی۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"جاؤ معلوم تو کرو۔۔۔ احسان بعد میں کر لیں۔"

جنید نے کہا تو وہ چونک گیا پھر تیزی سے بولا۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔"

"تو جاؤ۔۔۔ مجھے فون پر ہی تفصیل سے بتاؤ گا وقت ضائع مت کرو۔"

جنید نے کہا اور پھر دونوں ہی تیزی کے ساتھ پارک سے لڑتے چلے گئے۔ جنید نے وہ کام کر دیا تھا جس کے لیے ہمایوں نے ایک لمبے عرصے کی پلاننگ کی ہوئی تھی۔ تب ہی اُس نے تیور کے ہاپ کو دوبارہ فون کیا۔

"ابھی تک تمہیں اپنے بیٹے کی لاش نہیں ملی۔۔۔؟"

"خدا کے لیے بتاؤ۔ کہاں ہے وہ۔۔۔؟"

"پتہ نہیں۔۔۔ میں نے تو سڑک کنارے پھنکوا دیا تھا۔ ممکن ہے جانور کھا گئے ہوں۔۔۔ ویسے انہوں نے تمہیں بڑے مستحضرانہ

نامور کہ تمہاری کٹیجی ایوانوں تک ہے اور اپنے بیٹے کی لاش تک تلاش کر پائے ہو؟"

"خدا کے لیے میری غلطی کی اتنی بڑی سزا مت دو۔۔۔" اُس نے روتے ہوئے کہا۔

"اب بھگتو۔۔۔ میں دیکھتا ہوں تمہارے دو کروڑ کس حد تک کام آتے ہیں؟"

"مجھ سے لے لو پلیز میرا بیٹا مجھے واپس کر دو۔۔۔" وہ ہڈیانی انداز میں چیخ اٹھا۔

"جو مر جاتے ہیں اور دوبارہ زندہ نہیں ہوتے۔۔۔"

یہ کہتے کہ اُس نے فون بند کر دیا پھر وہی محل دہرا کر ہم جیب میں ڈال لی۔۔۔

چند اچھے گھرے میں پڑا ہوا میگزین دیکھ رہا تھا لیکن اُس کا سارا دھیان باہر کی سمت تھا، تھوڑی دیر پہلے اُس نے تیمور کا حال پوچھا تھا۔

اُسے اب نقطہ ہمایوں کے فون کا انتظار تھا جسے ضرورت سے زیادہ وقت ہو گیا تھا۔

ہلا ہلا

ہمایوں متعلقہ قحانے میں پہنچا تو سامنے ہی اُس کا چچا اصغر علی بیٹھا ہوا تھا اس کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے اور درمیان والی کرسی پر انسپکٹر

بیٹھا ہوا تھا۔

"آئیے۔۔۔" انسپکٹر نے ڈراما اُٹھتے ہوئے ایک کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ ہمایوں جب بیٹھ چکا تھا تو انسپکٹر بولا۔

"آپ کو اس معاملے میں کیا دلچسپی ہو گئی ہے؟"

اس کے یوں پوچھنے پر لمبے کے ہزاروں حصے میں اُسے وہ رات یاد آئی جب اس طرح ہی کے ایک قحانے میں اُس پر تشدد کیا گیا تھا اور

اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُس نے انسپکٹر کو ظلم کرنے سے باز آنے کو کہا تھا۔

"اس لیے انسپکٹر! کہ ان دونوں کا روہاری کہنے میں سے ہماری کتنی کا کاروبار ہے۔"

"یہ اصغر علی تو سرکاری آفیسر ہیں۔۔۔؟"

"لیکن ان کا کاروبار بھی محل رہا ہے۔۔۔"

ہمایوں نے کہا اور اپنے چاچا کو طرف دیکھا جو انتہائی شرمندہ کن کے ساتھ ٹھایں جھکائے بیٹھا تھا۔ جمی وہاں بیٹھے ہوئے شخص نے بولنا

شروع کر دیا۔ جیسے وہ وہیں سے بات کا آغاز کر رہا ہو جہاں سلسلہ رکھا تھا۔

"میرا ہاں تو ذمہ خور وہ ہے اُسے ہر بندے پر شک ہے۔ یہ بس اتنا جواز فراہم کر دیں کہ یہ تیمور کے بارے میں معلومات کیوں نے رہے

تھے۔ میں ان بندوں کو پیش کر سکتا ہوں جن سے انہوں نے تفتیش یا تحقیق جو بھی ہے انہوں نے کی۔"

"آپ کے پاس اس کا کوئی جواز ہے تو دیں۔" انسپکٹر نے اصغر علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

"دیکھیں وہ ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں کھلے عام کچھ نہیں کہا جاسکتا سنیں ڈی ایس پی صاحب سے مل لیتا ہوں انہیں مطمئن کر دیتا ہوں۔" امیرغلی نے دھمکے سے کہا۔

"کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟— پاس کا بیٹا تو اس سے پہلے وہ اغوا ہوا۔ آپ جس قدر اس بات کو چھپانا چاہیں گے آپ پر اس قدر شک بڑھے گا۔ میرے خیال میں آپ کو ساری بات سبکی صاف کر دینی چاہیے۔"

وہ شخص بولا۔ "ہا یوں نے اپنے چاچا کی طرف دیکھا جس نے بے جا رنگ سے پہلو بدلا شاید اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ تب ہا یوں نے کہا۔"

"اگر یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ ڈی ایس پی صاحب کو مطمئن کر دیتے ہیں تو ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو۔"

اس کے یوں کہنے پر امیرغلی نے چونک کر ہاتھوں کی جانب دیکھا۔ شاید اسے امید نہیں تھی کہ ہا یوں اس کے حق میں بولے گا یا اس کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ وہ قدرے حوصلے سے بولا۔

"اور جس وجہ سے میں نے تیمور کے بارے میں معلومات لیں تھیں۔ وہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔ میں کہیں ہوا گا نہیں جا رہا۔ مجھے اگر تھوڑا وقت دیا جائے یہاں صبح میری ملاقات ان کے درمیان طے ہو جائے تو میں انہیں مطمئن کر دوں گا۔" امیرغلی نے اس بار حوصلے سے کہا تھا۔

"کیوں کیا کہتے ہیں آپ۔۔۔؟" انسپکٹر نے اس شخص سے پوچھا۔

"لیکن کیا گاڑی ہے کہ یہ دو بارہ آپ کے ہاتھ آئیں گے؟"

اس نے کہا تو امیرغلی نے پھر ہا یوں کی جانب مدد طلب لگا ہوں سے دیکھا۔

"میں دیتا ہوں گا گاڑی۔" ہا یوں نے دھیرے سے کہا۔

"آپ۔۔۔ وہ کیوں؟" وہ شخص تیزی سے بولا۔

"کاروباری دنیا میں ایک سا کھہی تو ہوتی ہے۔ میں اس کہنی کی سہ کو بچا لینا چاہتا ہوں یہی جذبات میرے آپ کے لیے بھی ہیں۔ اگر تیسرے فریق کے باعث معاملہ صاف ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے۔۔۔ بجائے ان پر توجہ دینے کے اصل ہجڑوں کی جانب توجہ دی جائے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔۔۔؟" ہا یوں نے تیزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم انہیں نہیں بلکہ آپ کو کل دو پہر تک وقت دیتے ہیں۔"

اس شخص نے حتیٰ الامکان کہا تو امیرغلی کی جان میں جان آئی۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ تھانے سے اٹھ آئے۔ ہا یوں کی گاڑی میں امیرغلی بیٹھا تو قدرے شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کوئی توجہ نہ دی اور گاڑی بڑھادی۔ راستے میں اس نے پوچھا۔

"اگر آپ مجھے اس کی تفصیل بتانا پسند کریں تو ممکن ہے میں آپ کی ہجڑوں کو روک سکوں؟"

"اس کی ساری تفصیل میں گھر جا کر بتاتا ہوں۔"

اس نے اچھائی دھبی آواز میں کہا اور پھر ان کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ گھر کے گیٹ پر جب بارن بجا گیا تو اگلے ہی لمحے گیٹ کھل گیا۔ وہ گاڑی سمیت اندر چلا گیا پورچ میں گاڑی روکی اور پھر اس کے ساتھ ہی اندر ڈرائنگ روم میں چلا گیا جہاں زینون بی بی سلٹی اور ان کے پیچھے پٹی پٹی کا ہون سے دیکھتی ہوئی صفیہ کھڑی تھی۔

”خز کو مر ہے۔۔۔؟“ اصغر علی نے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا۔

”وہ آ رہا ہے۔۔۔ منسٹر صاحب کی طرف گیا تھا۔“

زینون بی بی نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جبکہ اس نے ایک لگا دھبی بان پر منس ڈالی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی اجنبی کے ہاں آیا ہو۔ اصغر علی نے ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو جانے کے لیے کہہ دیا۔

ہمایوں صوفے پر بیٹھ گیا تو اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے اصغر علی نے ساری تفصیل اسے بتادی۔ سب کچھ کہہ روینے کے بعد وہ

بول۔

”ان کا خاندان کی فونو کالی میرے پاس ہے۔ میں نے وہاں صرف اس وجہ سے ذمہ نہیں لیا کہ صفیہ کا کام آئے گا۔“

”ہوں۔۔۔“ زینون نے ہنکارہ بھرا پھر بولا۔ ”ٹھیک ہے۔۔۔ میں آپ کے ساتھ ہی ڈی ایس پی سے ملوں گا اور انہیں پوری

تفصیلات بتانے کے بعد اسے فراڈ ثابت کریں گے۔ آپ گھبرائیے مت۔۔۔“

”بہت شکریہ بیٹا! میں۔۔۔“ اصغر علی اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہ کہہ پایا شایہ اپنی شرمندگی میں اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔

”اوکے میں چلتا ہوں۔“

ہمایوں نے اُٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ بوجھا دیا اصغر علی اٹھا اور اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

”اپنا نمبر تو دے دو۔ میں صبح۔۔۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔“

یہ کہہ کر ہمایوں نے اپنا کارڈ اسے تمنا دیا اور باہر کی جانب لپکنے لگا تو زینون بی بی کمرے میں آگئی جیسے وہ کہیں انہیں دیکھ رہی ہو۔

”ظہیر ڈیٹا! کچھ کھانی کرتو جاؤ۔ یوں جانا۔۔۔“

”نہیں چاہتی! مہرئی ای کھانے پر میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔۔۔ اللہ حافظ!“

اس نے تیزی سے کبا اور کمرے سے لھکتا چلا گیا۔ جس وقت وہ اپنی گاڑی میں گینت سے باہر نکلا تو سکون کی بلندیوں پر تھا۔ وہ سرشار سا

اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ راستے میں اسے جینڈ کوفون کرنے کا خیال آیا تب اس نے ساری تفصیلات اسے بتادیں۔

”تم ان کی مدد ضرور کرنا کہیں بھی ڈنڈی مارنے یا ان سے انتقام لینے کی کوشش نہ کرنا۔۔۔ اس کا پتہ تمہیں بعد میں چلے گا۔“

”اوکے جیسا تم کہو۔۔۔“ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

وہ اپنے گھر پہنچا تو اس کا باپ انور علی اور والدہ زینب بھی اس اہلکار میں بیٹھے تھے کہ وہ بات معلوم کریں۔ جس کے باعث امین علی کو نوپیس پکڑ کر لے گئی تھی۔ ہمایوں نے پوری تفصیل بتادی تو اس کی ماں نے پوچھا۔

”یہ زینون تو صفیہ کے ساتھ ہسپتال میں تھی اسے وہاں کیسے پتہ چلا ہے اور لگتا نہیں کہ صفیہ اپنی نیا تھی کہ فوراً گھر بھی آگئی؟“

”ای ا کون سا اس کے ڈرم آئے ہوئے تھے اور کون سا ہسپتال چل کر آتا تھا۔۔۔ زینون چاہتی کو فون ملا تو اس نے انہوں کو ہی یاد کیا۔“

ہمایوں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں یہ صدمہ محمود تھا کہ اس کے باپ کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے اور وہ بھی اسی کی وجہ سے۔۔۔“

زینب نے نفرت بھرے لہجے میں کہا تو انور علی نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

”لیکن بات یہ ہے ہمایوں کہ زینون تو تمہارا خیال آیا کیسے۔۔۔ کیا انہیں تمہارے بارے میں معلوم تھا؟“

بالشبہ اس بنیادی بات تک پہنچا تھا جس کے باعث ان دونوں خاندانوں میں پھر سے رابطہ ہوا تھا لیکن انہوں نے یہ بات نہیں بتا سکتا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ راحیلہ نے احسن طریقے سے اس کا نیا ڈپ انہیں دکھایا ہوگا۔۔۔ وہ خاموش رہا تو اس کے باپ نے دوبارہ پوچھا۔ جب اس نے کہا۔

”ابا جی امن نہیں جانتا سنیں اس وقت سے کبھی سوچ رہا ہوں۔“

”اب یوں بھی تو وہ میرے بیٹے سے غافل نہیں رو سکتے۔ زینون کا اللہ بھلا کرے وہ ہمیشہ ہمارے بارے میں اچھا ہی سوچتی ہے میرے خیال میں اس نے اس موقع پر جو کیا ٹھیک کیا۔“ زینب نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

”تو کیا تم اب بھی ان سے تعلق رکھنا چاہتی ہو؟“

انور علی نے حیرت سے پوچھا تو زینب خاموش رہی، کوئی جواب نہ دے سکی پھر اس جواب سے بچنے کی خاطر کہا۔

”چلو بیٹا امنیں تمہارے لیے کھانا لگا دوں۔“

یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی تو ہمایوں بھی اس کے پیچھے چل دیا جبکہ انور علی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆

صفیہ اپنے کمرے میں موجود گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دوپہر کے وقت اس نرس راحیلہ نے جس طرح ہمایوں کا لڑکھا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شام ہوتے ہی اس کا ثبوت مل جائے گا اور یہ خبر جہاں اس کے لیے معنی خیز تھی کہ تیور اٹھا ہونے کے بعد قتل ہو چکا ہے وہاں یہ بات شرم انگیز تھی کہ اس کے باپ کو تیور کے قتل کے شک میں پکڑ لیا گیا ہے۔ ایک ہی دن میں اتنی ساری باتیں اس کے دماغ پر بوجھ بن گئی تھیں۔ سنی دیر تک اسے سمجھ نہیں آ سکی تھی کہ وہ کس پر سوچے اور کس بات کو نظر انداز کر دے؟ وہ جس قدر تیور کے بارے میں سوچتی آتی شہادت سے ہمایوں اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا جس نے ایک لاکھ بھی اسے دیکھا گوارا نہیں کیا تھا۔ پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں سانپ کی مانند بلی کھاتا ہوا ایک خیال

آ گیا۔ جس پر وہ چمک گئی۔ اگر ہاویوں نے میرے پاپا کی مدد کی اور وہ اس معاملے میں سے صاف نکل گئے تو اس کا احسان کا بدلہ کہیں میرے گمراہوں کو اس طرف نہ لے جائے کہ میری منگنی اور بھرشادی۔ " اتنا سوچتے ہی وہ بے قرار ہو گئی۔ اس نے شدت سے سر ہاتے ہوئے خودکلامی میں کہا۔

"نہیں۔ ایسا برگر نہیں ہو سکتا۔ میں مرجانا قبول کروں گی مگر ہاویوں کے ساتھ۔۔۔"

"۔۔۔ اور اگر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے تمہارے تھپڑ کا انتقام تمہارے خاندان سے لیا تو پھر تم کیا کرو گی؟ تمہارا باپ جین چلا جائے گا سب کچھ بھرجائے گا۔ پھر اگر تم ان کی سطح پر آ گئیں تو شاید تمہیں ہاویوں بھی قبول نہ کرے۔۔۔" وہ باغ بھی خاموش نہ رہا۔

"اس میں اتنی جرأت کہ میرے خاندان سے انتقام لے۔۔۔؟" وہ چیخا۔

"اب بھی تم خرگوش کی مانند آنکھیں بند کر رہی ہو اگر وہ تیور کے ساتھ تمہارے معاملے ہی کو اچھال دے تو تمہارے دامن میں کیا رہ جائے گا؟"

"یہ کوئی نئی بات تو نہیں بہت سارے لوگ میرے بارے اور تیور کے تعلق بارے جانتے ہیں۔"

"تم جھوٹی باتوں میں سارے کام خود ہی خراب کر لو گی تمہارے ہسپتال جانے ہی سے سکتے انسانے بن گئے ہیں۔ تمہارا باپ اس کے قتل کے الزام میں ڈھرایا گیا ہے۔ کیا تم اب بھی شرمندگی محسوس نہیں کر رہی ہو؟ وہ جو کل ہو گیا جس نے بہت سے اعزاز میں تمہاری ہنک کی ہے وہی تمہارے باپ کو بھی ڈیلن ڈوسا کر دینے پر تھے ہوئے ہیں۔ اگر مقدمہ چلا تو کیا تمہیں عدالت میں نہیں لائیں گے۔ پھر تم کیا جواب دو گی۔۔۔؟"

"نہیں۔ نہیں۔" وہ سر ہاتے لگی۔

"تم اپنے خوابوں میں اپنی زندگی تو بسر کر سکتی ہو لیکن حقیقت کی دنیا میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم نے جو فلرت سے ایک شخص کے جذبات کو ذلیل ڈوسا کر دیا تھا آج وہی تمہارے خاندان سمیت تمہیں پونانے کے لیے آ گیا ہے۔ تمہیں اس کی قدر کرنی چاہئے۔"

"وہ اگر احسن کرے گا تو میرے پاپا پر مجھ پر نہیں۔ نہیں اسے ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔ میرے جو رسوائی ہونا تھی ہو چکی۔ مجھے عدالت میں بھی جانا پڑا تو میں جاؤں گی لیکن فقط ہاویوں کی مدد کے عوض میں اس کی ہوجاؤں گی ایسا قطعاً نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن اب تم اس کے ساتھ فلرت کا انتہا بھی نہیں کر سکتی ہو کیا یہ تمہاری ہلکت نہیں ہے؟"

"نہیں نہیں کبھی ہلکت نہیں مانوں گی میں اپنے خوابوں کی تعبیر حاصل کر کے رہوں گی کل اگر میرے پاس دولت اور حیثیت ہوگی تو کسی کو بھی میرے ماضی پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں ہوگی میں ان حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لوں گی۔ ابھی ہاویوں کو میری سطح تک آنے میں بہت وقت لے گا وہ خود دولت مند نہیں بلکہ دولت مندوں کا غلام ہے ان کی نوکری کر رہا ہے۔ یہ پوزیشن اس کی نہیں اس کے پیچھے دولت مندوں کی ہے۔ آج اگر وہ اس سے ہاتھ ہٹائیں تو اس کی پوزیشن پھر وہی فنٹ پاتھے والی ہوگی۔"

"لیکن حالات یہ ہیں کہ تم فنٹ پاتھے پر آ سکتی ہو۔"

"نہیں! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں یا میرے پاپا اگر مجرم نہیں ہیں تو ہم اسے ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں البتہ میں یہ مانتی ہوں کہ میری بےوقوفی کی وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے۔ اس بےوقوفی کی قیمت چکانا پڑے گی کوئی بات نہیں لیکن اگر اس کی قیمت ہمارے ساتھ کی صورت چکانا پڑی تو میں خود کو قتل کر لوں گی۔"

"حالات اگر اسٹیج پر آ گئے۔۔۔؟"

"خاموش! میں اس پر سوچتا ہی نہیں جا ہتی۔۔۔"

اس نے سچ کر کہا اور پھر اسے اپنا کمر اڈولٹا ہوا جیسے وہ کسی ہنڈولے میں بیٹھی ہے۔ اس نے بیٹھرا خود پر تھو پانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی اور پھر سے بے ہوش ہو گئی۔ ڈوبتے ہوئے منظر میں اس نے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا تھا جو اس سے کچھ پوچھ رہی تھی لیکن اس کی آواز نہیں آرہی تھی۔ اس کے بعد ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔

۶۶۶

رات اپنا سفر طے کر چکی تھی اور جینے مسلسل سوچتا چلا جا رہا تھا کہ وہ کس طرح کی زندگی میں آچکا ہے۔ وہ ایک چھوٹا سا وعدہ بھی راحیل سے نہ بھاسکا اگر کوئی بڑا وعدہ اس سے کر لیتا تو کیا وہ بھاسکتا یا پھر آئندہ زندگی میں اگر اسے چاہے اس کی ضرورت پڑے گی تو وہ اس تک پہنچ پائے گا۔ کیا سہولیات دے دینے سے دوسرے انسان کی تمام تر ضروریات پوری ہو جاتی ہیں؟۔۔۔ اس ایک ذرا سی سوچ نے اسے ماضی میں لا پھینکا پھر حال سے گزرتے ہوئے وہ مستقبل کے دھندلکوں میں جا پہنچا جہاں خوف کے سائے زیادہ منفذار ہے تھے اور ان میں راحیل کا وجود ہوا کے دوش پر کسی کئی پتنگ کی طرح چپکولے لکھا رہا تھا۔ یہ ایک ایسا خوفناک منظر تھا کہ جس سے اسے جھرجھری آگئی اور وہ سوچوں سے کٹ کر حقیقت کی دنیا میں آ گیا۔ وہ چند لمحے یونہی بیٹھا رہا پھر جیسے اسے یاد آ گیا۔ اس نے تیمور والی اسم نکالی اور ایک فون میں ڈال کر تیمور کے باپ کا نمبر پیش کر دیا تیموری تیل پر فون رسد کر لیا گیا۔

"خدا کے لیے میرے بچے کی لاش دے دو تم جو ماگو کے منہ میں دوں گا۔ تم دو کروڑ لے لو مگر میرے بچے کی لاش واپس کر دو۔ مروے کی بے حرمتی کوئی بھی نہیں کرتا۔" اس کا باپ روتے ہوئے بولا۔

"کس قدر بد قسمت باپ ہو زندہ بیٹے کو مار دیا اپنی دولت کے لیے اور اب مروے بیٹے کی لاش کا سودا انہی دو کروڑ میں کر رہے ہو؟"

"میں بےوقوف تھا، حق تھا مجھے ذمہ تھا اپنی رسائی پر۔۔۔ پوری فورس حرکت کر رہی ہے لیکن میرے بچے کا نام و نشان تک نہیں ملا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے یہ فون بھی کہیں ٹیپ نہیں ہو رہا ہوگا؟"

"ہوتا رہے لیکن جب میں تمہیں رقم دینا چاہتا ہوں تو کوئی درمیان میں نہیں آئے گا۔۔۔ یلو میں رقم کہاں پہنچاؤں اور۔۔۔" یہ

کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"تم رقم تیار رکھو میں بتاؤں کہ تمہیں کیا کرنا ہوگا۔"

”پلیز—خدا کے لیے مجھے بتاؤ۔“

”ممبر کر دیتا ہوں۔۔۔“

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ اسی ہم میں گھر کے ایک ملازم کا نمبر بھی تھا جنہی نے وہ نمبر دوسرے فون سے ملا یا جو تھوڑی دیر بعد سیمو کر لیا

گیا۔

”کون ہے اتنی رات کو بگٹ کر رہا ہے۔؟“ اس نے خراما لودا داز میں انتہائی حیرت سے کہا۔

”میں تمہارا چھوٹا صاحب ہوں تم ایسا کرو اور یہ فون لے کر پاپا کے پاس جاؤ۔“

”اتنی رات مجھے نہیں کیسے۔۔۔ میں سرورنٹ کو اڈر۔“

”میں نے کہا نا جلدی جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں فوراً پہنچو۔۔۔“

”جی۔۔۔ جی۔۔۔“

یہ کہتے ہوئے وہ فون بند کرنا بھول گیا۔ جنہی کو آوازوں سے لگت رہتا تھا کہ وہ اٹھا ہے۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد کسی دروازے پر دستک

ہوئی۔

”جی چھوٹے صاحب کا فون ہے۔۔۔“

پھر چند لمحوں بعد تیمور کے باپ کی آواز سنائی دی۔

”ہلو۔۔۔“

”میں ہوں۔۔۔ غور سے سنو تم نے کیا کرنا ہے۔“

”یو لو نہیں سن رہا ہوں۔“

”تمہارا بیٹا لادمہ ہے اسے ایک خراش تک نہیں آئی۔“

”کیا واقعی۔۔۔؟“ اس نے تقریباً چپختے ہوئے کہا۔

”تمہارے پاس یہ آخری موقع ہے۔ ابھی تک تمہارے بیٹے کو خراش تک نہیں آئی نہیں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر تم۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ تم رقم پہنچانے کی بات کرو بس۔۔۔!“

”تو پھر اس کو رقم دو ابھی اور پچھلے دروازے سے یہ بند درکشے میں بیٹہ کراؤ کے کی جانب چلا جائے نہیں اسے سنبھال لوں گا۔۔۔ رقم

ملنے ہی تمہارا بیٹا آزاد ہوگا۔“

”میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کچھ کہہ رہے ہو یا جھوٹ لیکن میں اسے ابھی رقم دے رہا ہوں یہ ویسا ہی کرے گا۔“

”تو تمہارا بیٹا بھی مل جائے گا۔۔۔“

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ پھر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے فون سے کسی بندے کو فون کر کے کہا۔

"یہاں سے ایک ملازم پکھلے دروازے سے باہر نکلے گا اس کا نمبر نہیں تمہیں دینا ہوں۔ وہ رکتے میں آئے گا کنفرم کر کے بیگ لینا اور مجھے بتا کر محفوظ جگہ چلے جانا پھر رابطہ ہو جائے گا۔"

اس وقت جنید ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھ رہا تھا جب وہی بندے کا فون آ گیا کہ بیگ لے لیا گیا ہے اور اب وہ محفوظ جگہ جا رہے ہیں پھر چند ہدایات دینے کے بعد وہ پرسکون ہو گیا۔ اس نے اس شخص سے بات کی جو تیمور کے پاس تھا وہ اُسے لے کر اس شہر سے نکل چکے تھے اس نے تیمور کی بات اس کے باپ سے کروادی پھر ان کے پہلے پھر تک مطمئن ہو جانے کے بعد اُس نے ہمایوں کو فون کر دیا۔

"جی جناب۔۔۔" ہمایوں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تمہیں اپنے چچا کو ڈی ایس پی کے پاس لے جانا ہو گا مگر وہاں بات کچھ مختلف ہوگی۔"

"میں سمجھا نہیں۔۔۔"

"تیمور واپس آ گیا ہے اپنے گھر۔۔۔ اب تم نے بات سمجھنے سے پہلے چاچا کو اپنے پاس بلا لینا ہے اور دوسری پارٹی کے ساتھ تمہارا رویہ کیا ہوگا تم خود سمجھا رہے ہو۔ مجھے فون مت کرنا میں اب سونے لگا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔۔۔ آپ آرام کرو شام کو ملاقات ہوگی۔"

"اوکے۔۔۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ پھر بیڈ پر لیٹتے ہوئے اس نے سوچا کہ شام سے قبل اسے آج ہی رقم مل جانے والی تھی پھر اس کے بعد ہی دو کوئی بات سوجھے گا۔

☆☆

احاف

صحت چھٹائی ارووز بان میں افسانہ نگاری کے حوالے سے ایک بڑا اور معتبر نام ہے..... منٹو کی طرح صحت کا قلم بھی معاشرے کے حساس موضوعات کی نشاندہی کرتا رہا اور اس پر بھی اکثر اوقات نقوش نگاری کا الزام لگتا رہا۔ لیکن اسکے باوجود صحت چھٹائی کے افسانے اور ناول اروواوب کا لازمی جزو ہیں۔ احاف صحت کے 16 بہترین منتخب افسانوں کے مجموعہ کا نام ہے، اس میں جوانی، خلاف، مکئی لڑکی، ہانڈی، ایک شوہر کی خاطر بیوی ڈلین، حمل، عورت، خریدو، بہو بیٹیاں اور ڈائن افسانے شامل ہیں۔ افسانوں کا یہ مجموعہ بہت جلد کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا، جسے افسانے سیکشن میں پڑھا جاسکے گا۔

وطلقی شام کے سائے دھیرے دھیرے گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن میں بیٹھی ہوئی راحیلہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں فقط ایک سوال گونج رہا تھا کہ کہیں وہ مراب کے پیچھے تو نہیں دوڑ رہی؟ اس سوال نے تو اس کا چہرہ زرد کر کے رکھ دیا تھا حالانکہ شام سے پہلے جب وہ ڈیڑی آف کر کے گھر آنے والی تھی اس وقت نسرین کے ساتھ خوب ہنس ہنس کے خوشگوار سوڈا میں ہاتھیں کرتی رہی تھی۔ چند لمحوں بعد ان کے امتحان شروع ہونے والے تھے۔ نسرین اسے دیکھ کر یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اب وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے! اسی بات کو لے کر وہ دیر تک اپنے ماضی کو یاد کر کے ہاتھیں کرتی، ہنسی مسکراتی رہیں تھیں۔ اس وقت وہ ہسپتال سے نکل رہی تھی جب جنیڈ کا فون آ گیا کہ وہ آ رہا ہے۔ اس نے دھیرے سے سن کر فون بند کر دیا تھا۔ گھر آ کر اس نے رضیہ کی مدد سے پر تکلف کھانے کا اہتمام کرنا شروع کر دیا مگر اسے پھر بھی یقین نہیں تھا کہ وہ آئے گا۔ یوں سوچ کا ایک سرا اس کے ہاتھ آیا تو پھر یہ دور الجھتی چلی گئی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب بار بار ہاتھ میں آتی ہوئی خوشیاں دسترس سے نکل جائیں تو انسان بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے تاہم اس وقت تک یقین رہتا ہے جب تک حوصلہ مضبوط ہو۔ حوصلہ ہارتے ہی یقین ٹوٹ ہو جاتا ہے۔ راحیلہ مسلسل یہی سوچے چلی جا رہی تھی کہ اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی لیکن جنیڈ کیا چاہتا ہے اس بات کی سمجھاؤے اب تک نہیں آسکی تھی۔ سچی کال قتل سناؤ دی تو وہ چونک نکلی۔

”میں دیکھتی ہوں۔۔۔“ رضیہ نے اپنے ہاتھ کپڑے سے پونپختے ہوئے کہا۔

”نہیں میں جانتی ہوں۔“

یہ کہہ کر راحیلہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلٹ ایک جانب رکھی اور لیکن سے نکل کر گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ باہر ہال میں کھڑا تھا۔ راحیلہ کی توقع چھٹانے کے نوٹ گئی۔ اس کے ذہن میں یہی آیا کہ آج پھر جنیڈ نہیں آسکا اور اس نے ہالوں کو گھج دیا ہے۔

”میرا آنا اچھا نہیں لگا۔۔۔؟“ ہالوں نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے حیرت اور شرمندگی کے طے طے احساس کے ساتھ کہا۔

”نہیں نہیں تو۔۔۔ آپ۔۔۔“ راحیلہ گڑ بڑاتے ہوئے بولی۔

”کیا جنیڈ نے میرے آنے کے بارے میں نہیں بتا یا وہ آیا نہیں ابھی تک۔۔۔؟“ ہالوں نے تیزی سے پوچھا۔

”ابھی تک تو نہیں۔۔۔؟“

راحیلہ نے کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے کہا تو ہالوں نے فوراً ہی اپنا فون نکالا اور اس کے نمبر پر کال کر دینے پھر راحیلہ ہو جانے پر پوچھا۔

”کدھر ہو آپ ابھی تک پہنچے کیوں نہیں؟“ یہ کہہ کر وہ دوسری جانب سے کچھ ستار ہا پکھڑیولا۔ ”میں اوور گیٹ پر کھڑا ہوں۔ آپ آؤ

کے تو اندر جاؤ گا۔“ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

”کیا بات ہے؟“ راحیلہ نے پوچھا۔

”کہتا ہے قریب ہی ہوں ابھی چند منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔“ اس نے بتایا۔

”اچھا آپ گاڑی تو اندر لے آئیں نا!“

راحیلہ نے دھیرے سے کہا تو ہا یوں پلٹ کر گاڑی تک گیا۔ جیسے ہی اس نے گاڑی اندر کی انجی لوگوں میں جنید بھی آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی راحیلہ کو یوں لگا جیسے کوئی خزانہ! اسے مل گیا اس کے روم روم میں خوشی سرایت کر گئی۔ اُس نے گیت گھلا دیکھا تو سہا گاڑی اندر لے آیا ہا یوں نے گیت بند کر دیا۔

”تمہیں یقین نہیں تھا کہ میں آؤں گا؟“ اُس نے راحیلہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ان سے پوچھیں مجھے کیا کہہ رہے ہیں۔“ راحیلہ نے جواب دیا۔

”بھئی منیں نے سوچا شاید اس بار بھی مجھے تمہاری جگہ کھانا کھانا پڑے گا۔“ ہمایوں مسکراتے ہوئے بولا۔

”راحیلہ! کیا تم اتنا بدحرہ کھانا بنا تی ہو کہ ہا یوں جیسا بندہ بھی خوفزدہ ہے؟“ جنید نے خوشگوار لہجے میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

”آپ نہیں منیں ذرا لگن میں دیکھوں۔“ راحیلہ نے اُن سٹی کرتے ہوئے کہا۔

”امی کہاں ہیں آپ کی؟“

”اچے کمرے میں۔۔۔ کیوں؟“ راحیلہ نے پوچھا۔

”منیں ملتا چاہتا ہوں۔“

”منیں بیوی ہیں اور ادھر ہی آ جا ئیں گی۔“ راحیلہ نے کہا۔

”اوکے۔۔۔“

وہ تھی انداز میں بولا تو راحیلہ اندر کی جانب چلی گئی تب ہا یوں اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

”تھی ہا یوں صاحب! کیا رو تیا وہ ہے آج کی۔۔۔؟“

جنید نے پوچھا تو ہا یوں نے چہرے لیسے سوچے رہنے کے بعد کہا۔

”کوئی خاص نہیں وہ چاہے والے معاملے میں تو بات بہت آگے تک گئی۔ خیر منیں تمہیں تفصیل سے مانتا ہوں۔“

”تم اختصار سے مٹاؤ۔“ جنید نے تیزی سے کہا۔

”ڈی ایس پی کے پاس تو جانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ منیں نے جب اُسے فون کیا تو اُس سے وہی بات ہوئی انہیں خبر مل چکی تھی تاہم

منیں نے پھر کسی وقت ملنے پر اصرار کیا تو کل بھری اُس سے بات ہونے والی ہے۔“ وہ بولا۔

”اب اُس سے کیا بات کرنی ہے؟“ جنید نے پوچھا۔

”وہی جو تمہو نے سبزا باغ کھانے کے چکر میں جعل دستاویز بنا لی تھیں۔“ اس نے بتایا۔

”اور تم اسے اپنے کسی مقصد کے لیے استعمال کرو گے؟“

"کیوں نہیں— میں نے چاہے کونوں کیا وہ تیار تھا۔ میں نے اسے آفس بلوا لیا پھر وہیں اسے بتا دیا کہ بات کیا ہوئی ہے۔ اس نے خاصی شرمندگی کا اظہار کیا۔ وہ جو ضرور تھا، وہ نہیں رہا۔ وہ میرے ساتھ آہنجی کے پاس جانے کو تیار تھا مگر میں نے اپنی مصروفیت کا بہانہ بنا دیا۔" ہایوں کے لہجے میں نفرت سنگ رہی تھی۔

"کیوں نہیں ملوایا۔۔۔؟" جنید نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں آہنجی سے تو پوچھوں کہ وہ ان سے ملنا بھی چاہتے ہیں یا نہیں پھر اتنے برس بعد۔۔۔" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"تمہاری منزل تو منیہ ہے نا اس تک رسائی کا راستہ تمہیں مل گیا ہے تو پھر۔۔۔؟"

"وہ اب میری منزل نہیں ہے منیہ نے آپ کو بہت دفعہ کہا ہے البتہ جو نہیں چاہتا ہوں وہ اب مجھے میسر آ چکا ہے۔" ہایوں نے کہا تو دونوں میں خاموشی چھا گئی جیسے دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہے ہوں کہ اب کس موضوع پر بات کریں یا پھر دونوں ہی اپنے خیالوں میں کھو گئے تھے۔ اتنے میں راحیلہ ٹرے میں ٹھنڈا شراب لے کر آئی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے دونوں کی جانب دیکھا پھر بولی۔

"کیا بات آپ دونوں ہی خاموش ہیں؟"

"ہم دونوں تمہارا انتظار کر رہے تھے کہ تم آؤ تو منیہ کے بارے میں پوچھیں۔۔۔" مناجت نے دوبارہ ہسپتال میں سے کہا۔ "ہایوں نے پوچھا۔"

"ہاں وہ دوبارہ وہیں ہے۔۔۔ گلتا ہے وہ اس صدمے سے باہر ہی نہیں آ رہی۔ راحیلہ نے عام سے انداز سے کہا۔ اسے کہاں معلوم تھا کہ دونوں کے درمیان یا پھر جنید نے اس کے ہسٹری میں کیا کچھ کہا ہے۔"

"ٹھیک ہو جائے گی وقت مرہم ہوتا ہے۔" جنید نے دلچسپی سے کہا۔

"ہاں یہ تو تاؤ کہ منیہ سے میرے بارے میں کیا باتیں ہوئیں؟"

ہایوں نے پوچھا تو راحیلہ نے دلچسپی سے دلچسپی سے ساری بات بتا دی۔ تب تک جنید نے شراب بھی ختم کر لیا تو راحیلہ پھر سے کچن میں چلی گئی۔ ان دونوں کے درمیان بہت ساری باتیں ہوئیں۔ جنید اسے ان باتوں کے بارے میں تفصیل سے بتاتا رہا جن سے وہ اپنے مقاصد حاصل کر سکتا تھا یہاں تک کہ کھانا آ گیا۔ کھانے کے دوران وہ جنید کی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ راحیلہ کی امی بھی ان سے آ کر مل گئیں۔ چائے پینے کے بعد ہایوں چلا گیا تو وہ دونوں رو گئے۔ جنید باہر گیا اور گاڑی میں سے ایک بیگ نکال لایا۔

"اس میں کیا ہے؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"میں بتا ہوں اپنے کمرے تک چلو۔"

جنید نے کہا تو راحیلہ کا چہرہ ایک دم سے زرد ہو گیا پھر اگلے ہی لمحے اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"آئیے۔۔۔"

وہ دونوں کمرے میں آگئے۔ راحیل نے دروازہ کھلا رہنے دیا تو جنید نے اسے بند کر دیا۔ وہ ایک صوفے پر جا بیٹھا تو راحیل بیڈ کے ایک کونے پر ٹنگ گئی۔ تب جنید نے بیک کی زپ کھولی اور راحیل کے سامنے کر دیا اسے دیکھتے ہی وہ بھئی بھئی لگا ہوں سے جنید کی جانب دیکھنے لگی۔

"یوں کیا دیکھ رہی ہو۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"ات۔۔۔ نے۔۔۔ سارے روپے۔۔۔" وہ ہلکتے ہوئی بولی۔

"تقریباً ایک کروڑ بیس پانچ سو روپے تو ہوں گے۔" یہ کہہ کر اس نے راحیل کے چہرے کی جانب دیکھا جو لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔ "ابنی حیرت زدہ مت ہو یہ تو شروعات ہیں۔۔۔ تم انہیں سنبھال کر رکھو۔" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے دوسرے سے کہا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں اتھتے سہارے کہاں۔۔۔ نہیں۔" وہ اب تک بکلا رہی تھی۔

"اتنا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے یہ زندگی ہے اس میں بہت سے حیرت انگیز منظر دیکھنے کو پیش ہے۔ جن میں خوشیاں بھی ہو سکتی ہیں اور دکھ بھی۔" اس نے سمجھایا۔

"لیکن ایسی خوشی کیوں حاصل کی جائے جس کے پیچھے بہت بڑا غم ہو؟" وہ حیرت زدہ نہجہ میں بولی۔

"یہ نقطہ سوچنے کا فرق ہے۔۔۔ نہیں کہتا ہوں ایسا غم کیوں پالا جائے جو چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا بھی گلا گھونٹ دے۔" جنید نے سمجھانا چاہا۔

"نہیں مانتی ہوں کہ زندگی کے ہزاروں رنگ ہیں۔ اس میں غم بھی ہیں اور خوشیاں بھی لیکن یہ جو دولت دکھائی دے رہی ہے یہ پھندا ہے" نہیں جان بوجھ کر خود کشی نہیں کرنا چاہتی۔" یہ کہتے ہوئے اسے اپنا لہجہ قدرے اونچا لگا تھا۔ اس کے ساتھ یہ احساس ابھر آیا تھا کہ جس کے لیے وہ زندگی داؤ پر لگا چکی ہے اس کا ساتھ کہیں خود کشی کے مترادف تو نہیں؟

"تم اسے میری امانت سمجھ کر رکھ لو۔۔۔ میں بحث نہیں چاہتا۔ میں خود چھوٹیں اجازت دیتا ہوں کہ اس سے جس قدر چاہو فریج کر لینا۔" جنید نے پھر سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"لیکن کیوں۔۔۔ اچانک اتنی دولت سڑک پر پڑی تو نہیں مل جاتی یہ۔"

"غلط طریقے سے آئی ہے لیکن یہ دولت فلتا لوگوں نے غلط طریقے سے حاصل کی تھی کیونکہ اسے اچھے انداز سے ان لوگوں کو داپس کر دیا جائے جن سے یہ لی گئی ہے۔" نہیں ان تھیسات میں نہیں جانا چاہتا لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ حردور کے منہ کا لوالہ چھیننے والا ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ دو چاہے سرمایہ دار ہے یا جاگیردار یا پھر کوئی تو دولت مند۔ اس ملک میں عوام کا اہتمام کرنے والے تو اچھی زندگی گزاریں لیکن ہر معاملے میں تہران عوام کو کیا جائے مجھے تو آتی ہے سیاستدانوں کے ان بیانات پر جب وہ اپنے مفاد کی خاطر عوام کے ڈکھن ہات کرتے ہیں۔ کتنے آئے اور کتنے گئے لیکن عوام کی حالت دن بہ دن خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ آخر کئی سرمایہ جاتا کہاں ہے؟۔۔۔ مجھے ابن دانشوروں کے لفظوں سے یاد آتی ہے جو ملک کی معاشی بہتری کے پلان تو بناتے ہیں لیکن دورہ لٹی کوتر سے عوام کو نظر انداز کر کے انہی لوگوں کو مراعات دے دیتے ہیں جو پہلے ہی

دولت مند ہوتے ہیں۔ تم۔ تم ان چکروں میں مت پڑو اس رقم کو سنبھالو۔ منی تمہیں بتاؤں گا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔"

"جنیڈا! منی بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں جس کے احوال کی بات آپ کر رہے ہیں منی جانتی ہوں کہ روٹی حاصل کرنا کس قدر

مشکل ہو گیا ہے لیکن کیا روٹی کے بدلے میں ہم اس راہ پر چل سکیں جو غلط سمت میں جاتی ہے۔؟"

"تم بتاؤ، کیا عمل ہے اس کا۔۔۔؟" اجانک اس نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"انصاف۔۔۔ ہر کسی کے ساتھ انصاف آگے بڑھنے کے مواقع۔۔۔" راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"جو یہاں دُور دُور تک دکھائی نہیں دے رہا ہے۔۔۔ تم اپنے ذہن میں خدمتِ خلق کے لاکھ چلان بنا لو لیکن جب تک تمہارے پاس

سرمایہ نہیں ہوگا وہ چلان کسی کام کے نہیں! اصلاحیت، تعلیم، تہذیب، سہولتیں اور ہر صاحب اختیار اور اختیار کے پاس صرف خیالات ہیں۔ چنانچہ کی

بات کر کے لاکھ قومیت میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔۔۔ چھوڑو راحیلہ! چھوڑو۔ سوچنا چھوڑو، وہ سب کرو جو منی کہہ رہا ہوں۔ اتنا سنبھالو منی

بعد میں بتاؤں گا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔"

"ہر بات بعد میں۔۔۔" راحیلہ نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔" دو تیزی سے بولی پھر اس نے بیک کی زپ بند کی اور اسے اٹھا کر اناری میں رکھا وہاں آ کر وہی طرح بیچنے کے کونے

پر بیٹھ گئی۔ دونوں کے درمیان کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بولا۔

"راحیلہ! اگر تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے تو کہو۔ منی تمہاری ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں۔"

"منی! کیا کہہ سکتی ہوں۔۔۔ منی نے کچھ نہیں کہا۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"۔۔۔ اور میرے پاس بھی کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ بس مجھ پر اختیار کرنا یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

جنیڈا نے کچھ اس انداز میں کہا کہ راحیلہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے لہجہ انداز اور بات میں جھانسنے کیا جاوونکی اثر تھا کہ

راحیلہ کو سکون کا احساس ہوا تھا یوں جیسے کوئی دکھ کی چادر اتار بیٹھتا ہے۔

"مجھے آپ پر اعتبار ہے تو منی یہاں تک آئی ہوں ورنہ اب تک گندگی کا ڈبیر بن چکی ہوتی۔"

"یہی تمہارا اصل مجھے پسند ہے راحیلہ! یونہی بہت قدم رہو اور ان مظلوموں کا سہارا بن جاؤ جو تمہاری طرح اس معاشرے سے لڑ رہے

ہیں۔"

"جنیڈا! منی جانتی ہوں کہ اس معاشرے میں نیکی کرنے والے بہت کم ہیں۔ میرے ہسپتال کی مثال لے لیں وہاں نیکی کرنے والے

تھوڑے ہیں لیکن میں ان کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا البتہ برائی کے روپے لوگ بھی کم نہیں۔ ہوس کے متوالے ان نیکی کرنے والوں کو

دبا جاتے ہیں۔ مجھے غصہ اس اکثریت پر ہے جو نہ تو نیکی کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں اور نہ برائی کرنے والوں کا اور جہاں اپنا مفاد دیکھتے ہیں

اُدھر لڑھک جاتے ہیں۔ نہیں سمجھتی ہوں! اہل اخصصال طبقہ وہ ہے جو خاموشی تماشا شائق بنا ہوا ہے۔“

”یہ تمہارے ہسپتال کا حال ہی نہیں ہے ہر طبقے میں ایسا ہے۔ ابن ابرائیموں میں جہاں تقدس ہو چاہئے وہاں ویسا کچھ نہیں مل رہا ہے۔ ہسپتال میں تو مسیحی ہوتے ہیں۔ ابن میں کتنے لوگ ہیں جو اسے عبادت سمجھ کر اپناتے ہیں۔ اس معاشرے میں غرب آوی بنا رہا ہو جائے تو اسے موت دکھائی دیتی ہے یہی سوچ کر کہ وہ اپنی کے پیسے کہاں سے لائے گا! اگزر کی فیس کہاں سے دے گا یا سرکاری ہسپتال میں کتنی دیر تک دیکھنے کی قوت و برداشت رکھتا ہے۔ تم انصاف چاہتی ہو؟ فیصلہ تم کرو۔“

”میں وہی کروں گی جو آپ چاہیں گے۔“

راحیلا نے جذب کے عالم میں کہا تو ابن کے درمیان خاموشی مچا گئی تب جنید اٹھا اور کھڑا ہو کر بولا۔

”میں چلتا ہوں۔۔۔۔۔“

”کہاں۔۔۔۔۔؟“ وہ حیرت سے بولی۔

”جہاں مجھے جانا چاہئے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”کیا آپ اپنا کرا بھی نہیں رکھیں گے۔ جو نہیں نے آپ کے لیے سجایا ہے؟“ اس نے پر شوق انداز میں کہا۔

”واقعی۔۔۔۔۔؟“

جنید نے کہا اور رراحیلا کے ساتھ باہر کی جانب چل دیا۔ دونوں ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے رراحیلا نے روشنی کی تو جنید کو یہ احساس بہت اچھا لگا کہ کسی نے اس کے لیے اتنے بھرپور انداز میں یہ کمرہ اس لیے سجایا ہے۔ وہ چند لمحوں کے بعد پھر پلٹتے ہوئے بولا۔

”اچھا ہے بہت اچھا ہے۔۔۔۔۔“

”کچھ دیر بعد جنید چلا گیا۔ رراحیلا کافی دیر تک اس کے احساس میں مگرتی رہی پھر اس نے وضو کیا اور اپنے کمرے میں آگئی جہاں غلو شوارت کے احساس میں ڈوبنا جذب کے عالم میں وہ اللہ رب العزت کے حضور جھک گئی۔ اسے بہت غلو ص سے اپنے زب سے جنید کے لیے دعائیں مانگنا تھیں۔

☆☆

عشق کیا ہے؟۔۔۔ یہ بحث صدیوں سے چلتی آئی ہے اور شاید آئندہ بھی یہ بحث جاری رہے گی تاہم گزرتے ہوئے اس وقت میں عشق کو بہت حد تک سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصول یہ ہے کہ وہ بات جس پر بہت زیادہ لوگ عشق ہو جائیں اسی کو درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ عشق کو سمجھنے کے لیے انسان کے اندر اس ”شے“ کو سمجھنا بہت ضروری ہے جس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس بندے کو عشق ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے عشق کے بارے میں اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے تا جب کسی سے اعمال ایسے سرزد ہوں اعمال ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہے؟۔۔۔ انسان کے ”انداز“ کو اگر ہم زرخیز زمین تصور کر لیں تو ہم عشق کو سمجھنے کی ایک کوشش کر سکتے ہیں۔ درخیز زمین میں آپ جو بوئیں دیکھیں وہی فصل تیار ہو جاتی ہے لیکن اس وقت

عشق تا ہے عشق بنا

تک زرخیز زمین بھی فصل نہیں اگا سکتی جب تک اسے اس کے لیے تیار نہ کر لیا جائے ورنہ جھاڑ جھکاڑ پیدا ہوتے رہیں گے گھاس پھوس اور جھاڑیاں اگتی رہیں گی جب تک جھاڑ جھکاڑ گھاس پھوس اور جھاڑیوں کو صاف کر کے زمین کو تیار نہیں کیا جاتا تو اعلیٰ درجے کی فصل نہیں اگائی جاسکتی۔ اب یہ بات بھی نہیں ہے کہ کوئی فصل نہیں اگے گی تاہم معمول کے ماحول میں اگر فصل اگانے کی کوشش کی جائے گی تو فصل ہاراؤ نہیں ہوگی۔ زمین میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ہر اس بیج کو اگا دے جو اس میں اپنا آپ کھودتا ہے۔ اگر صلاحیت کے بغیر زمین ہوگی تو اس میں کچھ نہیں اگے گا بلکہ پہلے زمین کو اس قابل بنایا جائے کہ اس میں بیج بویا جاسکے۔ انسان کا من بھی ایسا ہی ہے۔ انسان کے اندر اللہ رب العزت نے ہر طرح کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ یہ صلاحیتیں اس وقت تک سامنے نہیں آسکتیں جب تک انہیں اجاگر کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ من کی زرخیز زمین پر وہی کچھ اگتا رہتا ہے جو ہم شعوری یا لامشعوری طور پر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر کسی من میں عشق کا بیج آن پڑے تو وہیں عشق ضرور اگتی ہے۔ ہم نفرت، محبت، امید یا اس اور نجانے کیسے کیسے بیج ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی فصل بھی بار آور ہوتی ہے۔ یہ قانون قدرت ہے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ بیج سے لے کر فصل تک کا ایک مرحلہ ہے سازگار ماحول ملتا ہے تو بیج ایک تیار درخت کا زود بھی دھار لیتا ہے جس پر پھل پھول اور پتے بھی اگتے ہیں لیکن کیسے وہ کیا "شے" ہے جو انہیں ایک بیج سے تیار درخت کا زود دے دیتی ہے اور ایک آن دیکھا گل ہے جو تیار درخت کی جانب مجسوز رکھتا ہے یہاں تک کہ بے شمار بیج بنا دیتا ہے اور وہی قوت دراصل عشق ہے۔ عشق وہ قوت ہے جو انسان کو اس کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں سب سے زیادہ محرک ثابت ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان میں عشق اس وقت اترتا ہے جب تمنا کا بیج انسان کے من میں بودیا جاتا ہے۔ جو چیز شے یا قوت بیج کو تیار درخت بنا دیتی ہے وہی تمنا کو منزل تک لے جانے کی قوت دیتی ہے۔ انسان کا من اگر فضول خواہشات بے جا جذبات اور لامحالہ امیدوں کے جھاڑ جھکاڑ سے صاف ہوگا تو عشق تمنا کے بیج کو تیار درخت بنا دے گا جو نہ صرف بار آور ہوگا بلکہ بے شمار بیج بھی دے دے گا اس لیے صوفیاء نے تزکیہ نفس کی بات کرتے ہیں اور بلاشبہ دینِ فطرت بھی انسان سے لینی چاہتا ہے۔ جس طرح صوفیاء کھجور کا بیج ہے کہ عشق اپنی کچھ خودی عطا کرتا ہے اسی طرح عشق انسان کو بدل دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے لیکن اس سے پہلے یہ کچھ لیتا بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ عشق کسی بھی شے انسان اور رب سے بھی ہو سکتا ہے۔ بیج جس طرح کا ہوگا درخت بھی ویسا ہی اگتا ہے۔ زمین بدیافتی نہیں کرتی بھول کے بیج سے برگد نہیں اگتا اور نہ برگد سے بھول۔ بھردہ کون سی صلاحیت ہے جو انسان کو بدل کر رکھ دیتی ہے؟ وہ ہے انسان کا اپنا خیال یہ خیال ہی ہے جس سے انسان کو مطمئن ہوتا ہے کہ اس کے من میں کیسا بیج اگا ہوا ہے۔ وہ اس کی آبیاری کرتا رہتا ہے یا پھر بیج اگانے کی سعی کرتا ہے۔ اب یہ انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ بھولتا ہے یا یاد رکھتا ہے؟

چند کو یہ اعتراف تو تھا کہ اُسے راحیلہ سے محبت ہوگئی ہے اور ہرگز روتے دن کے ساتھ اس کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اُسے خود پر اختیار نہیں رہا تھا یہاں تک کہ اس کی محبت حدود عشق میں داخل ہو چکی تھی۔ یہ سدا کچھ ہونے کے باوجود اُسے اب تک اس بات کی کچھ نہیں آتی تھی کہ یہ بے اختیار محبت جو اب عشق کی صورت اختیار کرتی چلی جا رہی ہے جس کے سامنے وہ بے بس ہے۔ آخر اس کی منزل کیا ہے؟ وہ جب بھی اس بارے سوچتا اسے گھپ اندھیرے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دیتا یہاں تک کہ وہ باپوں سے بچتا ہے۔ وہ عشق ہی کیا جو انسان کو بے عمل کر

عشق قاتل ہے عشق بنا

دے۔ عشق تو ایسی قوت کا نام ہے جو انسان کو ہر لمحہ متحرک رکھتا ہے۔ جنید بھی لاشعوری طور پر متحرک رہا تھا۔ اُسے سب سے پہلا خیال ہی آیا تھا کہ راحیلہ کو ایسی زندگی سے باہر نکالنے ہے جہاں وہ مظلومی اُپے بسی اور غربت میں قید ہے۔ ایسا کرنا اس کے بس میں تھا اس نے جموت کی کہہ کر اسے ایسی زندگی سے نکال لیا تھا۔ جب بھی اُس کی سوچ راحیلہ کو پالینے کی جانب جاتی تب راحیلہ تو اسے اپنی دسترس میں دکھائی دیتی وہ جب جانتا اُسے اپنا لیتا۔ اس راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور خود راحیلہ اُس سے اپنی محبت کا اظہار کر چکی تھی۔ بس چند لفظوں پر مشتمل اپنی تمنا کا اظہار اس سے کرنا تھا اور وہ اُس کی ہو جاتی محروم خود اس راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ وہ اسے ساری دنیا کی سہولیات اور آسائشیں دے سکتا تھا لیکن اگر کچھ نہیں دے سکتا تھا تو اس کا اپنا آپ تھا۔ اس کا اظہار وہ راحیلہ سے بھی کر چکا تھا اُسے اپنی زندگی کا تقاضا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ کسی بھی لمحے کوئی بھی سنسناتی ہوئی کوئی اس کے زندگی بھرے دُجر کو موت دے سکتی تھی۔ یہ قدرت کا احسان ہے کہ انسان اپنی موت سے آگاہ نہیں ہے اور جب اسے اپنی موت کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے تب اس دنیا میں رہنے کے سارے پیمان ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اپنی زندگی کا بھروسہ نہ ہونے کے باعث جب بھی وہ راحیلہ کے بارے میں سوچتا تب ہی وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا جو اس کی زندگی کو اتنا سہل بنا دے کہ رہتی زندگی تک راحیلہ کو پھر مظلومی اُپے بسی اور غربت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان دنوں اُس کی ساری سوچ کا محور راحیلہ ہو گئی تھی۔ جاگتی آنکھوں سے نجانے کتنے خواب وہ دیکھ چکا تھا۔ وہ جو اپنے تظنی امور میں ہمیشہ شدت سے سرگرواں رہتا تھا اُس شدت کو محبت کی پکار نے بہت حد تک کم کر دیا تھا۔ وہ اس برف کے بارے میں کم سوچتا جو اس کی قیادت نے اُسے دیا تھا۔ اس سے کھل کر زیادہ اُسے راحیلہ کا خیال رہتا۔ اُس کی پوری کوشش تھی کہ اُس کی اپنی تنظیم کے کسی فرد کو اس بارے میں معلوم نہ ہو کہ اُس کا تعلق راحیلہ سے ہے۔ وہ اسے ساری دنیا سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

اس وقت بھی وہ راحیلہ ہی کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس رات کے بعد وہ پھر دوبارہ اس سے نہیں ملا تھا بس فون پر اس سے رابطہ تھا۔ اس کے امتحان شروع ہو چکے تھے اب وہ ہسپتال نہیں جاتی تھی۔ منیجہ کب کی اپنے گھر منتقل ہو چکی تھی اور راحیلہ دوبارہ ان کے گھر بھی جا چکی تھی تاکہ ان کے درمیان رابطہ رہے۔ راحیلہ کی بدولت ہماریوں کو اس کی ذہنی حالت کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو جاتا تھا۔ اس وقت وہ بھی سوچ رہا تھا کہ جب راحیلہ امتحان دے چکے گی تو پھر کیا ہوگا۔ کیا وہ اسے ہسپتال میں ملازمت کی اجازت دے دے گا؟ اس سے پہلے کہ ہاں یا نہیں کا جواب اُسے ملتا اندر سے یہی صدا بلند ہوئی کہ تم کون ہوتے ہو اسے اجازت دینے یا نہ دینے والے! کیا تم اس پر اپنی مرضی مسلط کرو گے۔ اگر تم اس پر اپنی مرضی مسلط کرو گے تو پھر تم میں اور ڈاکٹر جیل میں کیا فرق رہ جائے گا؟ اس صدا نے اُسے بے چین کر کے رکھ دیا تھا۔ اس بے چینی کی بنیاد شدید خواہش تھی جس کے تحت وہ اسے ساری دنیا کی نگاہوں سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔ وہ کیا کرے؟ یہی بات اُس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اس وقت رات کا تیسرا پہر ہو چکا تھا وہ صحت پر لینا پھلنگی اگلی صندھی ہوا میں لیکن کچھ سوچے چلا جا رہا تھا کہ اچانک اُس کا فون بج اٹھا۔ اُس نے نمبر دیکھے اور پھر ہندی سے فون کال رسور کر لی۔

”ہیلو۔۔۔ بولو کیا بات ہے؟“

”آپ نے جس بندے کی عمرانی کے لیے کہا تھا اس وقت وہ چند لوگوں کے ساتھ ایک گھر میں ہے۔ لگتا ہے ان کی کوئی میٹنگ وغیرہ چل

رہی ہے۔“

”تمہیں ایسا کیوں محسوس ہوا کہ وہاں کوئی میننگ ہو سکتی ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ گھر سے اچانک نکلا تھا، گھر اس کے پیچھے جب منیں گیا ہوں تو وہاں کے بعدو گھر سے چند گاڑیاں آئی ہیں۔ اگر وہ کچھ دیر مزید گھر سے باہر نہ نکلا تو منیں وہاں سے جانے والا تھا۔“

”اوکے۔۔ تم وہیں رہنا اگر تمہاری بہت بھی کوئی غیر معمولی حرکت ہو تو مجھے مطلع کرتے رہنا۔ آج ان کا معاملہ بھی ختم کر دیتے ہیں۔“ اس نے وجہ سے کہا۔

”ٹھیک ہے منیں اور میری ہوں۔“

اس نے یہ سن کر فون بند کر دیا پھر اس نے چھ گھنٹے فون کیا، اس دوران وہ نیچے اپنے کمرے میں آ کر تیزی سے تیار بھی ہوتا رہا، مضمین حد تک تیاری کر کے وہ گاڑی تک آیا اور پھر گھر سے باہر نکلا چلا گیا۔

طے شدہ مقام پر اس کے چھ ساتھی جمع ہو چکے تھے۔ وہیں پر اطلاع دینے والا بندہ بھی پہنچ چکا تھا اس نے ساری تفصیل بتائی وہاں کی سیکورٹی کے بارے میں جانو لیا، پھر اس جانب جمل پڑے۔ وہ علاقہ پوری طرح خاموش تھا۔ جس طرح وہ گھر روشن تھے اس گھر کی بتیاں بھی ویسے ہی روشن تھیں۔ وہ سب بڑے بڑے عمارتوں میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک اس گھر کی دیوار کے ساتھ جا گئے۔ باؤٹھری وال سے پرے لان تھا اور اس کے بعد اصل عمارت تھی۔ جنید انہیں ہر طرح سے سمجھا چکا تھا کہ کتنا کیا ہے۔ وہ سب خاموش تھے اور بڑے صبر سے اندر کی جانب نگاہیں جمائے بیٹھے تھے۔ گیٹ پر دو آدمی تھینات تھے جو پوری طرح الرٹ تھے۔ جنید نے سمجھت پر کس بندے کی موجودگی کو نظر انداز نہیں کیا تھا اس لیے ہر طرف سے عمارت ہو کر ان لوگوں کے باہر نکلنے کا لشکر تھا۔ انہیں وہاں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ گزارے ہوں گے کہ اندر سے چند افراد نکلے اور آپس میں گفتگو کرتے ہوئے گاڑیوں کی جانب بڑھے۔ جس مخصوص گاڑی کا نمبر ان سب کو معلوم تھا اس بندے کو وہ نگاہوں میں کر چکے تھے۔ ڈرائیور سمیت وہ چار لوگ تھے ان میں دو سیکورٹی گارڈ تھے۔ وہ گاڑی تیسرے نمبر پر کھڑی تھی جنید نے آخری بار ہر طرف کا جائزہ لیا اور اپنی گن نکال کر پوری طرح تیار ہو گیا۔ اس کی گاڑی حرکت میں آئی تو وہ ساکت ہو گیا۔ گیٹ کھل چکا تھا، پہلی گاڑی لگی اور زن سے سڑک پر چلی گئی، دوسری کے بعد جیسے ہی تیسری گاڑی گیٹ کے باہر آئی، جنید نے فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ وہ پورا علاقہ فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھا۔ دو تین منٹ میں وہ گاڑی گولیوں سے چھنٹی ہو گئی۔ اس گاڑی سے تو کوئی حراحت نہ ہوئی لیکن گھر سے فائرنگ کی آواز آنے لگی۔ جنید کا مقصد ان لوگوں سے ٹرانزیکشن تھا۔ جس مقصد کے لیے وہ آیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا، لہذا فائرنگ میں شدت ہونے سے پہلے ہی وہ وہاں سے چلت جانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ہدف کو ختم کر لینے کے یقین کے ساتھ ہی پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ ڈرائیور سے فاصلے پر ان کی گاڑی کھڑی تھی، وہ تیزی سے اس جانب لپکا۔ اس وقت وہ گاڑی کا گیٹ کھول چکا تھا جب ایک برست آیا اور اسے ناگہم میں جیسے کسی نے گرم لوہے کی سلاخ ڈال دی جو ایک لمبے کو وہ جھنجھٹا کر رہ گیا۔ اسے گولی لگ چکی تھی۔ یہاں لمبے کے ہزاروں حصے کن کو تھایا، اس کی ذمہ گی کو ختم کر سکتی تھی۔ لہذا اس نے سٹارٹ کھڑی کار کو اتنی تیزی سے

ختم کیا ہے عشق بتا

گیز لگایا کہ وہ خود حیران رہ گیا۔ انسان اپنی بتا کے وقت کس قدر حیرت انگیز ہو جاتا ہے اس کا انکشاف اسے ان لمحات میں ہوا۔ اس کے ساتھی وہاں سے نکل چکے تھے وہ اکیلا تھا۔ اس وقت وہ بڑی شاہراہ پر تھا۔ ابھی تک اس کے پیچھے کوئی ٹیکس تھا لیکن فون مسلسل بج رہا تھا۔ ٹانگ میں اردو کی شدت بڑھتی چلی جا رہی تھی یہاں تک کہ اسے رفتار بڑھانے میں بڑی مشکل ہو رہی تھی۔ وہ پیسے سے تر ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے فون نکالا اور پھر اسے آن کر دیا۔ دوسری جانب اس کا ساتھی تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں۔۔۔؟"

"میری چھوڑو ساتھیوں کے بارے میں بتاؤ؟" جنید نے اذیت سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں اور وہ سب ہی اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے ہیں ان کی فکر نہ کریں آپ۔۔۔؟"

"میری دائیں ٹانگ میں گولی لگ چکی ہے خون تیزی سے بہ رہا ہے اور گاڑی بڑھانے میں بہت وقت ہو رہی ہے۔۔۔ میری فکر مت کرنا ساتھیوں کو سنبھال لیتا۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ میں کہاں جاؤں۔ اسی لمحے میں اس کا فون پھر بج اٹھا۔ وہ فون کال راجیلہ کی طرف سے تھی۔ اوچانک گیا اس وقت اس کا فون کیوں آیا ہے؟ اس نے جلدی سے ریسیو کر لیا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں لیکن تم نے اس وقت۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولا۔

"آپ ٹھیک نہیں ہیں آپ کی آواز۔" وہ انتہائی تشویش سے بولی۔

"تم نے اس وقت فون کیوں کیا؟" جنید نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

"میں۔۔۔ میں نے ابھی ایک بہت بھیا تک خواب دیکھا ہے۔ آپ۔۔۔ پلیز آپ بتائیں۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔۔۔؟" وہ روہاسو انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"جیس میں ٹھیک نہیں ہوں۔۔۔" اس نے شدت درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" اس کی آواز میں جیسے آنسو تیر گئے تھے۔

"تم۔۔۔ گیٹ پر بھاگا ہوا تھا کرو۔ میں۔۔۔ اگر تم تک پہنچ گیا تو ٹھیک۔۔۔ میری دائیں ٹانگ میں گولی لگی ہے۔۔۔ اور گاڑی چلانا بہت مشکل ہو رہا ہے۔" وہ کراہتے ہوئے بولا۔

"گولی۔۔۔؟" وہ چیختے ہوئے بولی۔

"ہاں۔۔۔ میں تم تک ضرور پہنچنے کی کوشش کروں گا۔۔۔"

"نہیں آپ کہہ کر نہیں ہو سکتا۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔ آپ مجھ تک پہنچیں گے میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔۔۔"

وہ ہڈیاں انماز میں کبہ رہی تھی! انہی لمحوں میں دور کی شدت سے اُس کا پاؤں ہی ہو گیا۔ گاڑی کی رفتار ایک ذم سے کھینچی چلی تھی فون کر گیا۔ جنید نے بیک مرر میں دیکھا ایک کار تیزی سے آ رہی تھی۔

زندگی میں ایسے لمحات بہت کم آتے ہیں جب انسان کی صلاحیتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں۔ انسان یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ ان لمحات میں اس سے کیا کچھ سرزد ہوتا رہا ہے اور بعد میں جب انسان ان لمحات میں سرزد ہونے والے اعمال پر سوچتا ہے تو خود ہی دنگ رہ جاتا ہے۔ ان لمحات میں جبکہ یہ اعمال سرزد ہو رہے ہوتے ہیں وہ قطعاً نہیں سوچتا! بس لاشعوری طور پر وہ ہوتے رہتے ہیں۔ اپنی بقا کا احساس ان لمحات میں ہوتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ انسان حوصلہ نہ مارے۔ اس وقت جنید یکن کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھا۔ دائیں ٹانگ میں کھینچنے والی گولی نے کسی بھی حرکت سے معذوری ظاہر کر دی تھی وہ اپنی پوری قوت سے ٹانگ ہلانا چاہتا تھا لیکن شل ہوئی ٹانگ حرکت ہی نہیں کر رہی تھی۔ گاڑی کی رفتار کم ہو چکی تھی اور بیک مرر میں دکھائی دیتے والی گاڑی تیزی سے قریب آتی چلی جا رہی تھی۔ جس قدر یہ امکان تھا کہ یہ گاڑی ڈشمن کی ہو سکتی ہے اتنا ہی امکان یہ بھی تھا کہ یہ گاڑی کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ کوئی رسکت نہیں لیٹا چاہتا تھا۔ ایسے میں بائیں جانب سیٹ پر پرائیمل فون آن تھا اس میں سے راہیلہ کی آواز جھنسنہاٹ کی صورت میں اُس تک پہنچ رہی تھی وہ اپنی پوری پرتلاشوں کے ساتھ اُسے پکار رہی تھی۔

”ہیلو جنید!۔۔۔ آواز دو کہاں ہو آپ۔۔۔ مجھے تاؤ سنیں آپ تک پہنچ جاتی ہوں۔۔۔ اپنے بازے میں بتاؤ۔۔۔ ڈیکھو مجھ تک پہنچ جاؤ۔ میں سارے ذہن سے آپ کو چھپالوں گی۔۔۔ آواز دو پلیز۔۔۔“

جنید نے تل فون سے آتی ہوئی سرگوشیوں کو غور سے سنا پھر آکھیں بند کر کے ساری قوت کو جمع کیا۔ ذرا سی حرکت کے ساتھ بائیں ٹانگ کو ہلایا اور پھر گاڑی کی رفتار بڑھتی گئی۔ پیچھے سے قریب آتی ہوئی گاڑی ڈور ہوتی چلی گئی۔ صبح کے وقت سڑکیں صاف تھیں! اکاؤنٹ گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ جنید کے ذہن میں فقط ایک بات سائی تھی کہ اگر وہ کسی طرح راہیلہ تک پہنچ گیا تو پھر چھپ جائے گا ورنہ اُس کے ڈشمن اسے سینیں سڑک پر قتل کر دیں گے۔ وہ جو شکار کرنے گیا تھا شکار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ لہو بہ لہو اس کے قریب ہوتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس علاقے تک پہنچ گیا جہاں راہیلہ تھی۔ اُس نے تمام راستے اس بات پر توجہ ہی نہیں دی تھی کہ کوئی اُس کے تعاقب میں ہو سکتا ہے اُس کا سارا دھیان راہیلہ کی طرف تھا جو اُسے پکار رہی تھی۔ اُس کی آواز ایک قوت بن کر اُس تک پہنچ رہی تھی۔ پھر وہ اُس گھر کے قریب پہنچ گیا۔ جب اُس نے زور زور سے چلنا شروع کر دیا کہ گیت کھولو میں پہنچ گیا ہوں۔ گھر پہنچ کر اُس سے گیت کھلا ہوا اندازہ گاڑی اندر لے گیا اور تھیں اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ بمشکل راہیلہ کی طرف دیکھ سکا جو اُس کی جانب بلا رہی تھی۔ گاڑی بند ہو چکی تھی۔ راہیلہ نے دروازہ کھولا اور اُسے تمام لیا۔ اُس کی ٹانگ خون سے لٹ پٹ ہو رہی تھی۔ بھاری بھر کم جنید کا وزن راہیلہ برداشت کر رہی تھی۔ وہ اُسے اندر لے گئی اور جاتے ہی بستر پر لا دیا جائے عافیت تک پہنچ جانے کے احساس ہی سے جنید اپنے آپ میں ندر ہا اور ہوش و خروش سے بیگانہ ہو گیا۔۔۔

اُسے جب ہوش آیا تو بہت سکون محسوس کر رہا تھا۔ لگا ہوں کے سامنے سے ڈھنڈ چلتی گئی تو اُسے گزشتہ واقعات یاد آتے چلے گئے، تبھی اُس نے چمک کر اپنی ٹانگ کو دیکھا جہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اُس کے قریب ہی ڈشمن پریشی بیڈ سے سر لگائے راہیلہ سو رہی تھی۔ اُس نے کمرے کا

جائزہ لیا۔ وہ اسی کمرے میں تھا جو راحیلہ نے اُس کے لیے مخصوص کر کے سجایا تھا۔ جب وہ یہ کر رہا تھا کہ راحیلہ اس وقت سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یوں کبھی اس حالت میں یہاں آئے گا۔ سائینڈیکل پروڈاؤں کے ساتھ چل پڑے ہوئے تھے۔ پھر محوم کرنا اس کی نگاہ راحیلہ پر پڑی جو سو رہی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتا جا گیا۔ اُس کے دماغ میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں جاننے کا تجسس ابھر رہا تھا، تاکہ اُن کے بارے میں معلوم کرے۔ لیکن وہ سوئی ہوئی راحیلہ میں کھوجانا چاہتا تھا۔ کچھ دیر کے لیے ہی سہی ساری ذہنیات سے کٹ کر سہیلیں کا دور بنے کو شدت سے دل چاہ رہا تھا۔ اُس نے ہر شے ذہن سے بھلا دی اور اسے دیکھتا چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ جب کسی کی شخصیت کا تھوڑا بہت اندازہ کرنا ہو تو اسکا سوتے ہوئے مشاہدہ کرنا چاہئے۔ اس وقت بہت کچھ چہرے سے عیاں ہو جاتا ہے جو اسکی اندرونی کیفیات کا نماز ہوتا ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ راحیلہ کے چہرے پر بلا کی مصحوبیت تھی یوں جیسے کوئی بچہ نیند کی آغوش میں ہو۔ اُس نے کبھی بار اسے غور سے دیکھا۔ بند آنکھوں کی لائین ٹکٹس ستواں سی تاک پٹے پٹے گلابی ہونٹ، گداز گالوں کے ساتھ نرم میٹھوڑی، لائمی گردن کی دائیں جانب سیاہ گل آجھل میں سے جھانکتے سیاہ گیسو گلابی نائل سلید رنگت، بھرا بھرا جسم۔۔۔ وہ کبھی ہوئی بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے نیند میں تھی۔ کتنا ہی وقت یونہی گزر گیا، تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور نرسین اندر آ گئی۔ اُسے جاگتا ہوا دیکھ کر وہ ڈرا سا جھجکی پھر شرمندہ سے لہجے میں بولی۔

"اوسوری۔۔۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ جاگ رہے ہیں۔"

اس کی آواز سن کر راحیلہ ہڑبڑا کر جاگ گئی۔ اُس نے تیز رفتاری سے دونوں کی جانب دیکھا۔

"اس میں سوری کی کیا بات ہے نرسین!۔۔۔ آ جاؤ۔"

جنینہ نے کہا تو راحیلہ نے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ب کبھی طبیعت ہے۔۔۔؟"

"منس ٹھیک ہوں۔۔۔ ویسے تمہیں نہیں پتا ہے کہ میرے ذہنی حالت کیا ہے؟"

"گولی خاصی گہری چلی گئی تھی اُس نے ذہنی کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔۔۔ نیند اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔" راحیلہ نے ڈرا سا

سکراتے ہوئے کہا۔

"راحیلہ! تمہارا بہت شکر ہے۔۔۔"

جنینہ نے بول کی گیرائی سے کہا تو اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا، وہ کچھ کہتا جا رہی تھی لیکن چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔

"شکر یہ تو نرسین کا اور نہیں اُس کی مستحق ہے اور اس کی بھی ضرورت ہے اس لیے نہیں ہے کہ انہوں میں ایسا نہیں ہوتا۔"

"کیسے۔۔۔؟" وہ بولا۔ اس کے لہجے میں شرمندگی چمک رہی تھی اسی لیے وہ انتہائی انحصار سے بولا تھا۔

"تھوڑی بہت میڈیسن تو گھر میں پڑی ہی رہتی ہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ میں چہرہ زکر کے گولی نکال سکتی۔ منس نے اسے فون کر کے

صورت حال بتائی۔ یہ ڈیوٹی پر تھی! اے بھی معلوم تھا کہ آپ وہیں نہیں جا سکتے سو یہ مارے لوازمات کے ساتھ یہاں آگئی۔ صحیح مستوں میں اس نے ہی کوئی نکالی ہے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"اور میں بے ہوش رہا؟" جنید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں آپ کو بے ہوش کر دیا گیا۔ اب وقت دیکھیں کیا ہے۔۔۔؟"

نسرین نے کہا تو اس نے کھاک کی جانب دیکھا دو پہر ڈھل جانے والی تھی۔ اس پر ان میں قحطی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"ٹھیک ہونے میں کتنے دن لگ جائیں گے۔۔۔؟" اس نے دو دھوس کرتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کتنے دن میں ٹھیک ہو سکتے ہیں لیکن یہ طے ہے کہ کچھ دن لگیں گے۔۔۔" راحیلہ نے یوں کہا کہ پیسے اُسے باور کرا رہی ہو کہ سکون سے پڑے رہو۔

"میرا فون کہاں ہے؟" جنید نے پوچھا۔

"جے میرے پاس لیکن وہ آپ کو ملے گا نہیں۔۔۔ میں نے بند کر کے رکھ دیا ہے۔ چند دن تک آپ اسے دیکھ بھی نہیں پائیں گے اور وہ آپ نے اتنا بھی نہیں ہے۔"

راحیلہ نے قدرے سختی سے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھا وہ کیا تب نسرین بولی۔

"اچھا کچھ کھانے کے لیے دل چاہ رہا ہے؟"

"ہاں اب کی ہے؟" کام کی بات۔۔۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے کچھ کھانی لیں۔ پھر آپ کو سید بس بھی لینا ہے۔"

اس نے کہا اور اٹھ گئی تب راحیلہ نے اس کے چہرے کی جانب غور سے دیکھا اور اگلے ہی لمحے اٹھ کر نسرین کے پیچھے چلی گئی جنید اس کی ادوا پر مسکرا کر رہ گیا۔

☆☆

صفیہ بالکل تنہا ہو کر رہ گئی تھی اس کا سارا دن کمرے میں پڑے گزر جاتا تھا۔ وہ یہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس پر یہ وقت بھی آ سکتا ہے۔ وہ سب سے شرمندہ تھی خاص طور پر اپنی ماں ذبتخان بی بی سے جس نے قدم قدم پر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر تیمور کے عشق میں وہ نیم پاگل ہو گئی تھی۔

"کیا واقعی وہ تیمور کے عشق میں پاگل ہوئی تھی؟"

یہ سوال اکثر اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو جاتا اور وہ اکثر ہی اس سے نکالیں چرا جاتی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایسا ہے نہیں بلکہ اس مقام تک لانے میں اس کے اپنے اندر کالاج شامل تھا۔ وہ اپنی خواہشوں کے عجز میں کھو گئی تھی یہاں تک کہ اسے اپنے آپ کی بھی سمدہ بدھ نہیں رہی

تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے ارد گرد کے لوگ بھی سوچ رہے تھے کہ تیمور کی بے وفائی کا مدعا اس نے لیا ہے اور اس حال تک پہنچی گئی ہے۔ جب بار بار یہ بات اس کے سامنے ڈبرائی گئی تو اس نے بھی یہی باور کر لیا اور خود کو ٹٹلی دینے لگی حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ پھر جیسے ہی وہ ان لمحات کو سوچتی جب تیمور نے اسے دستکار دیا تھا اس کی اذیت میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا۔ اس کی بے بسی کی انتہائی تھی کہ وہ اپنے اس دکھ کے بارے میں کسی کو بتا بھی نہیں سکتی تھی۔ اس اذیت کو تنہائی نے حرید بڑھا دیا تھا۔ وہ جو اپنے پاپا کو اپنا دوست تصور کیا کرتی تھی اب ان کا سامنا کرنے سے بھی کتراتے تھی۔ پوری زندگی میں وہ کبھی یوں پولیس کی حراست میں تھا نے نہیں گئے تھے لیکن اس کی وجہ سے وہ مجرموں کی طرح تھانے لے جائے گئے۔ اسی احساس کے باعث ہواؤں میں اڑنے والی مینہ اب خود کو زمین پر بیٹھنے والا ایک کیڑا سمجھ رہی تھی۔ ان لمحات کے بارے میں جب بھی وہ سوچتی اس کے اندر آگ لگ جاتی۔۔۔ کیا وہ اس لیے بنی ہے کہ اتنا کچھ برداشت کر جائے کیا وہ اتنی کمزور ہے کہ طوفان میں بیٹھنے کی مانند اڑ جائے؟ یہ سب سوچتے ہوئے اس کی امید میں خواہشیں اور خواب بھرے اس کے سامنے آ موجود ہوتے۔ وہ ان کی جانب حسرت سے دیکھتی لیکن کچھ بھی نہ کہ پاتی کیونکہ اسے یہ پورا یقین تھا کہ سب اس سے بہت ڈر جا چکے ہیں مگر پھر بھی اس کے اندر کوئی جذبہ موجود تھا تو انتقام تھا تیمور سے انتقام! جس نے اس کی تزیل کی تھی۔ اس کے خواہوں خواہشوں اور امیدوں کی توہین کی تھی۔ اس کی ذات کو گھٹیا قرار دیا تھا جیسے کوئی نشوونما سے استغناء کر کے پھینک دیتا ہے۔۔۔ وہ یہ سب کچھ سوچتی اپنے آپ میں حوصلہ بھی باقی لیکن پھر محض سلگ کر رہ جاتی۔ تیمور سے انتقام لینے کے لیے اس کا بہت مضبوط ہونا ایک حقیقت تھی۔ اس کی سوچ کا یہی وہ مقام تھا جہاں وہ خود کو خلا میں محسوس کرتی تھی یہاں تک کہ اسے سانس لینا بھی مشکل ہوتا۔ ذرہ ذرہ تک امید کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی۔

اس کے لیے دو ہری اذیت کا باعث ہا ہوں تھا۔ جسے وہ کبھی انسانوں میں شمار بھی نہیں کرتی تھی آج وہی ان کے خاندان کا محسن قرار پایا تھا۔ وہ جو کبھی اس سے بات کرنے کے لیے ترستا تھا اور بات کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ذلیل ہو گیا تھا آج اس کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اسے ہا ہوں کی بالکل سمجھ نہیں آ سکتی تھی۔ کیا وہ کسی اپنے انتقام کے تحت ان کے قریب ہو رہا تھا کیا رشتے داری کو نبھاتے ہوئے اپنے ہی خاندان کے بزرگ کی پاسداری میں یہ سب کر رہا تھا یا پھر محض اپنے پیشہ وارانہ فریضے نبھاتے ہوئے ان کی مدد کر رہا تھا؟ پورے مگر میں اس کے بارے میں بات ہوتی ہر کوئی اپنی رائے رکھتا لیکن زخموں بی بی کی پہلے جو رائے تھی اب بھی وہی تھی کہ خون بہہ رہا حال خون ہوتا ہے جو اپنے کی مصیبت میں جوش ضرور مارتا ہے۔ وہ جس طرح سے بھی سمجھا اپنے چاچا کی مدد کو آن پہنچا ہے۔ کوئی مانتا یا نہ مانتا لیکن زخموں بی بی کی اس بات کی کوئی بھی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کرتا جس سے دھیرے دھیرے ہا ہوں اور ان کے گھر والوں کے درمیان دو تباہی نہیں رہا تھا جو کبھی ہوتا تھا اور پھر اس دن تو وہی ہو گئی تھی جب ہا ہوں کی دعوت پر اس کے پاپا اور ماما دونوں ان کے ہاں گئے تھے۔ اسے جب معلوم ہوا تو اذیت کی انتہا سے وہ خود کو لہو لہو محسوس کر رہی تھی۔ وہ خاندان جس سے وہ نفرت کرتی تھی آج انہی کے ہاں اس کے والدین گئے ہوئے تھے۔ ان کے واپس آنے تک وہ انتہائی ڈر رہے کی بے چینی میں رہی۔ اس وقت وہ ڈراٹھک روم ہی میں تھی جب وہ دونوں واپس آئے۔ اس کے پاپا کے چہرے پر تو انتہائی ڈر ہے کی سنجیدگی تھی تاہم اس کی ماں کے چہرے پر وہی وہی خوشی اور خوشنواہت پھیلی ہوئی تھی۔ سلی بھی انتہائی جنس کے ساتھ ان کی دلہنی کا اہتمام کر رہی تھی ان

کے بیٹے ہی سہی نے پوچھا۔

"ان کے ہاں جانا کیسا لگا۔۔۔؟"

اس نے انتہائی تجسس سے دونوں کی جانب دیکھ کر کہا تھا جواب چاہے کوئی دے۔ اس پر مانا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"بہت ہی اچھا۔۔۔ انہوں نے بہت ہی عزت اور احترام دیا ہے۔ اپنے پیارے پوچھنا سنی کی کسی ایک بات کو بھی منس ڈھرایا انہوں نے بلکہ میں نے اگر ذکر کرنے کی کوشش بھی کی تو وہ جال گئے۔"

"جب انہوں نے مافی ڈھرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تو آپ ایسا کیوں چاہ رہی تھیں؟" منیہ نے تنگ کر پوچھا۔

"اس لئے بیٹا کہ اگر ان کے دل میں کوئی بات ہو بھی تو اسی وقت صاف ہو جائے۔ دل میں کدورتیں رکھ کر تعلقات نہیں بچائے جا سکتے۔" زینت بی بی نے انتہائی نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے آپ نے تعلقات بنانے کی شروعات کر دی ہے؟" اس نے دھیرے سے مگر نصیحتی میں کہا۔

"اچھا تو پھر اور کیا باتیں ہوئیں وہاں پر۔۔۔؟" سہلی نے جلدی سے پوچھا کہ منیہ کی بات نظر انداز ہو جائے۔

"بہت ساری باتیں ہوئیں۔۔۔ انہوں نے تم دونوں کے بارے میں پوچھا اپنے بارے میں بتایا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے حسرت سے کہا۔ "وہ اپنے دونوں بیٹوں پر فخر محسوس کر رہے ہیں۔ سعید کی نوکری لگ گئی ہے اور وہ اچھا کام دار ہے عزت ہے اس کی لیکن ہمایوں کے لیے تو ہر وقت ڈنکا کو ہیں جس نے دنوں میں ترقی کی ہے ایک اچھا گھرنا عزت روزگار شہر میں عزت و وقار اور کیا چاہئے انہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان کی جو غربت تھی اُوں زور ہو چکی ہے۔ اب کم از کم ان کا ایشیاس تو ہے۔"

سہلی چھوٹا ہنسا سے منیہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولی جس پر اس نے ہنٹ سیکڑے ہوئے کہا۔

"وہ جو مرضی کر لیں ہر رے ایشیاس تک نہیں پہنچے پائیں گے۔"

اس پر پاپا نے غور سے منیہ کی جانب دیکھا پھر دھیرے سے بولے۔

"بات یہ نہیں ہے بیٹا! کہ وہ ہمارے ایشیاس تک کبھی پہنچے بھی پائیں گے یا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو بتایا ہے۔"

بھائی کی محنت اور تربیت نے ایک مقام تک تو انہیں پہنچا دیا ہے اب ان بچوں کی اپنی محنت ہے کہ وہ کہاں تک جاتے ہیں۔ جس طرح ہمایوں نے عمران کن انعام میں اپنے آپ کو دکھایا ہے وہ بہر حال قابل رشک ہے۔ ان کے پاس سرمایہ نہیں تھا جو وہ بزنس میں نہیں آسکا۔ اگر وہ بندہ بزنس میں بہت بہت جلد بڑی بڑی کامیابیوں تک جا پہنچے یہ میرا گمان کہتا ہے۔"

اس طرح کی حتمی بات کہنے پر منیہ کو جیسے چپ لگ گئی۔ اس کے پاپا کا تجزیہ اس کے دماغ میں بیٹھ گیا جو کالے نہیں نکل رہا تھا۔ دو جس

قدر ہمایوں کو اپنے ذہن سے نکالنا چاہتی تھی اس قدر وہ اس کے سامنے کھڑا ایک آمیز لگا ہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا وہ پتھر جو اس نے کبھی اس کے گال پر مارا تھا اس کی سفاکتی سے اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوتی تھی۔

عشق تباہ عشق بنا

اگلے دن کی شام ہی تھی جب وہ ننان کے ایک کونے میں بیٹھی یونہی خیالوں میں کھولی ہوئی تھی۔ اسکے دماغ میں کچھ دیر اگر تیرور رہتا تو اس سے زیادہ دقت ہاویں قبضہ جمائے رکھتا۔ جب وہ بے بس ہوتی تو ہنصلا کر رہ جاتی۔ اسے احساس تھا کہ اگر ایسا ہی رہا تو وہ بلاشبہ پاگل ہو جائے گی۔

"کیا سوچ رہی ہو منیہ۔۔۔؟"

سہلی نے اس کے قریب آ کر کہا تو وہ اپنے خیالوں سے نکل آئی۔

"کچھ نہیں۔۔۔" اس نے تلخی سے جواب دیا۔

"تم مانویا نہ مانو۔ یہ جتہارا فاضل سوچنا ہے، تمہیں پاگل کر دے گا۔" سہلی نے دھیرے سے مخرطوں سے کہا۔

"اچھا ہے پاگل ہو جاؤں۔ اس طرح کم از کم سوچنے کی اذیت سے تو بچ جاؤں گی۔" اس نے خودکامی کے سے انداز میں کہا۔

"نہیں منیہ! اس قدر مایوسی اچھی نہیں ہے۔ جو ہو یا تھا! اسے بھول جاؤ اور۔۔۔"

"۔۔۔ کیسے بھول جاؤں؟۔۔۔ میں بھول سکتی ہی نہیں۔ میں تو جب تک تیرور سے انتقام نہ لے لوں مجھے ہمیں نہیں آئے گا ورنہ میں

یونہی سوچتے سوچتے پاگل ہو جاؤں گی۔ مجھے معلوم ہے میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔" اس نے تیزی سے کہتے ہوئے سہلی کی جانب دیکھا، اس کے انداز میں بے بسی بھٹک رہی تھی۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ فقط سوچتے رہنے سے تم تیرور سے انتقام لے لو گی؟۔۔۔ کم از کم تیرور اٹھانے کی سکت بھی تو تم میں ہو۔ باتوں سے

میدان نہیں جیتے جاتے تمہارا سامنا ایک مضبوط مرد سے ہے۔"

"تم بتاؤ منیہ کیا کروں؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔

"منیہ! اصل میں تم نے سارے راستے خود ہی بند کر لیے ہیں کوئی ایک بھی راستہ کھلا نہیں چھوڑا لیکن اگر تم اب بھی مہر و تحمل اور کھلے دل و

ذہن سے سوچو تو بہت کچھ ہے۔ تمہارا نہ صرف وہی وقار بحال ہو سکتا ہے بلکہ تم جو چاہو سو کر سکتی ہو۔"

"کیسے۔۔۔؟" اس نے چمکتے ہوئے کہا۔

"اپنے آپ پر غور کرو اپنے ارد گرد بھاگو۔ تم تو خود سے بھی غافل ہو گئی ہو۔ مظلومی کے حصار سے نکلو۔۔۔ تم نے پڑھنا تک چھوڑ دیا جس

کا لازمی نتیجہ ہے کہ تم امتحان نہیں دے پاؤ گی جو چند دنوں بعد شروع ہونے والے ہیں۔ اس امتحان کے بعد تمہارے کتنے خواب تھے تم کتنا کچھ

کرنا چاہ رہی تھیں۔ پاپا کے ساتھ برنس میں آنا تھا تمہیں وہ سب کہاں گیا؟۔۔۔ ایک بندے کی بے وفائی نے تمہیں اس حالت تک پہنچا دیا ہے تو تم

برنس کے بڑے بڑے مسائل کو کس طرح نبھانا پڑے گی۔" سہلی نے دھیرے دھیرے سے بھگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ اگرچہ برنس میں جذباتی پن نہیں ہوتا لیکن انسان کو ہوش مند تو رہنا پڑتا ہے۔ تم ٹھیک کہتی ہو منیہ، خود سے

غافل ہو گئی ہوں۔" اس نے گہری سوتی میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"پھر ایک بات اور۔۔۔" یہ کہہ کر سہلی نے بڑے محتاط انداز میں کہا۔ "یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جن سے تم محبت کرو تمہیں ان سے محبت مل

جانے ایسے لوگ بھی تو ہو سکتے ہیں جو تم سے محبت کرتے ہیں اور تم پر اپنی محبت لٹا دیا کرتے ہیں۔ تم محبت پائیں سکیں تو کسی کی امیدوں کا سہارا بن جاؤ۔"

سلسلی نے جس انداز سے کہا تھا ان لفظوں میں کہیں ڈور اسے ہمایوں کی شہیدہ دکھائی دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے جس کو اس نے نفرت سے ٹھکرا دیا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو۔۔۔؟" سلسلی نے پوچھا۔ تو اس نے سوچتے ہوئے خود کو ذہنی کے سے انداز میں بولی۔

"کچھ نہیں۔۔۔ تمہارا شکر یہ میری بہن ا"

صغیر نے کہا اور اٹھ کھڑی وہ جلد از جلد اپنے کمرے میں موجود تہائی کے ساتھ مل بیٹھنا چاہتی تھی۔ اس کے اندر وہ ہلراٹھ کھڑی تھی جس میں کچھ کرنے کا عزم تھا۔۔۔

وہ رات گئے تک سوچتی رہی پھر ایک نتیجہ تک آ پہنچی۔ اُسے ہر حال میں اپنے خوابوں کو پورا کرنا ہے۔ اس میں اگر ہمایوں کی محبت کو بھی اسے استعمال کرنا پڑا تو وہ کرے گی۔ پہلے تو فقط اس کا مقصد اس سچ کا معیار زندگی تھا جس کا خواب اس نے دیکھا تھا اب اس میں تیور سے انتظام بھی شامل ہو گیا تھا۔ سلسلی نے ہمایوں کی محبت کی جانب اشارہ کر کے بہت اچھا کیا تھا وہ اس محبت کو تھیڑا کر کے طور پر استعمال کر سکتی تھی۔ اس لئے فیصلہ کر لیا اور مسکرا دی۔۔۔ وہ اٹھی اور اس نے فیصلے سے اپنی کتاب لکائی امتحان پاس کرنا اس عزم کا پہلا مرحلہ تھا۔

☆ ☆ ☆

میرے خواب ریزہ ریزہ

جو چلے تو جن سے گزر گئے جیسے خوبصورت ناول کی مصنفہ بابا فک کی ایک اور خوبصورت تخلیق۔ میرے خواب ریزہ ریزہ کہانی ہے اپنے "عال" سے غیر مطمئن ہونے اور "شکر" کی نعمت سے محروم لوگوں کی۔ جو لوگ اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں وہ زمین سے آسمان تک پہنچ کر بھی غیر مطمئن اور محروم رہتے ہیں۔

اس ناول کا مرکزی کردار زینب بھی ہمارے معاشرے کی ایسی ایک عام لڑکی ہے جو زمین پر رہ کر ستاروں کے درمیان چلتی ہے۔ زمین سے ستاروں تک کا یہ قاصدا اس نے اپنے خوش رنگ خوابوں کی راہ گزار پر پھل کر طے کیا تھا۔ بعض سطر منزل پر پہنچنے کے بعد شروع ہوتے ہیں اور انکشافات کا یہ سلسلہ اذیت ناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے رستوں کا تعین بہت پہلے کر لینا چاہیے۔ یہ ناول کتاب گھر دستیاب ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

ہر آنے والے دن کے ساتھ ہمایوں کی پریشانی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ پچھلے کئی دن سے وہ جنید کو فون کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اب وہ کوئی عام سا بندہ تو نہیں رہا تھا کہ شہر میں گردش کرنے والی خبروں اور افواہوں کو نظر انداز کر دیتا۔ اخبار میں پڑھی خبر کے ساتھ ہی وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ یہ کارروائی کن لوگوں کی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد جنید کا یوں غائب ہو جانا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ کہیں وہ؟ --- یہ خیال آتے ہی وہ حیرت آگے سوچنے کی سمت ہی نہ کر پاتا۔ بات یہ نہیں تھی کہ اس کے کیریئر میں کہیں کوئی ٹوڑ پھوڑ والی کیفیت پیدا ہو جانے کا امکان تھا بلکہ اسے اپنے محسن سے ایک طرح سے دل لگاؤ ہو چکا تھا۔ وہ شخص جس نے اسے زمین پر بیٹھنے والا ایک کپڑا بننے سے بچا لیا ایک پر وقار اور باعزت پہچان حاصل کرنے کی جانب گامزن کر دیا اس کے لیے تو وہ اپنی جان تک دینے کے لیے بھی تیار تھا اور پھر جس طرح پچھلے چند ہفتوں سے وہ اس پر احسان و احسان کرنا چلا آ رہا تھا اس نے تو اس کی ذات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ اس کے لیے پریشانی فطری ہی بات تھی۔ اس نے راحیلہ کو کئی بار فون کر کے جنید کے بارے میں پوچھا تھا مگر اس نے بھی جنید کے بارے میں لاطینی کا اظہار کیا تھا۔ --- آخر وہ کہاں جا سکتا ہے اس کی یہ پریشانی بہت حد تک بڑھ گئی تھی۔

اس صبح بھی وہ اپنے چیمبر جا بیٹھا لیکن اس کا سارا اوجھان جنید کی جانب تھا۔ ابھی اسکی لگاؤ اخبار پر پڑی۔ حکومت نے بعض تنظیموں پر پابندی عائد کر دی تھی اور کئی جگہوں پر پکڑ دھکڑ اور پھانسیوں کا سلسلہ بھی چلتا رہا تھا۔ بہت سارے لوگ گرفتار ہو گئے تھے۔ یہ خبر پڑھ کر اسکی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ اسے احساس ہوا کہ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ اسے اپنا کیریئر بھی داؤ پر لگتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ بات جب اسکی اپنی ذات تک آ پہنچی تو اسے کچھ بھی سمجھائی نہ دیا۔ اسکے پاس کوئی ایسا نمبر یا کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ کوئی معلومات کسی سے لے سکتا۔ فوجی طور پر وہ شدید قسم کے دباؤ میں آ گیا۔ اسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ --- جب یہ دباؤ تھوڑا بڑھا تو اس نے سارا کام چھوڑ دیا اور راحیلہ کو فون کر دیا۔

”کیسے ہیں آپ۔۔۔؟“ راحیلہ نے عام سے انداز میں پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔ تم کہاں ہو؟“ اس نے تیزی سے جواب دیتے ہوئے سوال کر دیا۔

”میں گھر پر ہی ہوں۔“ اس نے بتایا۔

”اچھا میں آ رہا ہوں۔۔۔“

اس نے کہا اور پھر بغیر کچھ سے فون بند کر دیا۔ اگلے ہی لمحے اٹھا اور اخبار کھڑکڑا کر اپنی کار تک چلا گیا۔ --- تھوڑی دیر بعد وہ راحیلہ کے سامنے بیٹھا تھا۔

”میں بہت پریشان ہوں۔ آخر وہ مجھے کدھر ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں مجھے۔۔۔؟“ ہمایوں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں کہا۔

”آپ کو تو معلوم ہے کہ وہ ہوا کی مانند آتے ہیں اور پھر اسی طرح چلے جاتے ہیں۔ میں ہمیشہ ان کا انتظار ہی کرتی رہ جاتی ہوں۔۔۔“

اب آپ نے جو خبر سنائی ہے تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں بھی انتظار کرنا چھوڑ دوں۔“ راحیلہ نے عام سے انداز میں جواب دیا۔

"راجیلہ! وہ میرے محسن ہیں اور میں انہیں بھول نہیں سکتا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب میں ان کے لیے کچھ کرتا اور مجھے کرنا بھی چاہئے لیکن میں کیا کروں! میرا ان سے رابطہ ہی نہیں ہے۔" ہالیوں کے بچے میں ڈکھ بھرا تھا۔

"اب سوائے انتظار کے اور کیا ہو سکتا ہے۔" راجیلہ دھیرے سے بولی۔

"اچھا تمہارے امتحان کیسے ہوئے۔؟" ہالیوں نے ایک دوسری طرح سے بات کا آغاز کیا۔

"ٹھیک ہو گئے ہیں نتیجاً نے گا تو پھر نوکری کروں گی۔" اس نے ہالیوں کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جہاں پریشانی چمک رہی تھی۔

"جنید نے کچھ سوچا ہوگا تمہارے بارے میں۔ انہوں نے کبھی بات کی؟" ہالیوں نے پوچھا۔

"یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" راجیلہ نے تیزی سے سوال کیا۔

"اس لیے کہ تم نے تعلق پریشانی نہیں ہونے میں ہوں یہاں پر۔۔۔ جب تک ان کا کوئی پہنچنا کوئی بھی مسئلہ ہو یا کوئی پریشانی مجھے بتانا۔۔۔" ہالیوں نے غصوں سے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر آپ اپنی سے کہوں گی۔"

راجیلہ نے دھیرے سے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"اب مجھے اجازت۔ میں چلا ہوں۔"

"کم از کم چائے تو پیتے جائیں۔ ابھی تو آئے ہیں آپ۔؟" راجیلہ نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں پھر کسی وقت سہی۔ دراصل مجھے اس وقت تک چینی نہیں آئے گا جب تک میں ان کے بارے میں معلوم نہ کروں۔ مجھے بہت فکر ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ باہر کی جانب چل دیا راجیلہ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

☆☆

"جنید! مجھے کچھ نہیں آئی یہ بات کہ آپ اس سے بھی کیوں خود کو چھپا رہے ہیں۔" راجیلہ نے بیڈ پر پڑے جنید کی جانب گہری لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے اٹھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم بیٹھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔"

اس نے ٹی ڈی کا ڈالیم کم کرتے ہوئے کہا۔ راجیلہ اس کے بیڈ کے ساتھ دوسری کرسی پر بیٹھ گئی تب وہ اپنی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"میں ماننا ہوں کہ وہ بہت باصلاحیت نفلز اور اچھا انسان ہے لیکن راز دہنی ہوتا ہے جو اپنے تک محدود رہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ

اسے معلوم ہو جانے کی صورت میں وہ کسی کو بتا دے گا! ایسی بات نہیں ہے لیکن ہر جانب یہی جھٹس رہے کہ میں کہاں ہوں! یہی بہتر ہے۔"

"مجھے تو آپ کی بات کچھ شش نہیں آ رہی ہے۔" اس نے پھر وضاحت طلب لگا ہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"منیں زخمی ہوں سو اس وقت بنے بس ہوں۔ کچھ نہیں کر سکتا منیں، ٹھنک چاہتا کہ کوئی بھی میری بے بسی دیکھے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے راحیلہ کی جانب دیکھا اور پھر بڑے ہی عجیب سے لہجے میں بولا۔ "یہ تم بھی جان لو جس دن اس بات کا یقین ہو گیا کہ منیں اب دوسروں کے سہارے پر ہوں وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

"اللہ نہ کرے۔۔۔ آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں؟" راحیلہ نے تڑپ کر کہا لیکن من میں خوشی کی لہر نے اسے سرمست کر دیا تھا کہ وہ اسے اپنا سمجھتا ہے کوئی غیر نہیں۔

"منیں اس لیے ایسا سوچتا ہوں کہ حالات ایسے ہیں۔ کوئی دوسرے کا ذرا سا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تو پھر منیں کیوں کسی پر بوجھ بن جاؤں؟" جنید نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔

"لگتا ہے ان دنوں میں آپ نے خاصا اوت پٹا لگ کر پناہ شروع کر دیا ہے۔۔۔ چھوڑیں! اس موضوع ہی کو چھوڑیں۔" اس نے اکتاتے ہوئے کہا۔

"منیں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ جس طرح کی زندگی میں بسر کر رہا ہوں اس میں۔۔۔"

جنید نے کہنا چاہا لیکن راحیلہ نے اس کی بات کا سچے ہوئے کہا۔

"کیا ہے آپ کی زندگی کو ابھی بھلی گزر رہی ہے اور انسان نے اس دنیا سے اس وقت ہی جانا ہے جو اس کا وقت سمین ہو چکا ہے تو پھر اس کا کیا ڈر؟۔۔۔ مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کا خوف نے گھیر لیا ہے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔۔۔ منیں نے زندگی کا ایک ہی پہلو دیکھا تھا لیکن اب جبکہ منیں نے زندگی کا حقیقی پہلو دیکھا ہے تو وقت میری دسترس میں نہیں رہا۔ اس کا مجھے ہنسوں بنے خوف نہیں اور سچ پوچھو تو راحیلہ منیں نے یہ دن جو تمہارے ساتھ گزارے ہیں میری زندگی کے خوبصورت اور پیارے دن ہیں۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ زندگی اتنی خوبصورت بھی ہوتی ہے۔ کوئی کسی پر یوں بھی اپنا آپ وار سکتا ہے منیں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔ راحیلہ تمہارا اور میرا کیا ناتا ہے جو تم نے میرے لیے دن رات ایک کرو یا؟"

"منیں نے کوئی احسن نہیں کیا اور اگر منیں نے ایسا کیا ہے تو آپ کے لیے خود اپنے لیے کیا ہے۔ منیں آپ سے محبت کرتی ہوں اور اس کے عوض منیں آپ سے محبت کی طلبگار نہیں ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"چند دن یہاں ٹھہرنے کے بعد منیں پھر سے چلا جانا چاہتا تھا لیکن آج کی جو خبر ہے کہ حکومت نے تنگیوں پر پابندی لگادی ہے اس سے مجھے یہاں ٹھہرنے کا اور حوازل مل گیا ہے۔"

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا تو راحیلہ نے پہلو تکی کرتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن بات پوری تھی تمہاریوں کی اس سے۔۔۔"

"ہاں ذرا اب نہیں۔۔۔ نہیں اس سے تعلق تو زہن تو نہیں چاہتا اس چند دن اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ میرا معاملہ ہے نہیں دیکھ لوں گا۔ تم پریشان نہیں ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔"

راحیلہ نے کہا اور وہاں سے اُٹھنے لگی تو جنید نے کہا۔

"میرا فون تو مجھے دے دو۔۔۔"

"ابھی لاتی ہوں۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ فون سیٹ کے ساتھ آگئی۔ جنید نے اسے آن کہا مگر ہائیون کا نمبر تلاش کر کے اسے پیش کر دیا۔ دوسری طرف فون اٹھایا کیا۔

"کہاں ہیں آپ۔۔۔؟" دوسری طرف سے ہائیون نے اتنی شدت سے پوچھا کہ وہ خود بھی حیران رہ گیا۔

"میں ایک بہت ہی محفوظ جگہ پر ہوں۔۔۔ میں زخمی ہوں اس لیے باہر نہیں نکل پا رہا ہوں۔" جنید نے دھیرے سے کہا۔

"جنید بھائی ایسی وقت ہے کہ ہم آپ کے کام آسکیں۔ خدا کے لیے مجھے بتائیں آپ کہاں ہیں؟ میں آپ کو لے آتا ہوں۔ آپ یہاں زیادہ محفوظ رہیں گے۔" اس نے رد ہانسو ہوتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں میں یہاں محفوظ ہوں۔ اب میں تمہارے ساتھ رابطے میں رہوں گا۔" اس نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کی مرضی ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا نہیں ہے۔" ہائیون نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

"تم سمجھتے نہیں ہو۔۔۔ میرے معاملات کو مجھ پر ہی چھوڑ دو اور تم کسی بھی پریشانی کے بغیر اپنے سفر جاری رکھو۔ تمہیں کہیں بھی رکاوٹ نہیں آئے گی۔ یہ جو ایک نئی لہر میں لگی ہے یہ کسی تبدیلی کا پیش خیمہ ہے۔ جہاں تک ان پابندیوں کی بات ہے یہ پابندیوں ہم جیسے لوگوں کے لیے نہیں ہوتیں۔ ہمارا کام یونگی چلا رہتا ہے۔ جب بھی مناسب ہوا میں تم سے رابطہ کروں گا۔ تم پریشان بہت ہونا۔"

یہ کہہ کر اس نے چند اور دائمی باتیں کہیں اور فون رکھ دیا۔

"اب کیوں رابطہ کیا۔۔۔؟" راحیلہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس لیے کہ وہ پریشان نہ ہو۔۔۔" پھر اس کی جانب دیکھ کر یولا۔ "دوسری سب سے اہم بات یہ ہے راحیلہ! کہ اب میں نے ایک نئی دنیا بنانے کے لیے اپنی راکٹ کا انتخاب کر لیا ہے۔"

یہ سن کر راحیلہ مسکراتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی چلی گئی۔ پھر کوئی بات کہنے کے بغیر لہرا کے کمرے سے باہر نکلتی جیسے اسے اپنی محبت کے اثر پذیر ہونے کا یقین ہو گیا ہو۔

☆☆

اس شام زینون بی بی ڈرانگ روم میں بڑے خوشگوار موڈ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی طوفان آیا تھا اور آنے کے بعد چانگ مٹم گیا ہو۔ اس شام سلی اور صفیہ قریب ہی کے ایک گھر میں مہندی کی تقریب میں گئی تھیں۔ اسے خوشی اس بات کی تھی کہ صفیہ نہ صرف اب معمول پر آ گئی ہے بلکہ اس کا وہ یہ پیلے والا لٹیکس رہا تھا۔ وہ اب اسے زیادہ وقت دیتی تھی اس کی باتیں سنتی اور خود کو ویسا ہی بنا کر رکھنے کی کوشش کرتی جیسا زینون بی بی بی چاہتی تھی۔ اسی لیے وہ اب صفیہ کے مستقبل کے بارے میں اپنے ہی انداز سے سوچنے لگی تھی۔ یہ سوچ دیکھی ہی تھی جیسے اس معاشرے کی عام باتیں سوچتی ہیں۔ وہ چاہ رہی تھی کہ سلی اور صفیہ دونوں کی شادی کر دی جائے مگر وہ اپنے بیٹے فاخر کو بیاہنے کی لیکن زینون بی بی کے سامنے یہی مسئلہ تھا کہ وہ انہیں کہاں بیاہے؟ --- اس کی دونوں بیٹیوں کی سوچ میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔ سلی ایک عام سی کھریڑ کی تھی۔ اس کے بارے میں زینون بی بی کو پورا یقین تھا کہ جس گھر میں بھی جائے گی وہاں اچھے جھٹ ہو جائے گی لیکن صفیہ کے وہاں میں جو ختم ہو رہا تھا وہ اسے ہمیشہ خوف زدہ رکھتا تھا اور اس کا نتیجہ بھی سب کے سامنے آ گیا۔ شروع ہی سے زینون بی بی کے ذہن میں یہی تھا کہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو انور بھائی کے گھر میں بیاہ دے گی۔ اسے یہ احساس تھا کہ اس گھر میں دونوں بیٹیاں سسکی رہیں گی اسی لیے وہ اس گھر سے رابطہ رکھنا چاہتی تھی لیکن صفیہ کی نفرت اور اس کے شوہر اصغر علی کے غرور نے ایسا نہ ہونے دیا۔ ان دنوں وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی تھی۔ وہ جو بات کہتی تھی وہی سچ ثابت ہوتی تھی۔ اصغر علی نے بھی اب کبھی اس کی بات سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ تقریباً دو مہینے پہلے جب وہ انور علی کے گھر ہو کر آئے تھے تب زینون بی بی نے اپنے شوہر سے بات کی تھی۔

"اگر آپ نہ مانہ نامیں تو میں ایک بات کہوں؟" زینون بی بی نے ویرے سے پوچھا۔

"بولو۔ میں سن رہا ہوں۔" اصغر علی نے اس کے بچے سے کوئی اہم بات بھاڑتے ہوئے کہا۔

"اب جبکہ انور بھائی کے ساتھ ہمارے تعلقات اچھے ہو گئے ہیں اور ماشاء اللہ ان کے بیٹوں نے کافی حد تک خود کو نفرت سے نکال لیا ہے تو کیوں نہ ہم اپنی بیٹیوں کے بارے میں سوچیں۔" اس نے کافی تھا تا انداز میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو بیٹیجی!۔۔۔ جہاں تک سلی کا معاملہ ہے وہ تو ٹھیک ہے لیکن صفیہ شاید ان کے ساتھ نہ مل سکے۔ میں سمجھتا ہوں اس بات کو۔۔۔" اصغر علی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ایسے میں یہ تو ممکن ہے کہ ہم فقط سلی کے لیے ہی بات کریں اور صفیہ کے لیے کہیں دوسری جگہ دیکھ لیں لیکن۔۔۔" زینون بی بی نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن کیا۔۔۔؟" اصغر علی نے پوچھا۔

"کیا ہاں چھوڑ دوں ایک ہی گھر میں چلنی جائیں مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے صفیہ کو ذہنی طور پر تیار کر لیں۔ آپ بھی مدد کریں تو پھر کوئی بات آگے بڑھائیں۔"

زینون بی بی نے اصغر علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "تب وہ بارے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تم بات کر کے دیکھ لو یا پھر جیسا تم مناسب سمجھو گی مجھے منکوں ہوگا۔"

اس دن کے بعد سے زینون بی بی نے منیہ پر بہت زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی اور بھی اپنے دل کا حال اُسے بتانے لگی۔ زینون بی بی نے یہی سمجھا کہ اب جو اس نے ایک جھکا کھایا ہے اسے منکوں لگی ہے تو وہ سنسبل لگی ہے۔ پھر اُس نے سوچ لیا کہ وہ منیہ سے بات کرے گی کہ اس کا عندیہ کیا ہے پھر کوئی بات آگے بڑھائے گی۔

اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں منیہ ہی کے انتظار میں تھی۔ ان دونوں بہنوں کو مگھے ہونے کا کافی وقت ہو گیا تھا۔ جب تک وہ آئیں وہ انہی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ سلی عام ان کیوں کی طرح خوش تھی جبکہ منیہ کا چہرہ ستا ہوا تھا جیسے وہ جذبات سے عاری ہو۔ زینون بی بی کے من میں ذکے کی ایک لہر اتر گئی۔ آخر وہ اس منیہ ہی کا ذکر برداشت نہیں کر پائی تھی اس لیے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"خیر یہ تو ہے بنی۔۔۔؟"

"منیں کبھی نہیں امی آپ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں؟" منیہ نے جواباً بات سے انداز میں پوچھا۔

"ادھر آؤ مہرے پاس بیٹھو۔ زینون بی بی نے پیار سے کہا تو منیہ اُسکے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ سلی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ پہلے ہی منیہ کے روکھے پن سے اُسٹائی ہوئی تھی۔" منیہ بیٹی! کیا بات ہے تم اس قدر سعید دی کیوں ہو رہی ہو۔ کیا وہاں جانا تمہیں اچھا نہیں لگا؟"

"نہیں امی وہاں سب ٹھیک تھا۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ ایسے شور شرابے میں جاؤں۔ یہ ہنگامے مجھے بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔" اس نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

"اؤ تو یہ بات ہے۔" زینون بی بی نے بنگارا مہرتے ہوئے کہا۔ پھر چند لمحے توقف کے بعد بولی۔ "دیکھو بیٹی! زندگی میں اچھے نرے دن خوشیاں اور غم ذکے آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی زندگی ہے لیکن اپنے اندر ایک ہی موسم کو بسائے رکھنا یہ فطرت نہیں ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا میری بیٹی! اسے ذہن سے اتار رکھو۔ اسی زندگی پڑی ہے کیوں اپنے آپ کو گھن لگا رہی ہو؟"

"منیں کہا کر دل امی! منیں جتنا یہ سب بھولنا چاہتی ہوں اتنا ہی مجھے یاد آتا ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ اس نے مجھے کھوکھلا دیا اور اس کا ذہن سے کوئی بھی ٹیپا نہ بھستتا نہیں پڑا۔" وہ دیر سے بولی۔

"یہی بات تم خود سوچو۔ اگر تم نے دھوکہ کھایا ہے تو سارا الزام اس پر نہ دھرو اس میں تم بھی شامل نہیں لیکن اب یہ ساری جمع تفریق کرنا اور پھر جزا و سزا کی بات کرنا فضول ہے۔ منیں کہتی ہوں! اسے مت سوچو۔ اپنے مستقبل کے بارے میں غور کرو۔ تم نے امتحان دے لیا، کچھ عرصے بعد تمہارا نتیجہ آ جائے گا۔ پھر تمہارے پاس کئی راستے ہیں چاہو تو آگے تعلیم حاصل کرو یا اپنے پاپا کے ساتھ برنس میں چل جاؤ جو تم ہمیشہ کہتی آئی ہو۔ برنس ہو یا تعلیم و جنوں کے لیے تمہیں اس موجود سوچ سے نجات لینا ہوگی ورنہ تم کچھ نہیں کر پاؤ گی۔" اس نے بڑے جارے سے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے منیں سوچوں گی کتاب مجھے کیا کرنا ہے۔" منیہ دیر سے بولی۔

"بیٹی! منیں ایک بات کہوں۔" زینون بی بی نے بڑے ہی محتاط انداز میں پوچھا۔

”بی بی امی۔۔۔!“ وہ چونکتے ہوئے بول۔

”بات یہ ہے کہ بنی جتنی مرضی لکھ پڑھ جائے۔ بزنس یا کسی بھی شعبے میں جتنی مہارت حاصل کر لے اسے لازمی طور پر ایک دن اپنا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جانا ہوتا ہے ورنہ معاشرہ اسے وہ مقام نہیں دیتا جس کا وہ حقیقت میں حق رکھتی ہے اور یہ معاشرہ اسے وہ تحفظ نہیں دیتا جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ فطری ضرورت سے زیادہ اب یہ معاشرتی مسئلہ بن کر رہ گیا ہے اس لیے میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ تم جو بھی کرنا چاہو کرو لیکن شادی کے بعد۔۔۔ یقین جانو تمہاری زندگی بدل کر رہ جائے گی۔“ زینون بی بی نے اسے بڑے ہی تحمل سے سمجھایا۔

”امی آپ ہمیشہ سے یہی کہتی چلی آ رہی ہیں لیکن آپ یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ اس بندھن کے لیے دو انسانوں میں وہی ہم آہنگی ہونا بہت ضروری ہے ورنہ بعد میں تو انسان بچھتا ہے۔“ صفیہ نے اپنی ماں کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں تمہیں غلط نہیں کہتی بلکہ تمہاری بات کسی حد تک ٹھیک ہے۔ یہ والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ دیکھ بھال کر اطمینان کرتے ہیں تو معاملہ آگے بڑھتا ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہارے لیے ہمایوں کا انتخاب کیا اور تمہارے نزدیک اس کی غربت سب سے بڑی خرابی رہی ہے مگر آج وہ غریب نہیں رہا۔ جس طرح وہ آگے بڑھ رہا ہے جتنی تیزی سے اس نے اپنا مقام بنایا ہے اس میں صلاحیتیں ہیں تو اس نے اپنا مقام بنایا ہے اور آگے وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ تم اس کے ساتھ شادی کرو یا نہ کرو یہ ایک الگ معاملہ ہے لیکن تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتی ہو کہ اس نے خود کو منوالیا ہے۔۔۔ تمہیں شاید یاد ہوگا کہ ایک بار پولیس اسے پکڑ کر لے گئی تھی تب تمہارے باپ نے صرف اپنے اسٹینس کے باعث اسے پولیس سے چھڑوانے کے لیے انکار کر دیا تھا لیکن پھر وہ وقت بھی آیا کہ وہی ہمایوں تمہارے باپ کو پولیس حراست سے لے کر آیا۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتی کہ اس وقت تمہارے باپ کا غلط فیصلہ تھا یا درست لیکن میں تمہیں یہ یاد کرانا چاہتی ہوں کہ حالات کن وقت بھی بدل سکتے ہیں اور اس بدلنے ہوئے وقت میں اپنا ہی کام آتا ہے۔“ وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھاتی چلی گئی۔

”تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ہمایوں سے شادی کر لینی چاہیے۔؟“ صفیہ نے لرزتے ہوئے لہجے میں خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”میرا مشورہ اور رائے یہی ہے آگے تم اور تمہارا باپ بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔“ زینون بی بی نے پھر حفاظ انداز میں بات ایسی چھوڑ دی۔

”لیکن جس طرح ان کے ساتھ اور خصوصاً ہمایوں کے ساتھ میرا رویہ رہا ہے۔ ایسے میں وہ مجھے تو کیا اس خاندان کو بھی قبول نہیں کریں گے۔“ صفیہ نے دھیرے سے کہا۔

”وقت اور حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ بین نوب کے ذہن میں اب بھی ویسا ہی سب کچھ ہے بالکل ایسی طرح جیسے میں یہاں رہ کر سوچتی ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں اس بات کو چھوڑتی ہوں۔ پھر دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔“ زینون بی بی نے وہ بے جذبے جوش سے کہا۔

”لیکن اگر تمہوں نے آپ کی سوچ کو قبول نہ کیا تو کیا جنگ نہیں ہوگی؟ بلاشبہ وہ اپنا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔“ صفیہ نے اپنی ماں سے ایک نئے پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ فقط تمہاری سوچ ہے تمہارے اندر کا خوف ہے۔ اگر میں نے ایسا محسوس کیا تو میری بی بی اتن مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ ہر تم جو کہو گی میں دیکھا ہی کروں گی۔"

زینون بی بی نے حسی سے انداز میں کہا تو منیہ نے چند لمحے توقف کے بعد کہا یا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ میں آپ کے کسی بھی فیصلے سے اختلاف نہیں کروں گی۔"

اس نے کہا تو زینون بی بی کے چہرے پر خوشی پھیل گئی جبکہ منیہ اپنے غور پر بہت کچھ سوچ چکی تھی مگر دیکھا نہیں جیسا زینون بی بی چاہتی تھی۔

☆ ☆

اس صبح راحیلہ نماز فجر ادا کر چکی تو حسب معمول لیکن میں چلی گئی۔ اس نے ناشتہ بنایا اور جنید کے کمرے میں چلی گئی۔ اس دن خلاف معمول وہ ابھی تک جاگے نماز پچھائے بیٹھا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور جسم ساکت تھا۔ ایک لمبے کے لیے تو وہ کانپ کر رہ گئی۔ پچھلے تو وہ ہمیشہ کرسی پر یا سوئے پر بیٹھا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں قرآن پاک یا بھر کوئی حدیث مبارکہ کی کتاب ہوتی تھی مگر اس لمحہ اس کے سامنے جو جنید تھا وہ اسے کسی اور ہی دنیا کی حقوق دکھائی دے رہا تھا۔ بچانے وہ اس وقت کس طرح کی کیفیت میں تھا۔۔۔ راحیلہ نے ٹرے و جیر سے سے میز پر رکھی اور بے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آگئی۔ شاید جنید نے اس کی مہک محسوس کی تھی اس لیے آنکھیں ہوں کھول دیں جیسے کوئی گیانی اپنے گیان سے باہر آتا ہے اس نے ذرا سا رخ پھیر کر راحیلہ کی جانب دیکھا تو دلہرتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"آج آپ بہت اچھے لگ رہے ہو۔"

راحیلہ نے یوں کہا تھا جیسے وہ محض بات کرنا چاہ رہی ہو۔ اس پر جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ میں خود بھی محسوس کر رہا ہوں کہ اب مجھے اچھا لگنا چاہیے۔"

"ہائیں یہ کیا بات کی آپ نے۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولی۔

"راحیلہ! بہت غور و فکر کرنے کے بعد آج میں نے ایک فیصلہ کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ فیصلہ مجھے کر لینا چاہیے۔" جنید نے کھوئے لہجے میں کہا۔

"کیسا فیصلہ۔۔۔؟"

راحیلہ نے پوچھا تو جنید نے غمور سے لہجے میں یوں شروع کیا جیسے اس کے لفظ لفظ میں اعجاز و آواز ہو۔

"انسان اپنی زندگی میں بچانے کتنے فیصلے کرتا ہے ان میں کچھ ڈرست ہوتے ہیں اور کچھ غلط بھی ہو جاتے ہیں۔ دراصل یہ انسان کا اپنے ماحول کے ساتھ سمجھوتہ ہوتا ہے۔ انسان جو سوچتا ہے کبھی اسے معاشرہ قبول کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔ یہ ایک فرد کی سوچ ہوتی ہے جو کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ کر فیصلے کی صورت اختیار کرتی ہے۔ یوں فیصلے بھی کبھی قبول ہو جاتے ہیں اور کبھی قبول نہیں ہوتے لیکن۔۔۔ لیکن انسان کو سکون کہاں ملتا ہے"

عشق بنا ہے عشق بنا

اس کے سن میں اطمینان کیسے آتا ہے؟ جب فیصلے ہمارے اپنے ہیں ہم اپنے اندر سے کرتے ہیں جن کی بنیاد میں ہماری خواہشیں امیدیں اور خواب ہوتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ یہ سوچیں کہ آخر ہم کیا چاہتے ہیں؟

”آپ کیا سوچ رہے ہیں؟“ وہ حیرت زدہ ہی بولی۔

”میں بالکل ٹھیک سوچ رہا ہوں راجیلہ! انسان کے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے جب اسے اپنے نظریات پر نظر ثانی کرنا پڑتی ہے۔ میں نے ان دنوں میں بہت سوچا ہے کیونکہ میرے پاس سوائے سوچنے کے اور کوئی دوسرا کام ہی نہیں تھا۔ ایسا اس لیے نہیں ہوا کہ میں زخمی ہو کر بے بسی کی حالت میں بستر پر آن پڑا ہوں ایسا تو پہنچنے کی بار ہو چکا ہے مگر اب شاید وہ وقت آگیا ہے کہ جب میں سوچوں کسی بھی جذبے کے بغیر نفاذ حقیقت کی دنیا میں رہتے ہوئے۔۔۔ میں بار بار موت کے منہ سے لگتا ہوں۔ گولیاں لگیں زخمی ہوا حالات میں بے انتہا تشدد برداشت کیا۔ تب مجھے اپنے نظریات پر نظر ثانی کی خواہش کبھی پیدا نہیں ہوئی۔“

”ایسا کیوں نہیں ہوا تھا؟“ وہ دیر سے بولی۔

”اس لیے کہ تب میرے سن میں محبت نہیں جاگی تھی۔ میں اب تک عقیدت میں سب کچھ کرتا چلا جا رہا تھا اس میں مشق نہیں آتا تھا۔۔۔ ہمارے مقصد کی بنیاد کیا ہے حقیقی مشق کیا ہے؟ یہ ذرا درست ہے کہ ایک مسلمان کی ایمانی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اسلامی نظریات پر آٹھ آنے دے لیکن کیا یہ میرا حق نہیں کہ میں یہ سوچوں کہ جس راستے پر میں جا رہا ہوں وہ درست ہے؟ وقت اور حالات کا تقاضا کیا ہے؟ ایسا تو نہیں کہ ہم زبردستی ایسے راستے پر دھکیل دیے گئے ہوں جو سیدھا نہیں ہے۔ وہ راستہ جو نبی رحمت نے ہمیں دکھایا خود چلے اور ہمیں اس پر چلنے کی تلقین کی۔ خاتم المرسل گو خود رحمت العالمین ہیں۔ جب مشق رسول من میں آتا ہے تو پھر نظریہ رنگ بگن تبدیل ہو جاتا ہے۔ تب جنگ نہیں کی جاتی بلکہ فتنہ دور کرنے کے لیے جہاد کیا جاتا ہے۔ اصل مقصد اللہ کی عسکرانی اس زمین پر نافذ کرنا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ سن میں مشق رسول بھی ہو اور دنیا پر اللہ کی عسکرانی نہ ہو پائے۔“

”یہ کیا سوچ رہے ہیں آپ۔۔۔“ راجیلہ نے پھٹی پھٹی دیکھی دیکھی ہون سے اس کی جانب دیکھا۔

”میں ٹھیک سوچ رہا ہوں۔۔۔ تو اس وقت اٹھائی جاتی ہے جب گفتگو کا امکان نہ رہے اور فتنہ سرچڑھ جائے۔ جس معاشرے کا میں فرد ہوں میرے اس میں کیا فرائش ہیں اور اس سے بھی پہلے ہمیں سوچنا ہے کہ وہ کون سے امکانات ہیں جن سے فتنہ ڈور کھا جاسکتا ہے۔ ذرا جدید میں بہت سارے کا ڈکھل گئے ہیں۔ کیا ہم صحیح اسلامی پیغام عوام تک پہنچا پائے ہیں یا محض ہم شخصیت پرستی تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیا فرد اور اجتماعیت کی ذمہ دار ہیں الگ الگ کر کے ہیں؟ پہلے خود کو مضبوط کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے اندر کا وہ جلتہ جو فریب ملامت کو لوٹ رہا ہے ان پر ظلم کر رہا ہے، سارے وسائل پر قابض ہے، ان کے خلاف علم بغاوت نہیں اعلان جہاد کیوں نہیں کیا جاتا، کیا جہاد کے لیے قربانیاں دینا ایک مخصوص طبقے ہی سے ہے، کیا پھر پلٹ کر ان کے خاندان کی نگہداشت کرنے والا کوئی ہے؟ ان کی بیٹیوں، بیواؤں کا آسرا کون ہوگا؟ ہمارے اپنے ہی معاشرے کی اجتماعی سوچ کس سمت میں جا رہی ہے۔ ہمیں اندر سے مضبوط ہونا ہے۔ خیر۔۔۔“ وہ یہ کہہ کر ایک لمحے کے لیے ڈکا اس نے طویل

سائس کی اور پھر تھی سے لہجہ میں بولا۔ "اسے چھوڑ دو یہ میرے من کے معاملات ہیں۔ میں نے آج ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ۔۔۔؟"

راحیلہ پوری جاہن سے لرزے ہوئے بولی کہ نہ جانے وہ کیا بات کہہ دے۔ وہ چند لمحوں کے چہرے پر دیکھتا رہا پھر میرے سے بولا۔

"میں تمہارے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں۔"

"نکاح۔۔۔؟" راحیلہ کی آواز میں سرسراہٹ سی تھی۔

"ہاں نکاح۔۔۔ کیونکہ اگر میں ایک چھوٹے سے رہتا ہے تو ایسا لازمی ہے۔" وہ بولا۔ اگرچہ یہ ایک سوہومتی دلیل تھی لیکن اصل بات کیا

تھی وہ دونوں اچھی طرح سمجھتے تھے۔

"کیا فیصلہ اس لیے کیا ایک چھوٹے سے رہنا ہے؟" راحیلہ نے استہانہ بقتیس سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ بلکہ اس لیے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اس کی جانب دیکھتا رہا۔ راحیلہ کچھ بھی نہ بولی تو اس نے کہا۔

"کسی کو پرستے بغیر یقین کر لینا اور کسی کو پرکھ کر یقین کر لینے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تم نے بنا پرکھے مجھ پر اعتماد کیا اور میں نے تمہیں پرکھ

کر۔۔۔ اس سے زیادہ میرے پاس کہنے کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔ تم بناؤ کیا نہیں تمہیں قبول ہوں؟"

جنینہ نے کہا تو راحیلہ کے چہرے پر حیرت، خوشی اور بے یقینی کے طے جملے جذبات پھیل گئے۔ کتنے ہی لمحوں میں بیت گئے تب وہ خواب

آگئیں لہجہ میں بولا۔

"میں نے تو آپ کو پوچھنے کب سے اپنا مان لیا ہے۔ میں آپ کی مرضی میں خوش ہوں۔"

"لفظ میری مرضی نہیں تمہاری رضا بھی ضروری ہے؟" وہ بڑے ہی احماد سے بولا۔

"جی۔۔۔ میں راضی ہوں۔" اس نے دہیرے سے ہلکے جھکاتے ہوئے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔۔۔ آج شام تیار رہنا میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔"

جنینہ نے کہا اور اٹھ گیا۔ راحیلہ کے من میں خوشیوں جگمگا اٹھی تھیں۔ ان لمحوں کے تصور ہی سے وہ غلاؤں میں اڑنے لگی جہاں اپنے

وجود کا احساس ہی نہیں رہتا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ منزل اس قدر جلدی اس کے پاس خود پیش کر آ جائے گی۔

سہ پہر تک گھر میں خوب رونق ہو گئی تھی۔ نسرین جو زلف پہنچ گئی رضیہ نے مچن سنبھال لیا۔ اس دن راحیلہ کی ماں کے چہرے پر پہلی بار

رونق آئی تھی ورنہ پہلے تو وہ یوں اس گھر میں رہتی تھی جیسے قید کات رہی ہو۔ جنینہ اپنے بیروں پر چل کر ڈرانگ روم میں آ بیٹھا تھا جبکہ راحیلہ اپنے

کمرے میں تھی وہ اس کا سامنا ہی نہیں کر پاری تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ نسرین جو زلف کمرے میں آئی اس کے ہاتھ میں چند

بڑے بڑے شاؤنک بیگ تھے۔

”راحیلہ! تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو؟“

”تو پھر اور کیا کروں؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ڈرائنگ روم میں ہمایوں صاحب اور ان کے ساتھ دو بندے آگئے ہیں رضیہ کا خانا بند بھی ہے۔ اب بس تمہارا انتظار ہے۔ تم جلدی سے

تیار ہو جاؤ۔ یہ شاپنگ بیگ تمہارے لیے ہمایوں صاحب لے کر آئے ہیں۔“

”نسرین! سنیں! ان مردوں میں نہیں جاسکوں گی۔“ راحیلہ نے تیزی سے کہا۔

”نہ کی لیکن تم تیار تو ہو جاؤ۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”سنیں تیار ہو جاتی ہوں مگر وہاں نہیں پلیز۔۔۔!“

دو گھبرائے ہوئے انداز میں بولی تو نسرین چند لمحوں سے دیکھتی رہی پھر پلٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب راحیلہ وہ شاپنگ بیگ میں آئی

ہوئی چیزیں دیکھ چکی تھی اور وائسے پر ہانگی سی دستک ہوئی اور اس کے ساتھ نسرین اندر آ گئی۔

”کلاح خواں کے ساتھ ہمایوں صاحب آئے ہیں۔۔۔“ وہ اسے تیزی سے بتا کر باہر کی جانب دیکھ کر بولی۔ ”آ جا نہیں۔“

آواز سننے ہی ہمایوں کلاح خواں اور ایک مرد اندر داخل ہوئے انہوں نے دھمکا کر آئے۔ ایجاب قبول کے لیے پوچھا اور وہاں سے پلٹے

گئے۔ مغرب کے بعد تک نسرین اور رضیہ نے جی بھر کے راحیلہ کو جایا سنوارا۔ وہ ڈیٹین بنی بہت سی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ تیار ہو چکی تھی کہ

اس کی ماں کرے میں آئی اور تھی ہی دیر تک اس کے سامنے بیٹھی! سے یوں دیکھتی رہی جیسے اپنے ذہن میں کھلی آنکھوں سے دیکھے گئے خواب ڈہرا

رہی ہو۔ کافی دیر تک لپٹی دیکھتے رہنے کے بعد راحیلہ کے سر پر ہاتھ بھیرتے ہوئے بولی۔

”جیتتی رہو بیٹی! سدا سبھی رہو۔۔۔“

اس کے لمحوں میں کچھ ایسا تھا کہ راحیلہ اپنی ماں کے گلے لگ کر رونے لگی یہاں تک کہ اس کی ٹانگ بندھ گئی۔ جب وہ خوب جی بھر کے رو

چکی تو اس کی ماں نے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹی! مجھے تم پر فخر ہے کہ تم نے میرا مان رکھا۔ یہاں آ کر نہیں خوش نہیں تھی لیکن میں آگئی سنیں تمہاری مجبوریاں سمجھتی ہوں۔ یہ تمہاری

نکس مہری مجبوریاں ہیں۔ میرے پاس غربت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ خیر۔۔۔ اب جیندہ جیسا بھی ہے جو بھی ہے تمہارا اجازتی خدا ہے۔ آج

سے پہلے تک میں اس کے بارے میں اچھا نہیں سوچتی تھی لیکن اس نے مہری سوچ بدل دی۔ تم بیٹی! اپنی ہر سانس اس کے نام کرو یا۔ یہی عزت والی

بیٹیوں کی شان ہوتی ہے۔ اللہ تمہیں آہاد رکھے۔“

”امی!“

یہ کہہ کر وہ دہار داپنی ماں کے گلے لگ گئی۔ وہ چند لمحوں کی بیٹھ تھکتی رہی پھر اسے الگ کرتے ہوئے بولی۔

”بس بیٹی! بس۔۔۔ تم اپنی ہی زندگی کی شروعات کرو اللہ تمہارا تمہارا نگہبان رہے۔“

”آداب تمہیں زحمت کریں۔۔۔“

رضیہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ حیران رہ گئی پھر لسنز کی جانب دیکھا تو اس نے بھی اشارے سے غصہ یہ دے دیا۔ وہ دونوں اسے جینے کے کمرے میں لے گئیں جہاں ایک نیا سا لاکر ہوا تھا۔ پورا کمرہ پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ جی ہوئی سچ نے اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا۔ خوشبوؤں میں بسے کمرے میں دو اہل ہوئی تو اس کی ذرا تک سرشار تھی۔

☆☆

ہاں اس شام بہت مضطرب تھا۔ وہ اس طرح کی ابھی ہوئی سوچوں میں گھرا ہوا تھا جن کا نہ کوئی سراوا لگائی دیتا تھا اور نہ ہی ابن کی سمجھ آ رہی تھی۔ کسی بھی ایک سوچ کو اگر وہ تمام لیتا تو ذرا سا آگے جا کر ایک نئی سوچ اس کا ہاتھ تمام لیتی۔ اسے احساس تو تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی ایسے مقام پر آکر آدھا گا جب اسے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ صفیہ کے بارے میں اس کا رویہ کیا ہوگا؟ اور یہ احساس اس دن شدت اختیار کر گیا تھا جب وہ اپنے چاچا کو پولیس اسٹیشن سے لے کر آیا تھا۔ جتنی چھوٹی کن بات تو ہر بندہ سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی احسان مند ہو جائے اور دوسرے کو خود سے بھاری مسووس کرے تو اس کا جھکاؤ ہی جانب ہو جاتا ہے۔ وہ بھی سمجھتا تھا حالات بالکل بدل کر رہ گئے تھے۔ اب تو اس کے اپنے گھر والوں کا رویہ بھی بڑی حد تک صفیہ اور اس کے گھر والوں کے بارے میں نرم تھا۔ زینون بی بی تیسرے چوتھے دن ان کے گھر کا پھر ضرور لگاتی تھی دسبے دسبے انداز میں صفیہ کے متعلق باتیں بھی ہونا شروع ہو گئی تھیں لیکن وہ خود مطمئن نہیں تھا۔ وہ کوئی فیصلہ ہی نہیں کر پارہا تھا کہ آخر وہ کیا چاہتا ہے؟۔۔۔ اس کے سامنے دو طرح کی باتیں تھیں۔ کیا وہ صفیہ سے اب بھی عشق کرتا ہے؟ اسے چاہتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی وہی خواہش رکھتا ہے یا پھر اس کی اپنی ترجیحات بدل چکی ہیں۔ غربت کے اس دور میں اس کا اپنا ڈون ڈنا وسیع نہیں تھا جتنا اب تھا۔ وہ کسی بھی خاندان سے اپنا تاجروٹنے کے بارے میں سوچ سکتا تھا جسے وہ اپنی دسترس میں سمجھتا۔ دولت اب اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہی تھی۔ دوسری بات اس کے سامنے یہ تھی کہ اگر نقطہ صفیہ کا حصول ہی مقصد تھا تو پھر اپنی منت اور ریاضت این کے لیے تھی؟ وہ اگر رغبت نہیں کر سکتی تو اس کا یہ حق کیوں نہیں مانا جاتا۔ وہ کسی سے زبردستی محبت تو نہیں کروا سکتا یہ تو من کن بات ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اب تک کی منت اور ریاضت اسی کی وجہ سے کی گئی ہے تو اب حاصل بھی کر لیتا جاوے کیونکہ صفیہ کے حصول کی خواہش ہی اسے یہاں تک لے کر آئی تھی چاہے اس خواہش میں انتہائی جذبہ ہی کارفرما تھا۔ وہ جیسے ہی اس طرح کے فیصلے کے قریب پہنچتا تب اسے یہ سارا کھیل ہی مٹھکے خیر لگتا کیونکہ اگر صفیہ ہی کو جھکا تا مقصد تھا تو وہ جھک چکی تھی۔ پچھلے چند دن سے فون پر کافی باتیں ہو چکی تھیں۔ ان باتوں میں صفیہ کی یہ خواہش بھی شامل تھی کہ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی ہیں۔ وہ لڑکی جو کبھی اس سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتی تھی اب خود ملنا چاہتی ہے۔ اس کا مقصد تو پورا ہو چکا تھا۔ اب اس کا انتظار کیوں؟۔۔۔ کیوں ہار ہار اس کا خیال آتا ہے کیوں ہر فون کال کے بعد اس کا دل ہلک اٹھتا ہے کیوں اس کی یاد ہار ہار آتی ہے؟ وہ اسی اضطراب میں تھا اور کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پارہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ملنے کے لیے صفیہ کو وقت نہیں دے رہا تھا کیونکہ وہ خود اندر سے مطمئن نہیں تھا۔

اس شام بھی وہ اس لیے مضطرب ہو گیا تھا کہ دوپہر کے بعد صفیہ کا فون آیا تھا۔ کچھ دیر کی باتوں کے بعد اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی

تمی اور وہ حسب معمول مصروفیت کا بہانہ کر کے نال میا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ — پھر اچانک اسے یوں لگا جیسے وہ اس مسئلے کو حل کرنے کا۔ اس نے فون اٹھایا اور جنید کے نمبر ملا دیئے۔

”کیسے یاد آگئی ہماری انہا یوں صاحب ---؟“ جنید نے تمہیدی باتوں کے بعد خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

”جب بھی کوئی ابلہمن ہوتی ہے تو میں آپ ہی کو یاد کرتا ہوں۔“ ہا یوں نے انتہائی سنجیدگی میں دھیرے سے کہا۔

”مطلب کوئی ابلہمن ہے۔۔۔“

جنید ہنستے ہوئے بولا تو ہا یوں نے دھیرے دھیرے ذہن میں آنے والی سوچیں کہہ دیں آخر میں بولا۔

”مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ آپ مجھے کیا کرنا چاہتے؟“

”میرے خیال میں تو یہ بات کوئی اتنی زیادہ ابلہمن والی نہیں ہے اور فرض کیا اگر ابلہمن والی ہے بھی تو اسے کوئی دوسرا نہیں سلجھا سکتا۔ ایسا

میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کا فیصلہ تم نے خود کرنا ہے۔“ جنید نے سنجیدگی سے کہا۔

”دعی تو --- میں سوچ سوچ کر تھک چکا ہوں۔ میں جس قدر سوچتا ہوں اس قدر ہی اُلجھ جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سوچوں

سے ---“

”نہ نہیں --- میری جان! کوئی دوسرا جب تمہیں کوئی رادہ دکھائے گا تو پھر وہ فیصلہ تمہارا اپنا نہیں رہے گا۔ چاہے جتنا بھی غلط سمجھا مشورہ

ہو وہ ایک رادہ کا تعین کرے گا۔ صنفی رادہ معاملہ تمہارا اپنا ہے یہ تو من سے کیا جانے والا فیصلہ ہے۔ سوچو ایک ایک بات پر سوچو۔ اس میں جتنا

مرضی وقت لگ جائے لیکن جب کوئی فیصلہ کر لیا تو پھر ہرے دل سے اس پر عمل کرنا۔ اس طرح تم کبھی خود سے شرمندہ نہیں ہو گے۔“ جنید نے

سمجھاتے ہوئے کہا۔

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں مجھے ایسے ہی کرنا چاہئے لیکن وہ وقت جو مجھے سوچنے کے لیے چاہئے اس میں سکون ہوگا تب نا! --- وہ

ہر فون کال میں ملاقات کی خواہش کرتی ہے ایسے میں ---“

”یار! تم سمجھتے کیوں نہیں ہو اور پھر تم کیسے سیاستدان ہو تمہیں ہر بات سمجھانے کی ضرورت ہے۔ میرے بھائی! اگر وہ تم سے ملاقات

کی خواہش ہے تو اچھی بات ہے۔ ایک اچھے سیاستدان کی مانند اپنی رائے یا فیصلہ نہ دو بلکہ اس کا رویہ جانچ کر وہ تمہیں کیا تاثر دینا چاہتی ہے۔ --- وہ

باتوں میں سے ایک بات ہوتی ہے یا تو وہ تمہارے قریب ہونے کی کوشش کرے گی یا پھر وہ تم سے درخواست کرے گی کہ تم اس کی ڈنیا میں سے نکل

جاؤ۔ --- اس وقت وہ مجبوری کی حالت میں ہے۔ مجبور چاہے کوئی عورت ہو یا پھر قوم نہ وہ اپنا فیصلہ نہیں دے سکتی۔“ جنید نے اسے تفصیل سے سمجھانے

کی کوشش کی۔

”مجھے ڈر اس بات کا نہیں ہے کہ وہ میری ڈنیا سے چلے جانے والی کوئی بات کرے گی بلکہ میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ وہ میری

زندگی میں آنے کی بات نہ کرے۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اس کے پاس میرے علاوہ اب کوئی آپشن نہیں ہے اور ---“

"ظلمتھی ہے تمہاری۔ اُس کے پاس بہت آپشن ہیں۔ وہ کیا ہو سکتا ہے میں اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ جو

رنجی ہوتا ہے اُس کا انتقام کے جذبہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں ابھی اُسے دیکھوں آپ کھوں اور جانوں کہ وہ کیا چاہتی ہے؟" ہناریں سوچتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال تو یہی ہے۔۔۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان حالات میں بلکہ مجبوری والے حالات میں اُس کے من میں تمہارے لیے محبت پھوٹ

پڑی ہو۔ محبت کے ظہور کے لیے ماحول میں کشمکش نہیں ہوتی۔" جنید نے آہستہ سے کہا۔

"چلیں ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔" وہ حتمی سے لہجہ میں بولا۔

"بالکل۔۔۔ اس طرح تمہیں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی اور ویسے بھی ابھی حالات نے کوئی ایسی واضح صورت اختیار نہیں کی

ہے جس پر تم کوئی حتمی بات کہہ سکو۔ ابھی تو سب کچھ ذہن میں ہے ایسے میں اگر تم کوئی فیصلہ کر کے تو وہ قہر اڑو گے۔ اُس نے اپنی رائے دے

دی۔

"اوکے۔۔۔ میں اُسے ملاقات کا وقت دیتے ہوں۔ پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔"

اس نے جیسے ایک فیصلہ کر لیا۔ پھر چند انوداعی باتوں کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔۔۔

جنید سے بات کر کے ہاتھوں ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ وہ غبار جو اس کے دماغ میں اٹھا ہوا تھا دھیرے دھیرے بیٹھ چکا تھا۔ یوں منظر کافی حد

تک واضح ہو جانے کے بعد وہ مطمئن ہو گیا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب انسان ایک جانب سے مطمئن ہو جائے تو آگ دوسرا پہلو اس کے سامنے

واضح ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اسے جنید بہت ہی پر سکون محسوس ہوا تھا۔ اس کی پرسوج گنگو، ظہیر اور انداز اور نرم لہجہ دیکھ کر کوئی بندہ بھی یہ محسوس

نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کبھی تار یک رازوں کا راز ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے سوچا کہ یہ حالات ہی ہیں جو انسان کو بدل کر رکھ دیتے ہیں اگر وہ رنجی نہ ہوا ہوتا

تو شاید وہ راحیلہ کے اتنے قریب نہ ہوتا۔ ممکن ہے پہلے اُسے راحیلہ میں وہ سب کچھ دکھائی نہ دیا ہو جو اس کی قربت نے اُس پر واضح کر دیا۔ یوں جنید

بڑے سکون سے ایک فیصلے تک پہنچ گیا اور اُس نے راحیلہ سے شادی کر لی۔ ممکن ہے اس کے ساتھ بھی ایسا ہو جیسا کہ حالات بتا رہے ہیں صغیرہ خود

اس سے ملنا چاہتی تھی۔ صغیرہ نے حالات تجزیہ کیا تو سوائے اس کے کوئی بھی دکھائی نہ دیا ہو۔ وقت کی ٹھوکر انسان کو بہت کچھ سکھا جاتی ہے۔ اس طرح

خود بھی اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے وہ اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کر کے اپنی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کر لے جس کے لیے اس نے جدوجہد کا یہ

سفر طے کیا تھا اور اس مقام تک آ پہنچا تھا کہ جہاں سے سفر اس کے سامنے تھے اور وہاں اس کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اہم بات یہی تھی کہ اس کی قربت میں

تھوڑا وقت گزارا جائے۔ پھر صورت حال کیا بنتی ہے اس کے مطابق فیصلہ کر لیا جائے۔ اس نے سوچا اور ایک طویل سانس لی پھر سامنے مہر پر پڑا

ہوا سیل فون اٹھایا اور صغیرہ کے نمبر ڈائل کر دیے۔

☆☆

صنیہ جہاں اس بات پر خوش تھی کہ ہاویوں نے خود فون کر کے اسے بلایا ہے وہاں وہ حیران بھی تھی کہ اس نے بات کرتے وقت ایک شرط بھی عائد کر دی تھی۔ ہاویوں نے اسے شہر کے سب سے مہنگے ہوٹل میں بلایا تھا لیکن ساتھ میں یہ بھی کہا تھا کہ وہ جب بھی آئے پہلے اپنی والدہ زینتوں بی بی سے اجازت لے اور اسے بتا کر آئے۔ سب کچھ طے کرنے کے بعد وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگی جب اس نے ہاویوں سے ملنا تھا اور پھر وہ شام آگئی۔ وہ تیار ہو کر ہوٹل کے استقبال پر پہنچی۔ جہاں اس نے اپنا نام بتا کر ہاویوں سے ملنے کے بارے میں کہا تو ایک خوش شکل خاتون میزبان نے ویسی ہی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اسے ساتھ لیتے ہوئے چل دی۔ لفت کے ذریعے وہ سوئیٹ تک پہنچیں جو بہر حال صنیہ نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"خوش آمدید صنیہ۔۔۔!"

ہاویوں نے صوفے سے اٹھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ نروں سی صنیہ اس کی جانب دیکھتی رہی پھر وجہ سے سلام کیا ہاویوں نے جواب دیتے ہوئے سامنے صوفے کی جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تب تک وہ میزبان لڑکی پلٹ کر اس جگہ چلی گئی جہاں مختلف مشروب پڑے ہوئے تھے۔ وہوں کے درمیان خاموشی تھی۔ جب وہ میزبان لڑکی ان کے سامنے مختلف مشروب رکھ کر چلی گئی تو ہاویوں نے یہ کہہ کر خاموشی توڑی۔

"لیجئے۔۔۔"

صنیہ ابھی تک اس ماحول کے زیر اثر تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے کزن ہاویوں سے نہیں کسی اجنبی امیر زاوے سے ملنے کے لیے آئی ہے۔ اس نے ہاویوں کی طرف دیکھا جو چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کی جانب مسلسل دیکھ رہا تھا۔ اس پر وہ مزید نروں ہونے لگی۔ اسے کچھ نہ سوجھا تو بولی۔

"یہ اتنا مہنگا۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ مخلص باتیں کرنے کے لیے آپ نے اس قدر مہتمام کر ڈالا؟"

"کہتے ہیں کہ اچھے ماحول میں اچھی باتیں سوچتی ہیں اور میں تم سے اچھی اچھی باتیں ہی کرنا چاہتا ہوں۔" ہاویوں کے لہجے میں بڑی حد تک خوشگوار ہمت تھی۔

"میں بھی خوشگوار باتیں ہی کرنا چاہوں گی لیکن یہ اچھی اچھی باتیں تو کسی اور عام ہی جگہ پر بھی ہو سکتی تھیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"میں تم پر اپنی اہمیت یا دولت کا زہب نہیں بھاننا چاہتا اور نہ ہی میرا مقصد تمہیں مرحوب کرنا ہے۔" وراصل نہیں اس ملاقات کو بہت اہم اور یادگار بنانا چاہتا ہوں اس کا نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو۔"

ہاویوں نے گہری سنجیدگی سے کہا اور مشروب کی جانب اشارہ کیا۔ صنیہ نے ان مشروبات کی جانب دیکھا اور پھر ان میں سے اپنی پسند کا گلاس اٹھالیا۔

"ہاں یہ بات درست ہے کہ میں اس ملاقات کو بہت یادگار بنانا ہوگا جو ظاہر ہے ملنے ملانے تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس میں کوئی اہم فیصلہ کیا جائے گی وہ یادگار بنتی ہے۔" صنیہ کا اعتماد کچھ کچھ بحال ہو چلا تھا۔

”ہاں ہونا تو ایسے ہی چاہئے خیر۔۔۔ تم بتاؤ مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہی تھیں؟“ ہمایوں نے فوراً ہی مدعا پر آتے ہوئے کہا۔
”میں اپنے سابقہ رویے پر حضرت کرنا چاہتی تھی۔ وہ حالات۔۔۔“

منیہ نے کہنا چاہا لیکن ہمایوں اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔۔۔ ”ماضی تن گئے ہیں اور میں انہیں بھول چکا ہوں۔“

”اچھی بات ہے لیکن میں نے خود کو بھی تو مطمئن کرنا ہے۔ میں ایسا اس لیے نہیں چاہ رہی ہوں کہ میرے اور آپ کے گھروالے کیا سوچ رہے ہیں۔ آئندہ وہ نہیں حالات کیا ہوں گے۔ لیکن پھر بھی۔۔۔“ وہ کہتے کہتے رک گئی۔

”میں سمجھا نہیں کہ آئندہ حالات سے تمہاری کیا مراد ہے؟“ وہ تجسس سے بولا۔

”کل کے بارے میں کس نے جانا کچھ بھی ممکن ہے۔۔۔“ وہ بات کو گول کر گئی۔

”ہاں تم ٹھیک کہتی ہو اور میری خیالی ہے کہ تم اسی تناظر میں کوئی بات کہنا چاہتی ہو۔“ ہمایوں نے وجہ سے کہا۔

”ہاں۔۔۔“ یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے اس کی جانب دیکھتی رہی پھر وجہ سے بولی۔ ”ہمایوں اور اصل آج تک مجھے کسی نے سمجھا ہی

نہیں۔ میں ایک عام لڑکی جیسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی میرے اپنے خواب ہیں اور میں انہیں اپنے سامنے حقیقی صورت میں دیکھنا چاہتی ہوں جو میرا حق ہے لیکن یہ معاشرہ مجھے میرا حق کیوں نہیں دیتا؟“ آخری لفظ کہتے ہوئے وہ ذرا سی تلخ ہوتی تھی۔

”اپنے خوابوں کے حصول کے لیے کوشش کرنا ہی تو جہدِ وجد ہے۔ ماحول معاشرہ اور حالات کے ساتھ ہی تو تہرہ آ زما ہوا جاتا ہے۔ اگر یہ

رکاوٹیں نہ ہوں تو ہر بندے کے خواب خواہشیں اور امیدیں پوری ہو جائیں اور وہ بہت آسانی محسوس کرے۔ اس راہ میں تو مجھ نے کتنی ٹھوکریں دھوکے اور فریب ہوتے ہیں مگر انہی راہوں میں کامیابیاں بھی ہیں۔ اب تو یہ جہدِ وجد کرنے والے کی نگاہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں کیا پاتا ہے؟“

”لیکن میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے اس راہ پر چلنے ہی نہیں دیا جا رہا۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”کس نے روکا ہے؟“ اس نے بھی جواباً تیزی سے کہا اور پھر بولا۔ ”خیر جب انسان کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اندر سے مضبوط

ہوتا ہے تو وہ مقصد پا لیتا ہے اور یہ بھی شرط ہے منیہ! کہ ماحول معاشرہ اور حالات اسی وقت سازگار ہوتے ہیں جب وقت اور سمت کا تعین کر لیا جائے۔ جب ہم اس کا خیال نہیں کریں گے تو کامیابی ہاتھ میں نہیں آتی۔“ ہمایوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر گلاں واہنس

رکھ دیا۔

”میں آپ کی بات سے انکار نہیں کرتی! اس سے پوری طرح متعلق ہوں لیکن۔۔۔“

”لیکن کیا۔۔۔؟“ وہ وجہ سے بولا۔

”دیکھیں میں باغی میں آپ کے ساتھ اپنا رویہ اچھا نہیں رکھ پائی ہوں اور اس وقت میں شرمندہ ہوں لیکن اگر انصاف سے دیکھا

جائے تو میں غلط نہیں تھی۔ مجھے اپنی سوچ نیلے اور اختیار کا بھی تو حق ہونا چاہئے۔ اب بھی اگر مجھے میری مرضی کے بغیر دھکیلا جا رہا ہے تو پھر وقت تو میرے لیے ٹھہرا ہوا ہے؟“ اس نے کافی حد تک اکتا دے کہا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب کہیں یہ تو نہیں ہے کہ اب جو ہم دونوں کے والدین سوچ رہے ہیں انہیں ویسا نہیں سوچنا چاہیے؟" ہمایوں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ممکن ہے ان کی سوچ درست ہو اور یہ بھی کہ درست نہ ہو مگر یہ ہونا اور نہ ہونا بعد کی بات ہے۔ اس سے پہلے اس بات کا تعین کر لینا چاہئے کہ جن لوگوں کے لیے وہ سوچ رہے ہیں آیا ان کے لیے سوچا بھی جائے یا نہیں؟" وہ اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں تمہاری بات سمجھ گیا کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو لیکن سوال یہ ہے کہ تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟"

اس نے کمریدنا چاہا۔ اس پر صفیہ بہت حد تک غلط ہو گئی۔ اصل میں وہ ہمایوں سے یہی بات کرنا چاہ رہی تھی یہی وہ نکتہ تھا جس پر وہ اپنے تعلق کی بنیاد رکھنا چاہ رہی تھی اس لیے یہ نہ بول سکتے ہوئے بولی۔

"دیکھیں ہمایوں! ہر انسان کی زندگی میں کچھ ترجیحات ہوتی ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ ترجیحات وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل بھی ہوتی ہیں لیکن کچھ اتنی اہم ہوتی ہیں کہ ان سے آگے دیکھا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ ایک منزل کی مانند ہوتی ہیں جسے سر کر لینے کے بعد ہی اگلی منزل کا خیال آتا ہے۔" صفیہ نے اپنا کٹنگا گاہ اس پر واضح کرتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" ہمایوں نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"میں جب بھی اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی ہوں یا اپنے مستقبل کا خیال کرتی ہوں تو میں اپنے آپ کو ایک بزنس وومن کے طور پر دیکھتی ہوں۔ یہ میرا خواب ہے اور اسے میں پورا کرتا چاہتی ہوں۔ آپ بتائیں کیا ایسا خواب دیکھنا غلط ہے یا میرا حق نہیں؟" اس نے جذباتی لہجے میں پوچھا۔

"ٹھیک ہے یہ تمہارا حق ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا تاکہ وہ اپنی بات جاری رکھے۔

"اب لازمی بات ہے وہی پہلا میرے لیے ترجیح رکھتے ہیں جو میرے خواب کے لیے معاون ثابت ہوں گے۔ اب معاشرہ حالات یا پھر ماحول مجھے دوسری راہ پر دھکیل دینے کی کوشش کرے تو مجھے مزاحمت تو کرنی چاہئے نا! — اب میری اس مزاحمت کو میری بنیادوں سمجھ لیا جائے تو یہ انصاف نہیں ہے۔" وہ بہت زیادہ جذباتی ہوئی تھی۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے تمہارے پاپا نے تمہارا پورا پورا ساتھ دیا ہے اور دے رہے ہیں۔" ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

"لیکن ماما نے ہر قدم پر نکتہ چینی کی میرا حوصلہ پست کیا اور مجھے اس راہ سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔" یہ کہتے ہوئے وہ چونک گئی پھر تیزی سے بولی۔ "مجھے معلوم ہے اس پر سوال کیا جاسکتا ہے کہ پھر نتیجہ کیا رہا؟ میں نے تیور جیسے شخص کے ہاتھوں دھوکا کھایا لیکن یہ سراسر ایک الگ معاملہ ہے۔ جس وجہ سے ماما اس تعلق پر نکتہ چینی کرتی تھیں میں نے وہ سب کچھ تو نہیں گنوا یا۔۔۔" اس نے اشارے میں بات کہی۔

"لیکن پھر بھی صفیہ! جس شخص نے تمہاری حوصلہ افزائی کی اسے بھی تکلیف ہوئی تو کھ پہنچا اور اذیت کے مراحل سے گزرنا پڑا۔" ہمایوں نے تیزی سے کہا۔

"میں مانتی ہوں کہ یہ مہری نعلی تھی لیکن مہری مزاحمت نے مجھے ایک ایسی راہ پر ڈال دیا۔ ممکن ہے منہن اس راہ میں اپنے سب کچھ گنوا بیٹھی اگر میرے پاپا کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی۔" یہ کہتے ہوئے وہ چند لمحوں کے لیے یوں خاموش ہو گئی جیسے کچھ کہنے سے قبل وہ اپنے اندر بہت جھج کر رہی ہو۔ چند لمحوں بعد وہ بولی۔ "جس طرح منہن نے ترجیحات بدلنے کی بات کی ہے۔ مہری زندگی میں اس خوفناک واقعہ کے بعد کچھ ترجیحات بدل ہی ہیں البتہ میرے خواب نے اب بھی میرا چچا نہیں چھوڑا بلکہ وہ مزید مضبوط ارادے کے ساتھ میرے من میں سما گیا ہے۔ منہن صاف لفظوں میں کہوں گی کہ منہن اب بھی ایک بزنس وہ من کے طور پر خود کو منوانا چاہتی ہوں اور اس میں شادی کر کے ایک گھر سامنے کا قہور بہت معمولی سا لگتا ہے۔" منہن نے بالآخر کھل کر بات کرنے کی ضمان لی اس لیے اس نے صاف طور پر اپنا مدعا کہہ دیا۔

"یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے منہن! اگر تمہاری زندگی میں کوئی ایسا شخص آ جائے جو تمہارے خواب کی تکمیل میں معاون ثابت ہو تو پھر تمہیں شادی کر لینے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔۔۔"

وہاں نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو منہن کے من میں ایک خوشگوار لہر دوڑ گئی۔ وہ یہی تو چاہتی تھی اس لیے خوشی سے بولی۔

"آف کورس! یہی تو منہن چاہوں گی۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس نے وہاں کی جانب دیکھا اور پھر پوچھا۔ "اب آپ بتائیں ہمارے والدین کا ہمارے بارے میں سوچنا ٹھیک ہے یا نہیں؟"

"منہن! جس طرح تم نے بات کی اپنا ہوا ٹکٹ آف دیو مجھے سمجھا! مجھے اچھا لگا۔ کسی بھی نئی زندگی کی شروعات کے لیے بہر حال ایک دوسرے کی ذات پر اعتماد بہت ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں والدین کے فیصلے پر اعتماد کیا جاتا ہے اور لوگ اپنی زندگی کو خوشگوار بھی رکھتے ہیں تاہم بہت سارے اپنی زندگی خوشگوار نہیں رکھ پاتے اور ان میں غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے بعد میں کسی غلط فہمی کی بنا پر زندگی تلخ کرنے سے بہتر ہے کہ پہلے ہی اس غلط فہمی کو ذور کر لیا جائے۔ منہن سمجھ گیا ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو۔ منہن کوشش کروں گا کہ اپنے والدین کو یہ بات سمجھا سکوں جو تم چاہتی ہو۔"

"آپ نے ٹھیک کہا کہ پہلے ہی غلط فہمی کو ذور کر لینا چاہئے۔ یہاں منہن اپنے لیے ایک سوال ضرور پوچھنا چاہوں گی آپ اگر نہ محسوس نہ کریں تو۔۔۔؟" وہ آخری لفظ کہتے ہوئے تھوڑا جھجکتی تھی۔

"ہاں بھلا۔۔۔؟" وہاں یوں تیزی سے بولا۔

"اس سارے معاملے کو میری خواہش یا خواب کو ایک طرف رکھ کر اگر ہمارے والدین قریب ہوں چاہیں تو پھر کیا آپ میرے خواب کی تکمیل میں معاون ثابت ہوں گے؟" منہن نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"منہن! تم اپنے خواب کی بات تو کرتی ہو لیکن یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ دوسرا بھی اپنے ساتھ کوئی خواب لیے بھرتا ہے وہ بھی اپنے خواب سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تو پھر زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ زندگی سبھی گزرتی ہے جب مذاہمت سے بھی آگے قربانی دینے کا جذبہ دونوں طرف موجود

ہو۔ وہیں احماد آتا ہے اور وہیں پر احترام — نفا اپنے خواب کے بارے میں سوچتا اور یہ چاہتا کہ دوسرے اس کے خواب کی تکمیل میں معاون ثابت ہوں یہ فری خود فرضی ہوتی ہے۔“

ہالیوں نے کہا تو مصنف نے خود کو اپنے ہی غول میں سمیٹے ہوئے محسوس کیا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا اس لیے دیکھنے سے انداز میں بولی۔
 ”میں اس پہلو کو بھی سمجھتی ہوں لیکن میں ایک آئیڈیل زندگی کی بات کر رہی ہوں اور نہ میں بھی دیکھتی ہوں اور آپ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ ہر انسان اپنے ساتھ بہت زیادہ نہیں تو تھوڑی بہت محرومیاں لیے مگرتا ہے۔ زندگی تو گزارنا پڑتی ہے۔ اس میں اگر محرومیاں ہوں چاہے نہ ہوں یا پھر کم یا زیادہ ہوں۔“

”تم نے میری ہی بات کی تائید کر دی ہے، مصنفہ از زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ آئیڈیل زندگی مانا کہ کسی کو بھی نہیں بنتی لیکن پھر کیا زندگی میں ہر بندے کی راہ الگ الگ ہو؟ — میرے خیال میں مثالی یا جسے تم کہہ رہی ہو آئیڈیل تو دو تپ ہوتی ہے کہ اختلافات، غلط فہمیاں، مجرورمیاں اور یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی زندگی گزارنی جائے۔“ ہالیوں نے اسے سمجھایا۔

”یہ کیسے ممکن ہے آپ! اسے آئیڈیل کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ مصنفہ کو جیسے اس کی بات کچھ میں نہیں آئی۔
 ”وہ کیا زندگی ہوئی جس میں کوئی اختلاف، غلط فہمی یا محرومی نہ ہو۔ ساری خوشیاں ہی خوشیاں ہوں، کہیں بھی دکھ کی پہچان نہیں نہ ہو۔ ایسا ممکن نہیں ہے بلکہ اختلاف ختم کرنا غلط فہمی کا ازالہ کرنا محرومیوں کو ایک دوسرے کی مدد سے دور کرتے جانا ہی اصل زندگی ہے۔ دکھ سکھ میں شراکت ہی سے دوسرے کے وجود کا احساس ہوتا ہے اور ایسا قربانی کے جذبے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔“

”یہ جذبہ آتا کہاں سے ہے۔۔۔؟“

مصنفہ نے ہنسنے لگے ہوئے کہا تو ہالیوں چونک گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مصنفہ اپنے آپ میں اس قدر خود فرض ہے جبکہ مصنفہ اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی — وہ چند لمحے سوچتا رہا اور پھر دوسرے سے بولا۔
 ”محبت — محبت ہی وہ قوت ہے مصنفہ! جو خود کو دوسرے پر وار دینے کا حوصلہ پیدا کر دیتی ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے گویا بات ختم کر دی۔ ”خیر! بہت باتیں ہو گئیں — آؤ اب کھانا کھاتے ہیں۔“

”ابھی تو مجھے آپ سے زحیر ساری باتیں کرنی ہیں۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”بہت وقت پڑا ہے پھر ہوتی رہیں گی باتیں —“ ہالیوں کا دل اچانک ہی ادب گیا تھا جسے مصنفہ نے سمجھ کر کہی۔

ایک بڑی میز کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس میز پر وہ دونوں ہی تھے۔ ان سے ذرا فاصلے پر وہ وٹرنس تھیں جو ان کے اشارے کے انتظار میں تھیں۔ مصنفہ تمام وقت یہی سوچتی رہی تھی کہ ہالیوں نے اپنی امارت کا اظہار خوب کیا ہے — کھانے کے دوران ان کے درمیان اتنی زیادہ گفتگو نہ ہو سکی جبکہ مصنفہ کے من میں بہت سارے سوال سر اٹھ رہے تھے خاص طور پر ایک سوال جس نے اس وقت سر اٹھایا تھا جب ہالیوں نے محبت کی بات کی تھی۔ پر تکلف کھانے کے بعد وہ پھر سے صوفے پر آ بیٹھے تب مصنفہ نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے۔"

"پوچھو۔" ہمایوں دھیرے سے بولا۔

"اگرچہ میں ماضی کو یاد نہیں کرتا جانتی لیکن ماضی سے جڑا ہوا یہ سوال میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔" وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

ہمایوں کچھ نہ بولا تو اس نے کہا۔ "آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتے تھے؟ کیوں آ رہے تھے قریب۔" آپ میرے لیے کیسے جذبات رکھتے تھے۔"

اس نے یوں کہا جیسے بہت مشکل سے وہ اہماد عاکبر پائی ہو۔ اس دوران ہمایوں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کتنے ہی لمحے دے پاؤں گزر

گئے تب وہ بلاے ہی جذباتی لہجے میں بولا۔

"مجھے تم سے محبت تھی صرف اس لیے۔"

"تھی۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ نہیں؟" وہ تیزی سے حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

"میں نے فقط تمہارے سوال کا جواب دیا ہے۔ اب ہے یا نہیں؟ میں اس کا اظہار لفظوں میں نہیں کرنا چاہتا محبت کا اظہار ہمیشہ عمل سے

ہوتا ہے اس کا فیصلہ تم خود کر سکتی ہو۔"

ہمایوں نے بہت سوچ کر اس کی بات کا جواب دیا تو سفید جیسے مایوں ہو گئی۔ اب اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ دوسرے

لفظوں میں ہمایوں نے اسے یہ باور کرا دیا تھا کہ اب یہ تمہارے رویے پر منحصر ہے کہ تم کیسا تعلق چاہتی ہو۔ سفید اپنی نہیں تھی کہ وہ اس کی بات کو نہ

سمجھ سکتی لیکن اس میں بھی ایک بہت بڑا اشارہ تھا کہ وہ تعلق کا خواہاں ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس تعلق کو جس حد تک چاہے لے جا سکتی ہے۔ یہ سوچتے ہی

وہ خوشی سے بھر گئی۔۔۔ اب ان کے درمیان مامی بائیس ہونے لگیں یہاں تک کہ دو دن بعد ملاقات کے وقت اور مقام کا تعین ہو گیا۔ سفید اس پر

بہت خوش تھی وہ اسے اپنی کامیابی گردان رہی تھی۔

اس وقت رات گہری ہو رہی تھی جب ہمایوں نے اسے ہوٹل سے الوداع کہا۔ دوسرا رسی اپنے گھر کی جانب چل پڑی۔ وہ سوچ رہی تھی

کہ اب ہمایوں سے کیسا تعلق رکھنا ہے؟

☆☆

رات گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔ مشرقی آفتاب پر کھنٹی رات کا چاند طلوع ہونے کے آثار واضح ہو رہے تھے سیاہ آسمان پر تارے یوں

دکھائی دے رہے تھے جیسے وہ چاند کی آمد پر ٹھنک گئے ہوں۔ موسم کی مدت بھی ہوا کے باعث ختم ہو گئی ہوئی تھی۔ اس خرابی کا ماحول میں جنین اور

راہیلہ اپنے گھر کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ راہیلہ کچھ دیر پہلے ہی وہاں آئی تھی جبکہ جنینہ کو وہاں بیٹھے ہوئے کافی وقت ہو گیا تھا۔ ان کے درمیان

خاموشی تھی جسے راہیلہ نے توڑا۔

"آپ کچھ زیادہ ہی خاموش نہیں ہیں آج۔" مدہم سی روشنی میں اس نے جنینہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو۔۔۔ تم نے ایسا کیوں محسوس کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”ابھی میں نے آپ سے پوچھا کہ یہاں کیوں تہائی میں بیٹھے ہیں تو آپ نے اس کا بھی واضح جواب نہیں دیا اور خاموش ہو گئے ہیں۔۔۔ بات کیا ہے؟“

راحیلہ نے تشویش سے پوچھا۔ اس پر جنید نے بڑی گہری لگا ہوں سے اسے دیکھا اور اجنبی سے لہجے میں بولا۔

”راحیلہ! انسان اپنی زندگی میں بے تحاشا فیصلے کرتا ہے۔ کچھ اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں کچھ نہیں ہوتے اور کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی پوری زندگی اپنا آپ منواتے رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی زندگی میں آنے والے موڑ ہوتے ہیں جہاں نئے منظر واضح ہوتے ہیں تب انسان انہی کے مطابق سوچتا ہے یا شاید انہی مناظر کی وجہ سے سوچتا پڑتا ہے اور انہی مناظر میں ہمارا مستقبل پڑا ہوتا ہے جسے دیکھنے کو ہم بے تاب ہوتے ہیں یا بھڑبھڑ مستحکم میں جھانکنے کی اس لیے بھی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے اندر کبھی عدم تحفظ کا احساس یا خوف پڑا ہوتا ہے۔ تب انسان ٹھنک جاتا ہے سوچتا ہے اور تمہیں پتہ ہے سوچنے کا یہ عمل اپنے آپ سے ٹھنکو کرنا ہوتا ہے۔“

جنید نے غم سے بھرے لہجے میں دھیرے دھیرے کہا تو راحیلہ بے چینی سے پہلو بدل کر رو گئی۔

”فیصلہ منظر مستقبل خوف۔۔۔ یہ کیا سوچ رہے ہیں آپ! کبھی آپ اٹھتے ہوئے تو نہیں ہیں؟“ وہ تجسس سے بولی۔

”نہیں! میں الجھا ہوا نہیں ہوں بلکہ اپنے اور گرد کے سارے حالات کا تجزیہ کر رہا ہوں۔ یہ اس لیے راحیلہ کہ میں مستقبل کے لیے کوئی بہترین فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ مستقبل ہمیشہ حال میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی انسان چھلانگ لگا کر مستقبل میں نہیں جا سکتا! اسے کھول کے رتھ پر بیٹھ کر وقت کی راہ پر چھنا پڑتا ہے۔ اس کا حال ہی راہیں متعین کرتا ہے۔“ جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو گویا آپ آئندہ آنے والے دنوں کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟“ وہ بولی۔

”ہاں۔۔۔ تمہارے ساتھ سے پہلے میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ ہمیشہ حالات کے مطابق فیصلہ کیا تھا کہ اب کیا کرنا ہے۔ اس میں چونکہ زندگی کی ضمانت نہیں ہوا کرتی تھی اس لیے مستقبل کے بارے میں سوچنے کا تردد بھی نہیں تھا۔ زندگی کی ضمانت اب بھی نہیں ہے مجھے گلے سانس کی بھی ضمانت نہیں ہے لیکن امید ہے۔ اسی امید کے باعث میں آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنا چاہتا ہوں۔ ایک خوشگوار خوشحال اور پر امن زندگی ہر انسان کا حق ہے لیکن جو انسان نے لویا یا ہوتا ہے اسے کائنات بھی پڑتا ہے۔ کبھی خود اور کبھی آئندہ نسل کو۔“ وہ کہتے ہوئے اچانک خاموش ہو گیا۔

”کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کے سامنے آپ کا حال کیا ہے؟“ راحیلہ سنجیدگی سے بولی۔

”وہ سب تمہارے سامنے ہے میں نے تم سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ میرا ضمیر اس لیے مطمئن ہے کہ میں نے اعلیٰ مقصد کے لیے خود کو وقف کیا تھا۔ میں اب بھی اس مقصد سے باہر نہیں آیا اور نہ ہی میں نے اسے چھوڑا ہے کیونکہ حقیقت یہی ہے۔ اس وقت میرے سامنے حالات کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ میں تنظیم کے لوگوں سے کس طرح چھپ سکتا ہوں تاکہ میں ان کی نگاہوں میں نہ آسکوں ورنہ یا تو مجھے ان کے ساتھ شامل ہونا پڑے گا یا پھر اپنی جان سے ہاتھ دھو پڑیں گے کیونکہ میں ان کا راز داں ہی نہیں، محرم راز بھی ہوں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کون سا راستہ اختیار کروں؟ اس کا اگر فیصلہ ہو جاتا ہے تو ہی مستقبل کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔۔۔“ جنید نے اسے تفصیل سے سمجھایا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس قدر اچھے ہوئے ہیں اور میں آپ کو اٹھرب نہیں کرتی لیکن اگر آپ مجھے قاتل تو شاید نہیں کوئی۔"

راحیلہ نے کہا جانا تو جنید نے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ نہیں کہ میں تمہیں اپنے مسائل میں شریک نہیں کرنا چاہتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہیں ان حالات کی نزاکت کا احساس نہیں۔ تم گولیوں کی بوجھاڑ کا تصور تو کر سکتی ہو لیکن اس کی شدت اور ان حالات میں اندر کی کیفیت کا احساس نہیں کر سکتی ہو۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہ میرے مسئلے ہیں! نہیں میں ہی حل کروں گا بلکہ اب ہم نے مل کر ان مسائل کا حل نکالنا ہے مگر کوئی صورت کوئی راہ یا کوئی حل تو دکھائی دے اور پھر راحیلہ! مجھے یہ بھی احساس ہے کہ ہر لڑکی کے اپنے ارمان خواہشیں اور خواب ہوتے ہیں۔ میں وہ بھی پورے نہیں کر پار ہوں۔۔۔"

"کیا نہیں ہے میرے پاس۔۔۔ آپ ہیں ایک گھر ہے۔ میری ماں میرے پاس ہے۔ خوشگوار زندگی ہے اس لیے مجھے کیا چاہئے؟۔۔۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس حوالے سے کیا سوچتے ہیں لیکن یقین جانیں میں نے کبھی اتنا کچھ سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ سب میری توقعات سے بڑھ کر ہے البتہ ایک خواہش ضرور ہے کہ خوف کی یہ فضا ختم ہو جائے اور ہم عام انسانوں کی مانند ناراض زندگی گزاریں۔ آپ صبح اپنے کام پر جائیں میں گھر پر آپ کا انتظار کروں۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے ہماری زندگی میں رنگ بھر جائیں۔ میں بس اتنا ہی چاہتی ہوں۔۔۔" وہ خوابناک لہجے میں کہتی چلی گئی تھی۔

"کیا یہ بہت زیادہ نہیں ہے اور یہ جو تم نے خوف کی فضا کہا ہے یہی تو ہے جسے دور کرنے کی سوچ رہا ہوں۔۔۔ جب سے میں زخمی ہوا ہوں میں نے کسی سے رابطہ نہیں رکھا سوائے ہمایوں کے اور چونکہ میں نے کبھی اس زندگی سے نکلنے کا سوچا نہیں تھا اس لیے مجھے راہ بھی دکھائی نہیں دے رہی ہے لیکن میں مانجس نہیں ہوں۔ یہ راہ ضرور سامنے آئے گی۔ تم دیکھنا بہت جلد ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہوں گے۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو کیا اب ساری رات یہیں بیٹھنے کا ارادہ ہے اپنے کمرے میں نہیں جائیں گے؟" راحیلہ نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"کیوں نہیں۔۔۔ لیکن میں ابھی تھوڑی دیر یہیں بیٹھنا چاہوں گا۔" جنید دھیرے سے بولا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے۔" راحیلہ نے اصرار سے کہا۔

"مطلب۔۔۔؟" جنید نے پوچھتے ہوئے پوچھا۔

"اس لیے کہ آپ آدھا سوچ رہے ہیں پورا نہیں سوچ رہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"آدمی سوچ۔۔۔ میں سمجھا نہیں تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"آپ گھر میں ہیں باہر کے حالات کا آپ کو بالکل نہیں پتہ۔ پوری سوچ اس وقت ہوگی جب آپ کو اپنے ان حالات کا پتہ ہوگا جن

سے آپ نکلنا چاہتے ہیں اس لیے آدھا سوچیں بلکہ وہ راستہ نکالیں جو محفوظ ہو اپنے ارد گرد کے حالات جاننے تاکہ درست فیصلہ ہو سکے۔"

راحیلہ نے کہا تو جنید نے اس کی جانب خوشگوار حیرت سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

”تکم اتم تو واقعاً مجھدار ہو — چلا چلتے ہیں۔“

جنید نے اُٹھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔ تب اس کے چہرے پر ہزار رنگ کھر گئے جنہیں وہ دیکھتا چلا گیا۔

☆☆☆

عشق کہیں سے نہیں آتا یہ تو ہر انسان کے من میں پڑا ہوا ہے۔ جس طرح قالونِ فطرت یہ ہے کہ بیچ سے لے کر درخت تک کے سفر میں ”وقت“ شرط ہے اسی طرح من میں عشق ظاہر ہونے کا بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ انسان کو بعض اوقات محسوس بھی ہوتا ہے کہ اچانک اس پر الہام کی مانند یہ انکشاف ہو جاتا ہے کہ اسے کسی سے عشق ہے مگر فوراً سے تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کو انکشاف سے بہت پہلے ایک ستر کا آغاز ہو چکا ہوتا ہے۔ اب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ انسان کو معلوم کیوں نہیں ہوتا کہ اس کے من میں عشق پڑا ہوا ہے۔ عشق اپنا احساس کیوں نہیں دیتا یا پھر انسان اسے کیوں نہیں سمجھ پاتا؟ --- معاملہ کوئی بھی ہو لیکن جب تک انسان توجہ نہیں دیتا اس وقت تک یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ عشق من سے ظاہر ہو چکا ہوتا ہے لیکن چونکہ انسان کی نگاہ اس پر نہیں پڑتی اس لیے اسے سمجھ ہی نہیں پاتا۔ یہ بالکل ایسی بات ہے کہ انسان ساری زندگی اپنا مادی وجود اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو پوری طرح دیکھ ہی نہیں سکتا اسے خود کو دیکھنے کے لیے ایک آئینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسے ہی دو آئینے کے سامنے آتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے لگتا ہے اور رکھتا ہے۔ اس کی آنکھیں کسی ہیں یا دیگر نعوش میں وہ کیسا ہے؟ ایک مثالی جسم اس کے سامنے آ جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ اپنے بارے میں پتہ کرتا ہے۔ بحث اس سے نہیں ہے کہ آئینے کی صورت کیا ہے۔ وہ کسی کی آنکھ کا فل بھی ہو سکتا ہے یا کانچ سے بنا ہوا کوئی گلا اور یہی وہ نکتہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ پر توجہ دیتا ہے تب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کیسا ہے۔ اسی طرح عشق کے تجرود کے لیے بھی ایک آئینہ یا صورت درکار ہوتی ہے۔ یہاں صورت کے عشق کا نظیر بھی نہیں ہوتا۔ عشق ایک قوت کا نام ہے جب تک وہ ظاہر نہیں ہوتی تب تک وہ اپنا احساس بھی نہیں دیتی لیکن جیسے ہی کوئی صورت سامنے آتی ہے یہ قوت بیدار ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ انسان پر غالب آ جاتی ہے۔ مطلقاً نفسی قوت کا پتہ اس وقت لگتا ہے، جب لوہا اس کے قریب آ جائے مہتمن طیس اور لوہے کی قرمت ہی سے اس قوت کا انکشاف ہوتا ہے۔

صورت کیا ہے؟ --- یہ انسان کا اپنا خیال ہے جسے ہم تصور بھی کہتے ہیں۔ دراصل انسان کے اندر عالم افکار موجود ہے جہاں ہر لمحہ نجانے کتنے تصورات جنم لیتے ہیں۔ اس عالم افکار سے جب بھی کوئی تصور جنم لیتا ہے اس کی اپنی ایک صورت ضرور ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس دنیا میں ایک جموں پڑی سے لے کر محل تک جو کچھ بھی تعمیر ہوا یا ہو رہا ہے وہ پہلے تصور میں موجود تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سامنے موجود جو اشیاء ہیں یہ سب تصور کا کس ہیں۔ اب تصور سے نئے تصورات جنم لیتے ہیں۔ ایک خیال نئے خیالات کا منبع ہے جو کسی نہ کسی طرح اپنے اندر صورت رکھتا ہے۔ عالم افکار میں ہر لمحہ تصورات جنم لے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے وجود میں دیگر صلاحیتیں باور قوتیں ہیں جنہیں یہ تصورات ہی تحریک دیتے ہیں یوں عمل اور رد عمل کا ایک سلسلہ چار رہتا ہے۔

انسان میں حواسِ خمسہ موجود ہیں جو کہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ ممکن ہے انسان میں مزید حواس بھی ہوں جنہیں ابھی ”دریافت“ کیا

جانا ہے یا اس پر تحقیق ہو رہی ہوگی تاہم حواسِ خمسہ نے مشاہدات ہے یعنی دیکھنے، سننے، چمکنے، سونگھنے اور احساس کرنے کی حس، جن سے انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ اب یہ بات ایک الگ بحث رکھتی ہے کہ مشاہدہ معتبر ہوتا ہے یا نہیں؟ بہر حال حواسِ خمسہ اطاعتِ بیخ کر کے ایمانِ ذہن میں لے آتے ہیں جہاں پردہ ایک صورت اختیار کرتے ہیں۔ اس صورت کے بارے میں ذہن کوئی نہ کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے۔ جس کی بناء پر ہمارا مادی جسم حرکت پذیر ہوتا ہے کیونکہ جسم پر وماغ کا اختیار ہے وہ عقلی حکم جاری کرتا ہے لیکن یہاں اس کے تمام تر افعال کا نگران دل کی صورت میں موجود ہے جہاں سے انسان کی کیفیات جنم لیتی ہیں۔ وماغ کے حکم پر نگرانِ دل اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے اور یہیں انسان میں ایک تکفلش پیدا ہوتی ہے۔ اسی تکفلش میں انسانی صلاحیتیں تخلیقی قوتیں اور کیفیات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی زندگی ہے۔

انسان کے اندر جو عالمِ فکر موجود ہے جہاں سے خیال کا ظہور ہوتا ہے اسے من، شخصیت یا نفس بھی کہا جاتا ہے۔ منجی علم و حکمت قرآن حکیم میں اللہ پاک نے انسان کی رہنمائی کے لیے نفس کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کے تین پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ منطمہ۔ اب جس طرح کامن ہوگا اندر کی دنیا جیسی ہوگی وہاں کے عالمِ فکر میں سے دہے ہی تصورات و خیالات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس پر نگرانِ دل ہے جہاں ضمیر موجود ہے۔ اگر دل سے مطابقت رکھنے والے خیالات و تصورات کا ظہور ہو رہا ہے تو مادی جسم اس پر عمل کرتا ہے جو انسان کے رویے کا اظہار ہے اور نہ اندر تکفلش موجود رہتی ہے۔۔۔ دنیا کے ہر انسان میں ضمیر موجود ہے چاہے وہ کسی قوم، طبقے یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ جیسے کہ وجہ تخلیق کائنات بادی برحق نبی آخر الزماں حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ہر بچہ فلرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ یہی ضمیر انسان کے اعمال پر نگران ہے جو دراصل دل ہی کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہ دل ہی ہے جو صحیح معنوں میں انسانی رجحان کو دیکھتا ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا انسانی رجحان میں ایسی بھی کوئی قوت موجود ہے جو انسان کو اندر سے بدل دینے کی صلاحیت رکھتی ہے نہائی سے اچھائی کی جانب یا مہر اچھائی سے نہائی کی طرف۔ تحت لٹھی سے ادج شریا تک زمین سے آسمان کی جانب تو بلاشبہ یہی انسان کے اندر ہی موجود ہے جسے مشق کہا جاتا ہے۔ یہاں بحث اس سے نہیں کہ عشق ہوتا کس سے ہے۔ انسان جسے احسن تقویم پر بتایا گیا ہے افضل سالکین بھی ہو سکتا ہے۔ مہر اسل سالکین سے احسن تقویم کی اہل ترین بلکہ نیک پہنچ سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے اندر ہی سے ہو رہا ہے۔ ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک سفر کرانے والی کون سی قوت ہے یہی مشق ہی تو ہے۔ کھینے کی حد تک اس کی مثال یوں ہوگی کہ نونا دے کی ایک قسم ہے لیکن ہمیں دکھائی نہیں دیتی کیونکہ وہ صاف و شفاف پاکیزہ ہے۔ ایک لمحے کو اس پر غور کیا جائے تو یہ انسانی زندگی کے لیے کس قدر اہم ہے چند منٹ اس کے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ کتنے رازوں کی امن بنے جدید دور میں اس کی اہمیت ظاہر ہوتی چلی جا رہی ہے کہ موسم کی تہذیب سے لے کر ماحول کی تہذیب تک کس قدر اثر انداز ہے۔ یہی ہوا جب تھوڑی سی کثافت میں آتی ہے تو پانی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بے رنگ بے بو بے ذائقہ زندگی بخش، جس کے بغیر کچھ دن ٹٹالے جا سکتے ہیں لیکن انسانی زندگی کے لیے بے حد ضروری۔ اس کا وجود دکھائی دینے لگتا ہے۔ اسی ہوا میں مزید کثافت آتی تو پھر یہ برف بنتی ہے اور ایک جگہ جم جاتی ہے۔ اس کی اڑان موسم کی تہذیب کی صلاحیت زندگی بخش ہونے کی صلاحیت اس میں بہت کم رہ جاتی ہے۔ پھر یہی ہوا جب برف سے پھر بنتی ہے تو پھر خود بجز آ جاتی ہے۔ اس کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ انسانی زندگی میں کس قدر اثر رکھتا

ہے۔ وہ اسے پتھر تک کے سفر میں ٹھنڈک کی ایک قوت ہے جو ہوا کے زوہ پرتی ہوتی! اسے فنا کی جانب لے جاتی ہے لیکن اگر یہی سفر پتھر سے ہوا کی جانب شروع ہو تو وہی قوت گرمی کا روپ دھارتی ہے۔ پتھر پگھل کر برف بنتا ہے پھر پانی کی صورت اور پھر ہوائ تک جا پہنچتی ہے۔ عشق میں جتنی شدت ہوگی! اس قدر سفر آسان تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ راہ میں آنے والی جس قدر رکاوٹیں ہوتی ہیں! انہی سے شدت عشق کا پتہ چلتا ہے۔ فنا و ہوا کے اس سفر میں عشق ہی کا فرما ہے۔ اسی طرح اگر انسان جب عشق کرتا ہے تو اس کا ایک ہدف بہر حال ہوتا ہے۔ عشق میں اپنی تمام تر توجہ ہدف پر رکھتا ہے۔ جس قدر عشق میں ڈوبتا ہے اس قدر ہی اس کی تمام تر توجہ صلاحیتیں قوت اس ہدف پر لگ جاتی ہیں۔ اب ہدف کیا ہے؟ یہ ہدف پر منحصر ہے کہ وہ فنا کی جانب لے جاتا ہے یا پھر بقا کی طرف۔ منت جانے والا مقصد ہوجانے والا مادوی وجود اگر ہدف ہے تو بلاشبہ فنا ہی اس کا مقدر ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہدف ہے تو کوئی شک نہیں! وہ بقا کا راستہ ہے اور یہی اس کی قسمت۔۔۔۔!

۵۶

ہاویوں مسلسل سفید کے بارے میں سوچنا چلا جا رہا تھا۔ اس ایک طویل ملاقات میں وہ بہت حد تک اس کی ذہنیت کے بارے میں سمجھ گیا تھا۔ غور کر کے دیکھی وہ اپنے خواہوں خواہشوں اور امیدوں کو ابھرتے دیکھی تھی۔ اسے اس سے قطعاً غرض نہیں تھی کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کیا اور کیسا سوچتی ہے یا نہیں۔ اسے تمہارا بہت یہ افسوس ضرور ہوا تھا کہ اس کے من میں کہیں بھی اس کے لیے محبت نہیں جاگی تھی! ہاویوں سے تو یہ جانتا جا رہا تھا کہ وہ اس کے خواہوں کی تکمیل میں کس حد تک مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ یا جیسا بات تھی کہ سفید نے اپنا اظہار کر دیا! اپنا آپ اس پر رکھول دیا۔ مصنوعی یا جھوٹی محبت کن دھویدار نہیں ہوتی! اس کے من میں جو تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ اب یہ فیصلہ ہوا! ہاویوں نے کرنا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے! آیا وہ اپنی محبت میں اس کا ساتھ چاہتا ہے یا پھر اس نفرت کے ساتھ اسے قبول کرے گا جو ایک پتھر کے ساتھ اس کے اندر جاگی تھی اور جس نے اسے ایسی جدوجہد میں ڈال دیا! اسے اس مقام پر لاکھڑا کیا ہے۔ اس کے من میں کئی طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھتا پرکھتا اور پھر نئے خیال کی جانب متوجہ ہو جاتا وہ مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے من میں سفید کی محبت موجود تھی۔ کوئی وقت تھا جب اس نے اپنے سارے خواہوں میں سفید کو دیکھا تھا! اس کے خواہوں کی تکمیل اسی سے ہوتی تھی۔ وہ اپنے اندر اس کی قربت محسوس کرتا تھا جیسا مجبور ہو کر اس کے کالج کے سامنے جا پہنچا تھا۔ وہ اسے خود سے الگ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ اس محبت کے ساتھ وہ جدوجہد چاہتا تھا وہ اس کے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا وہ جو ایک خاص طرح کا معیار زندگی چاہتی تھی اس کے حصول کے لیے وہ پوری طرح آمادہ ہو چکا تھا۔ اس کا ہدف وہ تھی لیکن جیسے ہی وہ اس کے قریب گیا اسے احساس ہو گیا کہ یہ وہ تو نہیں ہے جسے وہ اپنے قریب سمجھتا ہے۔ یہ اس کے تصورات میں لیکن ہوئی سفید تو نہیں بلکہ یہ تو کوئی سراپا نفرت ہے جس نے اس کے اندر بھی نفرت بیدار کر دی۔ اسی محبت اور نفرت کی کشمکش میں وہ اس مقام تک آ گیا۔ ہدف اس کا سفید ہی رہی۔ اس کا بت لونا نہیں! اس کے من مندر میں چورے طعنائی سے ایسا دور رہا۔ لیکن اسے دیکھ کر اس کے تصورات اس کی زندگی میں خوشگواریت بھردیتے تھے اب ہاویوں نے بت کو دیکھ کر اٹھنے والے تصورات میں سے ایسی کیفیات اٹھیں جو خوشگواریت کا باعث بن جاتیں۔

ہاویوں کی زندگی میں وہ مقام آ گیا تھا جہاں اس نے فیصلہ کرنا تھا کہ یا تو اس بت کو اس کی تمام تر خواہوں زرخیزوں اور سحر طرازیوں

سمیت اپنے من میں یونہی ایسا دور کھنے پھر زندگی جو دے اسے قبول کرے۔ سر چھولنے یا خواہش برآئے یا پھر اس معاملے کو اپنی زندگی سے نکال باہر کرے اور اپنی مرضی سے زندگی کی نئی شروعات کرے جس میں صنیہ اس کا ہدف نہ ہو۔ اب فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

ہاویوں کے لیے یہ فیصلہ اس قدر اہم تھا جس قدر زندگی — وہ فیصلہ کر لیتا چاہتا تھا کیونکہ زندگی اُسے ایسے دور ہے پر لاکھی تھی جہاں اُسے یہ فیصلہ کرنا تھا۔ اس کے لیے کوئی بھی دوسرا اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ من کے معاملات تھے اور وہی اپنے من کو بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا۔

یہ دور ماں اس وقت سامنے آیا جب اُس کی والدہ نے اسے اپنے سامنے بٹھا کر یہ پوچھا تھا کہ بتاؤ تمہاری صنیہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ وہ چاہتا تو بہت زیادہ بحث کرتا اس کے بارے میں کوئی رائے دیتا لیکن وہ ایسا کچھ بھی نہ کر سکا۔ وہ اپنی ماں کو یہ بھی نہ بتا سکا کہ اس وقت صنیہ کی ذہنیت کیا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ اس رشتے میں اس کی ماں اپنی انارکھی ہے۔ جسے کبھی اس معاملے میں بات تک کرنے سے روک دیا گیا تھا آج انہوں نے خود دست سوال دراز کیا تھا۔ ماں کے سامنے وہ خاموش رہا تھا ایک لفظ بھی تو نہ کہہ سکا اور بس سوچنے کے لیے مہلت مانگ لی تھی۔ اب بیٹھا وہ یہی تجزیہ کر رہا تھا کہ آیا اس کی خواہش ہو کہ وہ کیوں خاموش رہا؟ وہ توک انداز میں اپنی رائے کیوں نہیں دے سکا؟ یقیناً اس کے من میں کئی نہ کئی صنیہ کی محبت موجود ہے، باوجود نفرت کرنے کے وہ اُسے بھلا نہیں سکا۔ شاید محبت نے ہی نفرت کا روپ دھار لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ شدید نفرت بھی محبت کا ایک روپ ہوتی ہے۔

”اگر میں صنیہ کو قبول کر لیتا ہوں تو پھر میری زندگی میں کیا تبدیلی آئے گی۔۔۔ بس اُس کا مادی وجود میری دسترس میں آ جائے گا اس کے من میں محبت تو نہیں ہوگی۔“

”قربت ہمیشہ تبدیلی لاتی ہے تم اُس کے قریب ہو گئے تو ہی محبت کا ظہور ہوگا۔“

”لیکن ممکن ہے کہ محبت نہ ہو اور نفرت شدید ہو جائے۔ تب پھر زندگی اجیرن ہو جائے گی۔“

”کیا اس طرح تمہاری زندگی پر سکون ہے؟۔۔۔ صرف اُس کے سامنے اپنا آپ منوانے کے لیے تم نے دن رات ایک کر دیا ہے۔ تم نے دولت کے حصول کے لیے ایسے فیصلے بھی کیے ہیں جن پر تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کرتا ہے۔ تمہارے سامنے اچھائی یا بُرائی کا معیار نہیں رہا اور ایسا تم نے صرف ایک مقصد کے لیے کیا اور وہ مقصد کیا تھا؟ یہی تا کہ تم صنیہ کو اپنے سامنے جھکاؤ۔ اب جبکہ وہ وقت آ گیا ہے۔ تم اپنی جدوجہد میں کامیاب ہو گئے تمہارا مقصد تمہارے سامنے ہے تو پھر کیوں تذبذب میں ہو؟“

”یہاں تک تو ٹھیک تھا میں نے جیسے بھی کیا جو بھی کیا اس میں کامیاب ہوا۔ میں یہاں تک کامیاب رہا ہوں لیکن جیسے ہی صنیہ کو اپنی زندگی میں لے آیا اب تک نئے سفر کا آغاز ہو جائے گا۔ اُس کی خواہشیں پوری کرنا میری ذمہ داری ہوگی۔ اُسے اپنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ میں اُس سے محبت کرتے ہوں۔“

”ایسا بھی تو لکھن ہے کہ وہ تمہارے محبت بھرے رویے سے متعلق جائے۔ اپنا آپ تمہیں سوچ دے تمہاری مرضی کے مطابق

چلے۔۔۔“

”اگ لئے سڑکا آغا ز تو ہونا! ایک نئی جدوجہد ایک نئی منزل۔“

”تو پھر کیا تمہارے سکون رہو گے؟“ فرض کر دو دو بار دہرے طور کی جانب بڑھ جاتی ہے یا پھر کوئی بھی ایسا شخص جو اس کے خوابوں کی تکمیل کر دے تو کیا تم برداشت کر لو گے؟“ نظر انداز کر سکتے ہو؟“

”میرے خیال میں دکھ تو مجھے ضرور ہوگا۔ اب ایسا بھی نہیں کر میں اُسے نظر انداز کر سکوں۔“

”درمیان میں فقط دولت ہے نا؟ تم دولت سے اُس کا ادویہ جو خرید لیا خریدنے والی بات ہی ہے نا پھر یہ تمہاری محبت کی قوت ہوگی جو اُسے اپنی ذات کی جانب متوجہ کر لو۔ آخر وہ انسان ہے اور محبت بھی۔۔۔ اس طرح تمہاری انا کو بھی تسکین ہوگی۔ پھر جب وہ تمہاری دسترس میں آگئی تب اُسے جھکانا اور جھکانے رکھنا ہی تمہاری مردانگی ہوگی۔“

”کیا میری زندگی اسی کشمکش میں گزر جائے گی؟“

”اسے ہی تو متاثر کہتے ہیں۔ اپنا آپ متاؤ۔۔۔ کیا تم مفید سے محض اس لیے ڈر رہے ہو کہ اس پر دولت چھا اور کرنا پڑے گی؟ یہ تو بہت سستا سونا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو دولت سے ایک ٹکڑی جنٹیشن بھی نہیں خرید سکتے۔ اب دولت تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آگے بڑھو اور ایک ڈرامے لفظوں کے ساتھ اُسے اپنی دسترس میں کر لو۔ وہ لوگ جو تمہیں کہیں اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ تم سے بات کی جائے اُنہیں نچا دکھانا بھی تو تمہاری جدوجہد تھی۔ اس میں فقط تم ہی نہیں دوسرے لوگوں کی خواہش بھی شامل ہے۔“

دجال (شیطان کا بیٹا)

انگریزی ادب سے دور آمد ایک خوفناک ناول۔ غیم الحسن حقی کا شاندار اندازِ مہیاں۔ شیطان کے بیماریوں اور ہیروکاروں کا نجات دہندہ شیطان کا بیٹا۔ جسے پائل اور قدیم صحیفوں میں بیست (جاوڑ) کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ انسانوں کی دنیا میں پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان پرورش پا رہا ہے۔ شیطانی طاقتیں قدم قدم پہ اسکی حفاظت کر رہی ہیں۔ اسے دنیا کا طاقتور ترین شخص بنانے کے لیے مکروہ سازشوں کا جال بنا جا رہا ہے۔ مصمم بے گناہ انسان، دانستہ یا نادانستہ جو بھی شیطان کے بیٹے کی راویں آتا ہے، اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

دجال..... یہودیوں کی آنکھ کا تارہ جسے عیسائیوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے کا مشن سونپا جائے گا۔ یہودی کس طرح اس دنیا کا ماحول دجال کی آمد کے لیے سازگار بنا رہے ہیں؟ دجالیت کی کس طرح تبلیغ اور اشاعت کا کام ہو رہا ہے؟ دجال کس طرح اس دنیا کے تمام انسانوں پر حکمرانی کرے گا؟ 666 کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب آپ کو یہ ناول پڑھ کے ہی ملیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو شروع کرنے کے بعد حتم کر کے ہی دم لیں گے۔ ناول دجال کتاب گھر پر دستیاب ہے۔

اُس نے سوچا اور پھر اچانک فیصلہ کر لیا۔ تب اُس نے فون اٹھایا اور اپنے گھر کے نمبر پر اُٹھ کر فون ملازمہ نے اٹھایا۔
"امی سے بات کراؤ۔"

تھوڑی دیر بعد اُس کی والدہ نے اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹی! کیا بات ہے؟"

"امی آپ آج ہی ابو کے ساتھ چاچا اور صفیٰ کے گھر جائیں اور صفیہ کا رشتہ مانگ لیں۔" اُس نے اجماعی سنجیدگی سے کہا۔
"کیا واقعی پتہ...؟" اُس کی والدہ حیران رہ گئیں۔

"ہاں۔۔۔ اگر آپ سلیٹی کو بھی اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں تو آپ ہماری سے بات کر لیں۔"

"وہ میں نے کر لی ہے اور میں آج ہی جاتی ہوں۔"

اُس کی والدہ نے کہا تو اُس نے فون بند کر دیا پھر کرسی سے اٹھا سر ہلکے دیا۔۔۔ یہ فیصلہ کر کے اُس نے بہت سکون محسوس کیا تھا۔

☆

جنیڈا اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ اس منظر میں پوری طرح کھویا ہوا تھا۔ جیسے اُس کے سامنے لہو رنگ ہوتا ہوا سورج نہ ہو بلکہ وہ آئینہ ہو جس میں وہ اپنا عکس دیکھ رہا ہے۔۔۔ سورج کس طرح اُبھرتا ہے؟ تاریک رات کے اندھیرے میں اپنے ہونے کا احساس دیتا ہے۔ کمر میں اس کی آمد کی بجا بھرتی ہیں۔ سیاہ آسمان لہو بہ لہو نیلا ہونا شروع ہوتا ہے اور پھر اس کا گہرا نیلکوں پن دھیرے دھیرے ہلکا نیلا ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر پہلے اندھیرے میں پڑی ہوئی ذریعہ روشن ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ سورج کے سفر کا آغاز ہوتا ہے یہاں تک کہ نصف النہار پر آ جاتا ہے۔ وہ سامنے تک گھٹنا دیتا ہے اپنے ہونے کا پورا پورا احساس دلاتا ہے اور پھر جیسے تھک جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے وہ جھلکتا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ لہو رنگ ہو کر غروب ہو جاتا ہے۔ کیا یہی اس کی کہانی ہے؟۔۔۔ نہیں، کہانی سب سے آگے فرم نہیں ہوتی بلکہ ایک نئی کہانی کے آغاز کی بنیاد بنتی ہے۔ اندھیرا چھا جاتا بھی کوئی تعلق بات نہیں ہے بلکہ اس میں بھی قدرت کے راز ہیں اور راز جنہیں انسان اس وقت سمجھتا ہے جب وہ اندھیرے کو بھی مثبت انداز میں دیکھے۔ اصل میں انسانی زندگی میں نگاہ ہی سب سے بڑی اور اہم شے ہے۔ یہی نگاہ جب بلندی کی جانب اُٹھتی ہے تو آسمان کی دستہیں اس میں سما جاتی ہیں اور جب انسان زمین کی جانب دیکھتا ہے تو زمین اس کے من میں بسیرا کر لیتی ہے۔ یہ نگاہ ہی ہے جو انسان کو آسمان یا زمین کی جانب لے جاتی ہے اور نہ تو صدیاں گزر چکی ہیں زمین مچھ دیں موجود ہے اور آسمان بھی اس کے درمیان میں انسان ہی ہے جو زمین کی تہ میں جانے کے باوجود مردوں کے دل میں دھڑکتا رہ جاتا ہے یہی فتاوہ ہے۔ نگاہ کا ایک مقصد ہے اور اس مقصد کو محسوس ہی قوت دیتا ہے۔ تب انسان فتا یا بقا کی جانب مہو سفر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کہانی ختم ہو کر پھر سے شروع ہو جاتی ہے۔ زمین دہیں آسمان دہیں انسان کا سفر جاری ہے۔۔۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ اس نے جہ کارا ستہ چنا تھا پھر کیوں راستے ہی میں ٹھک کر رک گیا؟۔۔۔ اب یہ سوال بہت پرانا ہو چکا تھا۔ محسوس تو اُس کے سن میں پہلے ہی سے موجود تھا لیکن اسے تحریک دینے والی کوئی صورت نہیں تھی۔ جو نئی کوئی صورت اُس کے سامنے آئی

محسوس فتا ہے عشق بنا

اُسے اپنے خند و خال کا اندازہ ہوا۔ اُس نے خود کو دیکھا اور احساس کیا کہ وہ تو کئی اور منزل کا راستا ہے۔ اس کے من میں ایک سورج غروب ہو گیا تو نیا سورج طلوع ہو گیا۔ گو مقصد وہی تھا لیکن روشنی میں اُسے بہت سارے راستے دکھائی دیئے جن پر چل کر وہ اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔ اُسے یہ پوری طرح یقین تھا کہ یہی جتا کا راستہ ہے۔

"جنید! کہاں کھو گئے ہیں آپ۔۔۔؟"

راحیلہ نے اُس کے کانہ سے پروچیرے سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تو وہ چونک گیا، پھر اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا تم کچھ دنوں کے لیے میری جدائی برداشت کر سکتی ہو؟"

"یہ کیا بات ہوئی۔۔۔؟" وہ چمکتے ہوئے بولی۔

"میں جڑ پوچھ رہا ہوں اس بات کا جواب دو۔" اُس نے یونہی راحیلہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے وچیرے سے کہا۔

"ہاں۔۔۔ چند دنوں سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک جس قدر بھی جدائی دینا۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"ایسا کیوں۔۔۔؟" اُس کے لہجے میں سرسراہٹ تھی۔

"یہ میرا یقین ہے جنید! آپ جہاں بھی ہوں گے۔ جس حال میں بھی ہوں گے آپ میرے ہیں۔" وہ بھی وچیرے سے بولی۔

"اتنا یقین کیوں ہے تمہیں۔۔۔؟" اُس نے پھر پوچھا۔

"میں نے اپنی محبت کو تو دیکھا ہی ہے جو میرے من میں پگھلتی رہتی ہے۔ میں نے اپنا تڑپنا بھی محسوس کیا ہے۔ اسی طرح میں آپ کی

محبت بھی دیکھ چکی ہوں۔ آپ میرے من میں یوں سا پتے ہیں کہ اب فقط موت جدا کر سکتی ہے۔ اس طرح کی دیوانگی کے لیے مادی وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم ایسی باتیں کیسے کر لیتی ہو۔۔۔؟" وہ وچیرے سے ہنستے ہوئے بولا۔

"پرندے کو اذان کون سکھاتا ہے بھلا اسی طرح محبت بھی باتیں کرنا سکھا دیتی ہے۔" راحیلہ بھی مسکرائی۔

"ہاں راحیلہ! یہ اندر کی کیفیات ہوتی ہیں جو خود بخود راستہ بتاتی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ کھڑکی سے ہٹ گیا اور کمرے کے وسط میں پڑے

صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "خیر آؤ۔ میں نے تم سے ایک بات کہنی ہے۔" اُس کے یوں کہنے پر وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تو وہ کہتا چلا گیا۔

"راحیلہ! یہاں میرے لیے خطرہ ہے۔ اس شہر میں بلکہ اس ملک میں۔۔۔ میں ساری زندگی گھر کی اس چار دیواری میں بسر نہیں کر سکتا۔ مجھے باہر تو

لھکانا ہے اس لیے میں نے سوچا ہے کہ یہ ملک ہی چھوڑ دوں۔"

"کب جانا چاہتے ہیں آپ۔۔۔؟" اُس نے پرسکون انداز میں کہا۔

"چند دنوں میں۔۔۔" یہ کہہ کر اُس نے پھر راحیلہ کی جانب دیکھا جہاں انتظار کے دیئے ابھی سے روشنی ہو گئے تھے اور آنکھوں میں پاس

اترا آئی تھی تب وہ بولا۔ "لیکن میں کچھ ہفتوں کے لیے جاؤں گا۔ ایک اچھی جاب کی کوشش کروں گا اور پھر تمہیں بھی اپنے پاس بلا لوں گا۔"

"مطلب جب تک آپ کو ہاں نہیں دے گا جواز نہیں مل جاتا تب تک میں انتظار کروں؟" وہ دیر سے سے بولی۔

"ہاں۔۔۔ میں ایسا ہی کرنا ہوگا۔ حالات بدلنے اور نہیں گنتی۔ ممکن ہے بہت جلد میرے لیے یہاں خطرہ نہ رہے۔ ہم واپس بھی آسکتے

ہیں لیکن میں جو اپنی تنظیم کے لیے تم ہو چکا ہوں فی الحال ابھی کچھ مہرے کے لیے تم عار رہنا چاہتا ہوں۔"

"جنید! میں کبھی بھی آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی۔ آپ جو چاہیں کریں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کا دیا ہوا انتظار

مجھ جیسے قبول ہے۔" اس نے حسی انداز میں کہا لیکن لہجہ بھیک چکا تھا اس لیے وہ جلدی سے اٹھی اور باہر کی طرف جانے لگی۔

"ظہیر ذرا حیلہ!۔۔۔ کیا تم میرے فیصلے سے مطمئن نہیں ہو؟" اس نے حسی سے پوچھا۔

"بات فیصلے پر مطمئن ہونے کی نہیں آپ کے حکم کی ہے۔۔۔ یہ بات نہیں کہ مجھے جدائی پر دکھ نہیں ہو رہا ہے۔ مجھے دکھ ہوگا لیکن خوشگوار

اور آپ کے ساتھ والی زندگی کے لیے میں یہ انتظار قبول کر سکتی ہوں۔"

"میں نے تمہاری مصروفیت کے بارے میں بھی سوچا ہے۔ چند ہفتے مجھے وہ سنیں سب ٹھیک کر لوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ چاہیں۔" اس نے کہا۔ پھر بدلے ہوئے لہجے میں بولی۔ "وہ ہاں کا فون آیا تھا آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کب فون آیا تھا۔۔۔؟"

"تھوڑی دیر پہلے۔ میں یہی بتانے کے لیے آئی تھی۔"

"پتلا نوازے۔۔۔ دیکھیں کیا کہتا ہے؟"

اس نے نرم سے انداز میں کہا پھر خود ہی اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا چلا گیا۔

کھانے کی میز پر جنید اور ہانیوں دونوں موجود تھے۔ راحیلہ کھانا لگا رہی تھی رضیہ اپنے کام ختم کر کے راحیلہ کی والدہ کو کھانا دے کر اوپر

اپنے بچوں کے پاس چلی گئی تھی۔ راحیلہ کھانا لگا رہی تو ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"ہانیوں بھائی! بسم اللہ کریں۔"

"لیکن پہلے وہ بات تو سن لو جسے سنانے کے لیے یہاں تک آیا ہے۔۔۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انگروہ خوشخبری ہے تو سنائیں لیکن اگر کوئی ایسی ایسی بات ہے تو کھانے کے بعد۔" راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ بتا چکا ہے اب تم سن لو۔" جنید نے پھر سے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"چلیں بتائیں۔" وہ جنید کے لہجے سے کھنٹی تھی کہ کوئی خوشخبری ہی ہو سکتی ہے۔

"اس کی مشکلی ہو رہی ہے اور وہ بھی اس لڑکی کے ساتھ جسے یہ بے حد چاہتا ہے بلکہ عشق کرتا ہے۔"

"دعا منیہ۔۔۔؟" راحیلہ نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ذی۔۔۔" ہانیوں نے دیر سے سے کہا۔

"ارے واہ یہ تو اچھی خبر ہے۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"پہنشن! اچھی ہے یاڑی۔۔۔؟" جنید نے ہنسنے ہوئے کہا۔

"انکی بات کیوں کہتے ہیں آپ۔۔۔ ہاویں بھائی نے جسے چاہا تھا ان کے من کی مراد ہی تھی ہے۔۔۔ اور کیا چاہئے؟" انہوں نے جنید کی جانب دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"خیر، کھاؤ کھاؤ۔۔۔ بعد میں بات کرتے ہیں۔۔۔"

جنید نے کہا اور مگر وہ کھانے کی جانب متوجہ ہو گئے۔۔۔ کھانے کے بعد دو تینوں چائے سگ لپٹے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔
 راجیہ شکرگھی کہ ہاویں بات کرنے سے تپ رہی ہو گی۔

"آپ سارے ہیئر مشنر سے واقف ہیں! اس سے ملاقات کی تفصیل بھی منی نے آپ کو بتا دی تھی۔ اب میرے گھر والے بہت خوش ہیں

بلکہ دونوں طرف سے ہی خوشی کا اظہار ہو رہا ہے۔۔۔"

"اصل بات کیا ہے۔۔۔؟" وہ بے تابی سے بولن۔

"وہ یہ ہے کہ معاملہ میرے اور منیہ کے درمیان آ کر ٹھہر گیا ہے۔ ہمارے درمیان خوشگوار زندگی کا ہونا ایک بوجھ ہے۔ زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے نہیں بھی ہو سکتی۔ وہ دونوں خاندان جو قریب آگئے ہیں پھر سے جدا بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم اکٹھے رہ بھی سکتے ہیں اور۔۔۔"

وہ تذبذب میں تھا کہ جنید نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"ہاویں اور اصل تم خود مطمئن نہیں ہو۔ سب سے پہلے تمہارا اپنا اطمینان بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تم اس سے کوئی انتقام وغیرہ لے ہی نہیں

سکتے اس لیے کسی بھی فیصلے سے قبل یہ سوچ لو کہ تمہیں آخر کرنا کیا ہے؟"

"وہی تو۔۔۔"

"نہیں ہاویں!" جنید نے پھر اسے لوگ دیا۔ "منی نے اب تک جو دیکھا ہے تم لاکھ باملاہیت سہی آگے بڑھنے کی تم میں قوت بھی

ہے جین منیہ کے معاملے میں تم ڈسٹرب ہو کر کچھ بھی نہیں رو جاتے ہو۔ اس ماہ پر بھی خود کو مضبوط کرو اور ایک آخری بات۔ تم نے اس بارے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنے کے لیے اب میرے ساتھ مشورہ نہیں کرنا۔" جنید نے دھیرے دھیرے کہتے ہوئے قدرے سختی سے کہا۔

"ایسا کیوں جنید۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ذہنا کا سب سے اہم ترین شخص وہ ہوتا ہے جو میاں جی کی معاملات میں آتا ہے۔۔۔ وہ تمہاری ازدواجی زندگی ہوگی۔ تم جو بہتر

سمجھتے ہو وہی کرو۔"

جنید نے کہا اور خالی گک میز پر رکھ دیا۔۔۔ ہاویں چہرے میں سا سوچنا رہا۔ مگر چونکہ اٹھ کر اجازت چاہی اور باہر نکلا چلا گیا۔

"ایک بات اور۔۔۔" جنید نے اسے نکلنے نکلنے روکا۔ "منی نے تم سے پہلے بھی سرسری اعزاز میں کہا تھا کہ مجھے یا راجیہ کو فون کرتے

وقت موہاں کی سم تہذیب کر لیا کرو۔ جو سب کو معلوم ہے اس سم سے تم مجھے کال نہیں کرو گے۔" جنید نے جیسے تھیرکی۔

"مجھے احساس ہے جنید! آپ لگن نہ کرو۔" ہمایوں نے جواب دیا اور رخصت ہو گیا۔

"آپ کو اتنی سختی نہیں کرنی چاہئے تھی۔" راحیلہ نے ڈیجرے سے کہا۔

"مجھے اس سے بھی زیادہ سختی سے جوش آتا تھا لیکن منیں نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ وہ بھگداز ہے اور بات کو سمجھتا ہے چپ چاپ چلا گیا

ہے۔"

"کیوں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"اس کے دل میں چور ہے۔ وہ بظاہر صنفیہ سے نفرت کرتا ہے لیکن اندر سے شدید محبت کرتا ہے بلکہ ایسا بھی نہیں ہے۔ وہ اس سے نفرت با

محبت کچھ بھی نہیں کرتا بلکہ وہ صرف دولت سے عشق کرتا ہے۔۔۔ دیکھ لیتا وہ اس کے لیے بہت کچھ کرے گا۔"

"آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس لیے کہ منیں یہی سمجھتا رہا کہ وہ صنفیہ سے نفرت کرتا ہے لیکن یہ محض ایک جواز تھا ان دنوں آ کر مجھے احساس ہوا کہ وہ اندر سے کچھ

اور ہے وہ صنفیہ کو دولت بنانے کی مشین کی مانند استعمال کرے گا۔۔۔ خیر چھوڑو ہمیں! ان سے کوئی لینا دینا نہیں۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھنے لگا اور راحیلہ نے ڈیجرے سے پوچھا۔

"تو کیا آپ نے باہر جانے کا ارادہ کر لیا ہے؟"

"بالکل میں اب ایک نئے راستے سے اپنی منزل تک پہنچوں گا یہ اس کا راستہ ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا راحیلہ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

جنید کو ابھی طرح یہ احساس تھا کہ گزرنے والا ہر لمحہ اس کی زندگی کے لیے انتہائی قیمتی ہے۔ اس لیے کوئی بھی لمحہ ضائع کے بغیر وہ ملک

سے باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ سب سے پہلے پاسپورٹ حاصل کرنے کا مرحلہ تھا جو دنوں میں اس نے طے کر لیا تھا۔ ان کے

ذہن میں کیا خیال آیا کہ اسے ساتھ ہی اس نے راحیلہ کا پاسپورٹ بھی حاصل کر لیا۔ یعنی میں اس کے دو انتہائی قابل اعتماد ساتھی تھے۔ ان سے

رابطہ ہونے پر اس نے سرسری طور پر انہیں تمام معاملہ سمجھایا اور تقریباً اس کی تیاری مکمل ہی تھی کہ ایک دن ہمایوں کا فون آ گیا۔ چند دھرا دھرا کی

باتوں کے بعد وہ بولا۔

"منیں نے اب مشورہ کرنے کے لیے نہیں آپ کو دعوت دینے کے لیے فون کیا ہے۔"

"کس سلسلے میں۔۔۔؟" جنید نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"سب معاملات سلجھ گئے ہیں جنید بھائی اسی لیے گھر والوں نے فوری طور پر دو دن بعد منگی کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس فنکشن میں آپ

نے لازمی آنا ہے۔۔۔ بھائی کو بھی لائیے گا۔" ہمایوں نے کہا۔

"تم جانتے ہو ہاویوں! منی یہ دن کیسے گزار رہا ہوں۔ ایسی صورت حال میں میرا کلن کسی فنکشن میں شرکت کرنا ممکن نہیں ہے۔" جنید نے اسے سکھایا۔

"منی آپ کی ہر بات مان لیتا ہوں جنید بھائی! لیکن یہ بات نہیں مانوں گا۔ پلیس زیادہ دیر کے لیے منی لیکن تھوڑی دیر کے لیے شرکت کرنے ضرور آجائیے گا اور اگر آپ سنا آئے تو میں فی الحال یہ فنکشن ہی ملتوی کر دیتا ہوں ایسی خوشی جس میں میرا من ہی شامل نہ ہو، کیا فائدہ رہے گا ہمیں، فنکشن ملتوی۔" ہاویوں نے جیسے قطعی لہجے میں کہا۔

"منی فنکشن ملتوی مت کرنا۔۔۔ اب بند کر رہے ہو تو میں آ جاؤں گا لیکن صرف چند لمحوں کے لیے اور راجہ نہیں آسکے گی۔ منی چند ضروری کاموں کے سلسلے میں باہر ہوں گا اور وہیں سے تمہارے فنکشن میں شرکت کر لوں گا۔۔۔" جنید بادل خواستہ رضا مند ہو گیا۔

"بہت شکر یہ جنید بھائی! آپ تھوڑی دیر کے لیے ہی آ جائیں! میرے لیے یہی کافی ہے۔" ہاویوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ جس دن ہاویوں کی مقفیٰ منی جنید صبح ہی گھر سے نکل آ پائے۔ چند اہم کام منی نے تھے۔ سارا دن اس بھاگ دوڑ میں گزار گیا۔ شام کو اس نے کچھ خریداری کی کہ اسے دن صبح اس کی روائی تھی۔ جس وقت وہ ہاویوں کی منی میں شرکت کے لیے پہنچا تو تقریب میں خوب کھبھا منی میڈیا والے بھی وہیں موجود تھے جنہیں دیکھ کر اس کا اتھاڑ کا سین پھر بھی وہ بہت حفاظ انداز میں ہاویوں سے ملا اور چلدی وہاں سے نکل آیا۔۔۔ گھر آنے کے بعد بھی وہ راجہ کو زیادہ وقت نہ دے سکا کہ صبح اس کی روائی تھی۔

☆ ☆

صفیہ لان میں بیٹھی اپنے خیالوں میں گم تھی جیسے جیسے دن اٹھتا چلا جا رہا تھا اس کے من میں بے چینی اسی قدر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ دن اس کی زندگی کا اہم ترین دن تھا۔ اس کی نگاہیں گیسٹ پر لگی ہوئی تھیں اور ذہن میں ہاں اور ناں کے درمیان وہ کرب ناک کیفیت میں خود کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ دن اسی کرب کی انتہا کا تھا جو گزشتہ چند دنوں سے دھیرے دھیرے اس کے من میں اٹھا تھا۔ ان لحاظ میں وہ ان دنوں کا تجزیہ کر رہی تھی۔۔۔ ہاویوں سے ملاقات میں اس نے اپنا آپ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ جہاں اس نے ہاویوں کی حیثیت کو تسلیم کیا تھا وہاں اپنی خواہش بھی واضح کر دی تھی۔ یہی وہ نکتہ آواز تھا جہاں سے اس کے من میں کرب اٹھ کر کیفیت نے جنم لیا تھا اور وہ آونے یا نہ ہونے کے درمیان آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بارے میں گھر والے جو فیصلہ کرتے ہیں وہ قبول کر لینے کو کافی طور پر تیار تھی لیکن ہاویوں سے فون پر ہونے والی باتوں نے بے چینی بڑھا دی تھی۔ صفیہ کہہ ذہن میں یہ بات پوری طرح واضح تھی کہ ہاویوں اس سے اپنا انتقام لے گا 'جی بھر کے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے گا۔' جس قدر اس نے نظرت کی تھی اس کو جواب اسے بھی بڑھ کر دینے کی یا پھر اس نے دہی کرنا تھا جو اس کی محبت اس سے کرائی۔ اگر اس کے دل میں محبت ہے تو پھر وہ اس کی خواہشوں کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ ہاویوں سے ملاقات کے بعد اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر ہاویوں کے دل میں اس کے لیے محبت ہے تو وہ اسے استعمال کرے گی۔ اس کے نزدیک محبت انسان کو بے حد مکرور کرتی ہے۔ وہ پھر پرسکون انداز میں دونوں گھروں کے درمیان بڑھتے ہوئے تعلق کو دیکھتی رہی تھی۔ زینون بی بی اور نوب دونوں ہی اس میں پیش

عشق تھا ہے عشق بنا

جین تمہیں جس کا منتقلی نتیجہ ان دونوں کی منگنی کی صورت میں نکلا۔ وہ اور منتقلی دونوں ہی اس گھر کی بیویوں کی لیے ہو گیا۔ دونوں گھری بہت خوش ہوئے اور اس خوشی کا اظہار منگنی کی رسم کو دھوم دھام سے منا کر کیا گیا۔ سیاستدان اس موقع سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ تو کسی کی منیت پر بھی جائیں تو واضح ہو کر تصویر بناتے ہیں یا اس کا چہرہ اخباروں میں دیکھ کر خوشی محسوس کرتے ہیں اور کچھ کرنا یا نہ کرنا ہو کسی بھی سامنے یا حادثے پر بذمہ تہی جان ضرور واضح دیتے ہیں۔ نئی زمانہ سیاستدان یا شوہر کے بندے میں اس حوالے سے کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا۔ ہمایوں نے بھی اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنے حلقہ کے ہائر لوگوں کو نہ صرف دعوت دی بلکہ اس کا چہرہ اخباروں میں بھی ہوا۔ اس پر صنفیہ بہت خوش ہوئی تھی اس حوالے سے نہیں کہ اس کی منگنی دھوم دھام سے ہوئی ہے یا شہر بھر میں چرچا ہوا تھا بلکہ اس نے اس سارے واقعے میں ہمایوں کی اس خوشی کو محسوس کیا تھا جو اس کے من میں تھی۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ صنفیہ اس کی ہو جائے اور اس خواہش کی تکمیل پر اس نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا تھا اور پھر اس دن صنفیہ پر یہ بات واضح ہو گئی جب فون پر باتیں کرتے ہوئے ہمایوں نے کہا تھا۔

”صنفیہ تمہارا خواب یہی ہے نا کہ تم ایک بزنس وومن کے طور پر پہچانی جاؤ۔ منیں تمہارا وہ خواب پورا کر سکتا ہوں جب بھی تم چاہو لیکن کیا تمہارے نامہ اور اتنا اعتماد ہے کہ تم کسی بھی بزنس کو سنبھال سکو؟“

”کیوں نہیں۔۔۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہی یہی ہے۔ منیں نے ہمیشہ خود کو ایک بزنس وومن کے طور پر دیکھا ہے۔ میرا امتحان نہ ہوتا تو نہیں پاپا کے ساتھ بزنس شروع کر بھی سکتی ہوتی۔ اب میرے امتحان ختم ہو گئے روز لٹ آ گیا اور منیں حریف نہیں پڑھتا چاہتی لیکن اگر مجھے پڑھنا پڑا تو پڑھوں گی۔“

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ پڑھنا نہیں چاہتی اور۔۔۔؟“

”دیکھیں اگر بزنس کی کوئی بھی صورت بن گئی پاپا پر امنی ہو گئے یا آپ کوئی میرے لیے صورت بناتے ہیں تو پھر منیں کہیں تعلیم حاصل کروں گی بزنس میں تو تجربہ چاہتا ہے لیکن اگر کوئی بھی میرے لیے کچھ نہ کر پاپا تو پھر مجبوری میں مجھے پڑھنا ہی پڑھے گا یا پھر آپ کے گھر کا کچن سنبھالنا پڑے گا۔“

”تم نے ابھی تجربے کی بات کی ہے وہ تو آتے آتے آئے گا؟“

”پاپا میں نا وہ بھائی کے بزنس کو دیکھ رہے ہیں۔ دو چار مہینے وہ حریف ملازمت کریں گے پھر منیں اور پاپا دونوں مل کر ہی بزنس کریں گے۔ تجربہ خود بخود آتا چلا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے صنفیہ! منیں تمہیں اور تمہاری خواہش کو مقدم رکھتا ہوں۔ منیں تم سے شادی ہی اس وقت کروں گا جب تم کوگی۔ منیں آج ہی سے چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے کسی میٹ آپ کا بندہ دست کرتا ہوں۔“

”کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟“

”اس میں شک والی بات بھی کیا ہے تم چند دن تک خود ہی دیکھو گی۔“

اس دن کے بعد سے صفیہ کے خواب اور سوچیں ایک نیا رنگ لیے ہوئے تھے۔ برآئے والا دن اسے اپنی کامیابی کے نزدیک کرنا چلا جا رہا تھا۔ روزانہ اس کا باپ اس سے باتیں کرتا، کوئی نئی بات بتاتا، اسی طرح ماہیوں سے بھی فون پر باتیں چلتی رہیں۔ دونوں میں وہ لہو بھی آ گیا جب کاغذات پر حتمی و حتمی کے بعد وہ ایک کاروبار کی مالک بن جاتی اور اس دن وہی لمحے اس کی خوشی اس کی جموںی میں ڈال دینے والے تھے۔ کرب اور بے چینی اپنے عروج پر تھی۔ لان میں بیٹھی وہ اپنے پاپا کی باتیں انتظار کرتی تھی جنہوں نے آج برسے کو حتمی شکل دینا تھی۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا جا رہا تھا اور وہ منتظر تھی۔ پھر اس کا انتظار ختم ہو گیا۔ اس کے پاپا کی گاڑی جو تھی پورے دن میں نہ آئی وہ بے تابی سے کھڑی ہو گئی۔ اس کے پاپا کی گاڑی سے نکلے اور گہری لٹا ہوں سے اس کی جانب دیکھا پھر اس کی جانب ہی بڑھنے پڑے آئے۔ اُن کے ہاتھ میں بیگ تھا جو انہوں نے بیگ کی میز پر رکھا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

”بہت بے چینی دیکھائی دے رہی ہو۔۔۔۔۔“

”جی پاپا۔۔۔“

وہ دھیرے سے بولی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ تب اس کے پاپا نے برفیل کس کھولا اور اس میں سے سفید رنگ کی فائل نکالی اُسے میز پر رکھا۔

”آج میری ماہیوں سے ایک تفصیلی نشست رہی جس میں سارے معاملے طے پا گئے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ لہو بھر کے لیے زکے اور بھرکتے چلے گئے۔ ”وہ میرے ہی انتظار میں تھا۔ جس طرح میں نے سوچا تھا اُس نے بھی ویسی ہی بات کی۔ جو کاروبار تم کرو گی اس میں وہ بھی شریک ہوگا۔“

اس کے پاپا نے کہا تو صفیہ کے دل میں خوشی بھر گئی۔ پھر ان کے درمیان اس سارے معاملے کی تفصیلات زیر بحث رہیں یہاں تک کہ پاپا نے آخری بات کہتے ہوئے کہا۔

”میں نے آفس بھی دیکھ لیا ہے تم! سے اپنی پسند سے سہا لیا۔۔۔ میں جلد سبکدوش ہو جاؤں گا اور پھر تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا۔“

”پاپا! آپ صبر سے لیے۔۔۔“ وہ چند ہاتی ہوئی تھی۔

”ہاں بیٹا! والدین کو اپنے بچوں کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔“

انہوں نے بھی گلو کیر لہجے میں کہا۔ نجانے اُن کے دل میں کیا کچھ تھا۔۔۔ پھر ان میں کوئی گفتگو نہ ہوئی اور دونوں اٹھ کر اندر چلے گئے۔

☆☆

رائیڈ کے ڈرائنگ روم میں خوشگوار باحول کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے نرسزین بیٹھی ہوئی تھی اُس کے ہاتھ میں چائے کا گلاس تھا اور سامنے دھرے لوازمات میں سے سگٹ اٹھاتے ہوئے اُس نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

”رائیڈ ہاٹل کے پہلے تین برس ہم نے کس قدر روٹنی پریشانی میں گزارے تھے پھر اخیل ہے کہ تم نے اس طرح کی زندگی کے بارے میں

سوچا بھی نہیں ہوگا۔ کیا نہیں درست کہہ رہی ہوں؟“

”ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ ہاسٹل کی زندگی واقعتاً ذہنی پریشانی کی زندگی تھی۔ وہ ڈاکٹر جیمل اور اسی جیسے لوگ۔۔۔ خیر چھوڑو۔۔۔“

اس نے ماضی کی سچی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”اوہاں یاد آیا۔ تم تو ہاسٹل پھر آئی نہیں ہو۔ وہ ڈاکٹر جیمل اب نہیں رہا برین سمیرتج ہوا اور۔۔۔“

نسرین نے دھیرے سے کہا جس پر راحیلہ نے کوئی بھی تاثر نہیں دیا۔ جیسے نہ اسے خوشی اور نہ دکھ ہوا ہو ایسے نسرین کی جانب دیکھتی رہ گئی تھی۔۔۔ اصل میں انسان کبھی نہیں مرتا۔ جب تک وہ کسی نہ کسی حوالے سے یاد رہتا ہے ایک طرح سے وہ زندہ ہی ہوتا ہے۔ بحث اس سے نہیں کہ اس کی یاد کس حوالے سے ہے؟ جیسے حضرت آدم رضی اللہ عنہما تک زندہ ہی رہیں گے۔ انہا کی مذہب ہو یا غیر انہا کی مذہب کو ماننے والے ہوں یا نہ ماننے والے کسی نہ کسی حوالے سے وہ حضرت آدم کو ضرور یاد رکھتے ہیں۔ تب سے سائے کر آج تک کے درمیان میں کتنے لوگ اس دنیا پر آئے اور چلے گئے لیکن حوالہ کن کا زندہ رہا ہے۔ لیکن کون ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان اپنے ہونے کا ایک حوالہ رکھتا ہے۔ وہ حوالہ جیسا بھی ہو اگر اپنی زندگی میں وہ خود قسم کر لیتا ہے۔ اس سے دستبردار ہونا ہے تو کبھی ہوا ہی وقت تھا ہو گیا۔ فلاور جہ کی اصل حقیقت ہی یہی ہے کہ یہ دونوں طرفیں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کی پیدائش کے ذمہ دار ہیں۔ فلاور سے جاتا ہے اور جہ سے فلاور یا بالکل اسی طرح ہے جیسے زندگی سے موت اور موت سے زندگی کا احساس موجود ہو۔ مادی جسم تو اس کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ جب تک مادی جسم موجود ہے فلاور جہ کا اظہار رہا ہے اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔ مادی جسم سے جو اظہار ہو رہا ہے وہ کردار کہلاتا ہے اور کردار ہی فلاور جہ کی سمت متعین کرتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک عام سی بات ہے کوئی نقد نہیں۔ کوئی اگر یہ چاہے کہ اس کا کوئی سائنسی پہلو یا اس کی کوئی سائنسی دلیل ہے تو وہ زیادہ اہمیت کے ساتھ اسے ثابت کر رہی ہے۔ مثال کے طور پر آئین سائنس کا قانون تو اتنا ہی۔ اس کے مطابق مادہ تو اتنا ہی میں تھریں ہو سکتا ہے اور تو اتنا ہی مادے میں بدل سکتی ہے۔ اگرچہ یہ نظریہ وجدان کی بنیاد پر رکھا گیا تھا لیکن ڈیڑھ صدی گزرنے کے بعد اسے سائنسی اہمیت ملی ہے۔ فلاور جہ کی بحث اس معاملے کو بھی سمجھنے کی بنیاد ہے کہ دوبارہ زندگی کیسے ملے گی؟

”ہاں۔۔۔ جو اس دنیا میں آیا ہے اس نے جانا بھی ہے۔“

راحیلہ نے نہ سوچ لہجے میں کہا جیسے وہ اس خبر پر اس سے زیادہ متبرون نہیں کرنا چاہتی۔ اس پر دونوں کے درمیان خاموشی آگئی یوں جیسے ان کے پاس بات کرنے کے لیے کوئی موضوع ہی نہ رہا ہو۔ چند لمحوں بعد نسرین ہی نے اس خاموشی کو توڑا۔

”جنید بھائی دکھائی نہیں دیتے؟“

اس پر راحیلہ نے یوں اس کی جانب دیکھا جیسے وہ ایک دنیا سے نکل کر دوسری دنیا میں آگئی ہو۔ اس کا تاثر ہی بدل گیا مسکراتے ہوئے

ہوئی۔

”وہ یہاں نہیں ہیں سنیں نے اسی لیے تمہیں بلایا ہے۔“

"باہن! وہ نہیں ہیں اور مجھے بلا یا ہے۔" سمجھ نہیں آئی؟ "سرن نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ اس ملک میں نہیں ہیں۔ چند دن ہوئے دو دن چلے گئے ہیں اور یہ معاملہ انہوں نے اجماعی خفیہ رکھا ہے۔ سوائے میرے کسی کو بھی

نہیں معلوم۔"

"یہ تم کیسی ابھی ہوئی باہن کر رہی ہو۔۔۔ اگر انہوں نے اپنا دوہنی جانا خفیہ رکھا ہے تو مجھے کیوں بتا رہی ہو؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اس لیے کہ انہوں نے ہی مجھ سے کہا تھا۔۔۔ خیر! میں تمہیں تفصیل سے بتاتی ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ دوہنی یا کسی دوسرے ملک

میں رہنے کا بندوبست کریں گے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اپنی پرانی زندگی میں لوٹ جائیں لہذا یہاں رہنے کے لیے کوئی جواز نہیں اور نہ ہی وہ رہ سکتے ہیں

دوسرے وٹس ہی میں جانا ہوگا۔ جاتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں یہاں اپنے پاس لے آؤں۔ ہم دونوں نے نرسنگ کورس کیا ہے

سو یہاں ٹیکنک بنائیں اور جہاں تک ممکن ہو تو لوگوں کی خدمت کریں۔ وہ لوگ جو کسی نہ کسی حوالے سے مستحق ہیں ان کے کام آئیں۔ اگر تم رضامند

ہو تو میرے ساتھ آؤ یہاں رہو اور چاہو تو نوکری کرو۔۔۔"

راجیلہ نے تفصیل سے بتایا اور کسی متوقع جواب کے لیے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ سرن سے ہوئے اور حیرت زدہ چہرے کے ساتھ اس

کی جانب دیکھتی رہی پھر اس کی ٹانگیں ہلکتے ہوئے گئیں یہاں تک کہ اس نے ٹنگ میز پر رکھا اور گہری سانس لے کر بچکے ہوئے لہجے میں بولی۔

"راجیلہ! مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ زندگی میں کوئی تو اپنا ہے اور ایک انسان دوسرے انسان کے کام بھی آتا ہے۔۔۔ مجھے لوگوں کی

خدمت کا اشتیاق نہیں لیکن میں ایک گھر کے لیے ترس گئی ہوں۔ اس باپ کے ساتھ قہمی تو وہ مجھے ذہنی طور پر پہلی بار دکر اتے رہے کہ میں پیہا ہی اس

لیے ہوئی ہوں کہ پیر کھاؤں۔ مشنری سکول کے ہاسٹل میں رہی وہاں سے نرسنگ ہاسٹل۔ میرا نہیں خیال کہ تم میرے والدین سے کبھی ملی ہو۔

انہیں بس میری تنخواہ کے آدھے حصے سے غرض ہے اور مزید کا مطالبہ رہتا ہے۔ انہوں نے کبھی میرے ساتھ یہ بات نہیں کی کہ میں عورت ہوں۔

میرے بھی جذبات ہیں میرا بھی ایک گھر ہونا چاہیے اور وکڑ۔۔۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ وہ تو مذہب کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر چکا ہے۔ اب کوئی

میری جانب ہاتھ بھی بڑھائے گا تو ایسی وجہ سے کہ میں اچھا خاصا کمانی ہوں اور وہ ساری زندگی بیٹھ کر کھائے گا۔ کیا ہے زندگی؟۔۔۔ اب تم نے مجھے

اپنے ساتھ رہنے ایک گھر میں رہنے کی آفر دی ہے تو مجھے یوں لگا جیسے میں بھی انسان ہوں نہیں بلکہ کسی گھر میں رہ سکتی ہوں اور اس پر حیرت والی

بات یہ ہے کہ جب یہاں کو میرا خیال رہا۔"

وہ یوں کہتی چلی جاری تھی جیسے پھٹ پڑی ہو۔ انسان دوسروں کی توجہ اہم روئی اور محبت کے لیے یوں بھی ترستا ہے؟ راجیلہ کے لیے یہ

حیران کن تھا۔

"تم اگر پہلے کبھی اشارہ بھی دے دو بتیں تو میں ضد کر کے تمہیں اپنے ساتھ رکھتی۔" راجیلہ بولی۔

"کیسے سچی تم بھی تو۔۔۔ خیر! میں ان گئی ہوں کہ محبت میں جب یقین شامل ہوتا ہے تو سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ میری محبت وہ محبت

نہیں تھی جو تمہاری ہے۔ تم جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں کیا کرتی تھیں! اس کا نتیجہ میں دیکھ رہی ہوں۔۔۔ کبھی کبھی نن اگتے شتا ہے اور کبھی ان لوگوں

مشرق تباہ عشق بنا

سے تعلق کی بنا پر بھی مل جاتا ہے اور جو خدا کے حضور پسندیدہ ہو جائیں، خدا انہیں برکت دے دیتا ہے۔۔۔" وہ مسنویت بھرے لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"چھوڑو! ان باتوں کو۔۔۔ جنید نے اگر تمہارے بارے میں کہا ہے تو کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا۔ اب کہا خیال ہے تمہارا؟"

"منیں ابھی سے تمہارے گھر میں ہوں۔ نہیں بلکہ اپنے بھائی کے گھر میں ہوں۔ جہاں تک لو کری کا معاملہ ہے، وہ بھی منیں چھوڑ دوں

کی۔ جو بھائی نے کہا ہے وہی کروں گی۔" وہ ایک دم سے خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تو پھر ٹھیک ہے تم اس کمرے میں رہو جو میرا تھا۔ جس قدر جلدی ممکن ہو سکا ہم ٹیکٹک بنائیں گے۔ سب تختیاں بھول جاؤ۔ اب ہم

ایک نئی زندگی کی شروعات کریں گے۔۔۔"

راحیلہ نے کہا تو وہ ایک دم سے رو نہ لگی۔ راحیلہ اٹھی اور اس کے پاس چلی آئی، کافی دیر تک اس کی دلجوئی کرتی رہی یہاں تک کہ وہ

بزدل ہو گئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اچھے جذبات، غلو، مسنیت اور خوش گمانی اپنا اثر ضرور رکھتی ہے۔

۶۶۶

ہاہوں اس دقت ای صنعت کار سینٹھ حنیف کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جو اس کا پاس بھی تھا اور سیاست میں اس کا کاؤڈا اور بھی۔ کوئی دقت تھا

جب جنید نے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تھا اور جس کے دل پر وہ عطا تھے میں نہ صرف اپنا سیاسی اثر اور سوخ بنا چکا تھا بلکہ شہر کے اہم لوگوں

میں بھی اس کا شمار ہو چکا تھا۔ سینٹھ حنیف سے اس کی ملاقات بہت کم ہی ہو کر تھی تھی زیادہ تر فون پر پر یا پھر ان کے جنرل نمبر کی طرف سے کوئی بات

اس تک پہنچ جاتی تھی اور نہ ہمایوں اپنے معاملات میں آزاد تھا اور بہت تیزی سے اپنی جگہ بنا چکا تھا۔ اس دن جب سینٹھ حنیف کی جانب سے بلاوا آیا تو

وہ ددوؤں تھے ان کے درمیان تیسرا کوئی فرد نہیں تھا۔ وہ مجھ چکا تھا کہ کوئی نہ کوئی اہم بات ہوگی۔ سینٹھ حنیف حسب عادت حالات کے بارے میں سوال

کر کے خاموش ہو گیا اور ہمایوں بتاتا رہا۔ وہ کہہ چکا تو سینٹھ حنیف نے ویرے سے پوچھا۔

"تم جنید کے بارے میں جانتے ہو کہاں ہے وہ آج کل۔۔۔؟"

اس غیر متوقع سوال پر ہمایوں نہ صرف کڑبڑا گیا بلکہ یہ سوال اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھا۔

"عرصہ ہوا، اس سے ملاقات نہیں ہوئی، کبھی کبھار وہ خود ہی فون کر لیتا ہے۔ منیں اگر چاہوں بھی تو اس سے رابطہ نہیں کر سکتا، وہ کہیں

روپوشی کی زندگی گزار رہا ہے۔" اس نے جھٹکا انداز میں کہا۔

"وہ کھو نہ ہائیں! جنہیں یاد ہوگا کہ اس نے ہی تمہارا اتنا رخ کر لیا تھا اور تم میری توقع کے مطابق بالکل ٹھیک رہے ہو۔۔۔ اس کا پس منظر

کیا ہے منیں پہلے نہیں جانتا تھا لیکن کچھ دنوں سے مجھے اندازہ ہوا۔ منیں شاید یہ جاننے کی کوشش بھی نہ کرتے لیکن یہ میری مجبوری تھی کہ مجھے یہ سب جاننا

پڑا۔" اس نے اٹھائی تجیدگی سے کہا۔

"منیں سمجھائیں۔۔۔؟" ہمایوں تیزی سے بولا۔

"منیں سمجھتا ہوں۔۔۔ تمہیں اور بہت کچھ بھی سمجھانا ہے لیکن ویرے ویرے ہی تو سمجھا پاؤں گا۔" سینٹھ حنیف نے اسی تجیدگی سے کہا

اور پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "مجبوری میری یہ ہے کہ جس بندے نے مجھ صاحبس دلایا ہے وہ میرا دوست بھی ہے اور منہ بھاری ہونے کے تاتے ہمارے سیاسی مقاصد ایک ہی ہیں۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ میں تمہارے ہارے ہی میں بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر سینہ حنیف نے اپنا بھروسہ گار منڈ میں لیا۔ اسے ہلا پاؤ اور دھواں خفا میں نکمیرے ہوئے بولا۔ "انکشن بہت قریب ہیں۔ ہماری پارٹی ڈالواں ڈول ہے کہ انکشن میں حصہ لے پانے کے ساتھ تم شادی کر رہے ہو وہ تمہاری چچا زاد ہے۔ اب تمہاری شادی کا پروگرام کیا ہے۔ مطلب کب کر رہے ہو؟"

"نی الحال تو کوئی طے نہیں کیا لیکن جلد ہی۔۔۔" ہا یوں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے گول مول جواب دیا۔

"ظاہر ہے تم شادی کرو گے تو شادی کے بعد کچھ عرصہ تک تمہاری باہر کی مصروفیات کم ہو جائیں گی۔ ممکن ہے تم اپنی سون کے لیے کسی دوسرے ملک بھی جاؤ تو ایسے میں حالات۔۔۔ میرا مطلب ہے سیاسی حالات پر نگاہ رکھنے میں بہت دشواری آئے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔۔۔؟"

سینہ حنیف نے یہ کہا اور سگارس کا کش لیتے ہوئے اس کی جانب غور سے دیکھا۔

"دوستی سمجھ گیا شادی انکشن کے بعد ہی بہتر رہے گی۔۔۔" ہا یوں تیزی سے بولا۔

ناش کے پتے

نرم کی بساط پر کھلی جانے والی خونی بازی..... ایک جنونی قاتل کا قصہ جو دنیا کے عظیم ترین قاتلوں کے درمیان اپنا نام سر فہرست رکھنا چاہتا تھا۔ ناش کے ہاؤن پتے اس کے مرکز نظر تھے۔ فی کل ایک پتے کے حسب سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ قانون کے محافظ معمولی سے سراغ کو بھی فراموش نہ کرتے ہوئے قاتل تک پہنچانا چاہتے تھے۔ مگر قاتل کی اہمیتا پسندی اور فنکاری محاذوں کی راہ میں مائل تھی۔

سٹر سٹریٹس اور سسٹمز پھیالانے والے اس ناول کی دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ قاتل آپ کے سامنے ہونے کے باوجود بھی ساتھ پروں میں پوشیدہ ہے۔

ناش کے پتے ایک سنسنی خیز اور دلچسپ ترین ایڈیٹور سے مہر زور ناول ہے جسے کتاب گھر کے ایڈیٹور ایڈیٹور جاسوسی ناول سیکشن میں بہت جلد پیش کیا جائے گا۔

"ہاں یہ اچھی بات ہے لیکن جس بندے نے — میرا مطلب ہے جنید نے تمہارا تعارف کروایا مگر وہ اب منظر پر نہیں ہے۔ اب جبکہ تم ایکشن میں جا رہے ہو تو تمہاری کیا مدد کرے گا؟" ہاس نے دھیمے سے لہجے میں پوچھا۔

"اب وہ سامنے تو ہے نہیں۔ ہم جیسے ہی اس کا فون آتا ہے منیں اسے ساری صورت حال بتاؤں گا۔" ہمایوں نے قہقہے سے کہا۔

"مجھ سے بھی تو کوئی رابطہ نہیں ہوا اس کا۔۔۔" سینٹہ حفیظ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"منیں آپ کا پیغام دے دوں گا۔۔۔ بلکہ وہ آپ سے رابطہ کرے گا۔" ہمایوں نے یقین دہانی کروائی۔

"دیکھو یہ تمہارے کیریئر کا سوال ہے۔ اس میں جنید بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے اس کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ شاید ہم وہ کچھ نہ کر

پائیں جو ہم سوچ رہے ہیں۔۔۔"

سینٹہ حفیظ نے پھر اصرار کیا تو ہمایوں کو لگا جیسے وہ کوئی اور بات کرنا چاہتا ہے اس لیے پوچھا۔

"جیسے اس کی رہ پوٹی ہے اور وہ کئی دال کا کردگی بھی نہیں اس سے لگتا ہے کہ وہ اپنی عظیم مہم نہیں رہا۔ اگر ایسا ہوا تو پھر۔۔۔؟"

"یہی نکتہ سمجھنے کی بات ہے۔۔۔ بات یہ نہیں ہے کہ اس کے بغیر منیں تمہاری مدد نہیں کروں گا جبکہ منیں تم پر بہت زیادہ سرمایہ کاری کر چکا

ہوں۔ جسمیں ہر حال میں ایکشن جوتا میری مجبوری ہے لیکن اگر میرا نقصان کسی دوسری طرف سے پورا ہو جائے تو منیں اس سے بھی دستبردار ہو سکتا

ہوں۔"

"منیں سمجھا نہیں — منیں تو ایکشن کے بعد ہی آپ کا سرمایہ۔۔۔"

ہمایوں نے دھیرے سے کہنا چاہا تو سینٹہ حفیظ نے اس کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ "اگرے نہیں تم میرا سرمایہ ایکشن سے پہلے یا بعد میں کیا لانا سکو

گے۔ منیں جسمیں سمجھتا ہوں۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر کو ہمایوں کے چہرے کی جانب دیکھا مگر یوں۔ "ہر طبقے کے لوگوں میں سادقت کے ساتھ

ساتھ مل کر چلنے کی مجبوری لیکن ہوتی ہے جیسے ہم منظر کا ہیں تمہارے ہے تو ہیں اس شہر میں۔ ہم اگر ایک دوسرے کے ساتھ نہ چلیں تو بہت جلد ہم

ختم ہو جائیں۔ جہاں پر ہمیں نقصان آ رہا تو ہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ جس طرح منیں نے تم پر سرمایہ کاری کی ہے کسی دوسرے نے بھی

تو کی ہے۔۔۔ خیر یہ معاملہ بھی نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جنید نے ہمارے ایک منظر کا دوست کو لونا ہے۔ اس کا بیٹا تورا خوا کیا تھا۔"

"جنید نے۔۔۔؟" ہمایوں نے ڈی طرح چونک گیا۔ اسے یوں لگا جیسے خطرے کا الارم بج چکا ہو۔

"ہاں اسی نے — میرا دوست اسے نہیں جانتا تھا۔ اس کے نزدیک چند دن پہلے تک وہ ایک انخواہ کار تھا لیکن جیسے ہی تمہاری مقفی کی

تصویریں اخبار میں آئیں لوگوں کو پتہ چلا تو میرے منظر کا دوست کی کچھ میں ساری بات آ گئی۔" سینٹہ حفیظ نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے

کہا۔

"منیں اب بھی نہیں سمجھا کہ میرے معاملات سے انخواہ کا تعلق کیا ہو سکتا ہے؟" ہمایوں نے دھیرے سے پولا۔

"مہوت بولتے ہو تم۔۔۔ تم جانتے ہو اور شامل بھی ہو اس معاملے میں لیکن کس حد تک اس کی تصدیق بہر حال نہیں ہے سو میں صاف

صاف کہتا ہوں کہ جنید یکن چاہتے آسے دے دو اور اپنا کیریز بچالو۔ ہم بھول جائیں گے کہ تم اس میں کس حد تک ملوث ہو۔ ہم جائیں اور جنید۔۔۔ تمہارے ساتھ ہمارا معاملہ ویسے ہی رہے گا جیسے کہ اب ہے۔" وہ تھی سے کہتا چلا گیا تو ایک دم سے ماحول میں سختی مغل مگی۔

"میں نہیں جانتا کہ اس نے یہ سب کیوں کیسے اور کب کیا ہے۔۔۔ میں مانتا ہوں کہ میرا جنید سے تعلق رہا ہے۔ اس نے میری بہت مدد کی ہے لیکن افواہ وغیرہ میرے علم میں نہیں آپ میرا یقین کریں۔" ہمایوں نے بہت نرم لہجہ میں یقین دہانی کروائی۔

"ہمایوں! تم اپنی مگشتر اور تیمور کے تعلق کے بارے میں جانتے ہو۔ ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ ہوا یہ بھی تم جانتے ہو اور اسی طرح تیمور کا باپ جو میرا دوست ہے وہ بھی جانتا ہے۔ جنید کا اور تمہارا تعلق میں جانتا ہوں۔ ذرا سے غور کرنے پر کوئی بچہ بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اصل معاملہ کیا

تھا؟"

"وہی جو میں کہہ چکا ہوں۔" ہمایوں نے تھی سے لہجہ میں کہا۔

"تھیک ہے۔۔۔ تم جنید کو لے آؤ اور اپنا شاعر مستقل لے جاؤ ورنہ۔۔۔" سینہ حنیفہ یہ کہتے ہوئے ایک لحو کوڑکا اور پھر سخت لہجہ میں بولا۔ "ورنہ میں تمہارا کیریز خود تیار کر دوں گا۔ تمہیں اس کا مل بھی نہیں چھوڑوں گا کہ کسی عدالت کے احاطے میں اپنا شیخ بھی رکھ لو اس لیے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔۔۔ جنید نے دو کروڑ لٹے ہیں۔ بات رقم کی نہیں آتا کی ہے۔ شہر کے منہ سے نواز چھین لینا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس پر اگر چار کروڑ بھی خرچ آ گیا تو کوئی پردا نہیں کسی کی قربانی بھی دینا پڑی تو دے دیں گے لیکن جنید ہمیں چاہئے۔ بہتر ہے کہ تم ہی اسے کسی نہ کسی طرح ہمارے حوالے کر دو۔ انعام ملے گا ذکن اسٹیبل بھی بنا جاوے اور تمہاری ہونے والی بیوی کے کاروبار کے لیے رقم بھی ملے گی! اسے تحفظ بھی دیں گے ورنہ وہ کاروبار شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ جاؤ! شام تک مجھے سوچ کر بنا دینا۔"

سینہ حنیفہ نے آخری لفظ کچھ زیادہ ہی تندی سے کہے تو مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ وہ باس لاقطع سا ہو کر بیٹھ گیا تو اسے اٹھنا پڑا۔ ہمایوں کے لیے ایسا امتحان آن پڑا تھا جس میں ہر طرف خسارہ ہی خسارہ تھا۔

منیہ کو اپنی منزل انتہائی قریب دکھائی دے رہی تھی۔ ایک آفس کا تصور مزاج تھا جو کر آفس کے لیے لکھنا وہاں سارا دن معروف رہنا۔ شہر اور ہرون شہر بزنس والوں سے ہاتھ ان سے ڈیل شہر کی مجلسی زندگی اور ایک خاص قسم کا انفرادیت کا تصور ہی سمرا گیز تھا۔ جب سے اس کے پاپانے خوشخبری سنائی تھی تب سے ایک نیا آلودی کیفیت اس پر حاوی تھی۔ وہ ہر سکون نہیں تھی بلکہ اس کے اندر بہت کچھ کرنے کی بے چینی عود آئی تھی۔ وہ سکون سے بیٹھتی ہی نہیں تھی۔ دن بھر اپنے بھائی اشعر کے آفس میں گزارتی تو رات کا بیشتر حصہ کچھ بیقرار استعمال کرتے گزار جاتا۔ وہ تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر لینا چاہتی تھی۔ وہ شخص جو اس کے بارے میں نہ جانتا ہوا ہے پہلی نگاہ میں دیکھ کر یہی اندازہ لگاتا کہ دو پاگل ہو گئی ہے۔ اس نے جو ایک خاص اطمینان اور دولت سے عشق کیا تھا اس کا ہدف سامنے تھا اور وہ پوری لگن سے اس کی جانب متوجہ تھی۔ اس رات بھی وہ لیپ ٹاپ کو دوسرے کمرے پر بند کر کے دراز تھی۔ اس کی ساری توجہ سکریں پر تھی۔ رات ابھی اتنی گہری نہیں ہوئی تھی کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے بے

خیالی میں فون اٹھایا، نمبر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی اور فون کان سے لگا کر بولا کہہ دیا۔

”صنیں ہوں۔ کبھی ہم بھی تم بھی تھے آئیے، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔“ دوسری طرف تیمور کی آواز میں جہاں خوشگوار بات تھی وہاں کسی حد تک طنز یا انداز بھی تھا۔

”کون۔۔۔؟“ صفیہ نے جان بوجھ کر اُسے نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”کہنا، ہم کبھی ایک دوسرے کے آشنا تھے۔ تم بھول سکتی ہو اور تمہیں بھولنا بھی چاہئے لیکن میں تمہیں نہیں بھولا اور ہاں ایک بات سن لو۔ فون بند کرنے کی غلطی مت کرنا اور تمہاری تپسی زیادہ دیکھنا تک ہو جائے گی۔“

تیمور نے فرماتے ہوئے کہا تو صفیہ ایک دم سے چونک گئی۔ ایسا لہجہ تو اس نے کبھی نہیں سنا تھا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو۔۔۔؟“

”صنیں مانتا ہوں کہ تم بہت ساری لڑکیوں سے منفرد ہونے سے حسین بھی ہو۔ کسی بھی مرد کو اپنی جانب توجہ کر لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہو لیکن اتنی مہنگی ہوگی یہ مجھے چند دن پہلے ہی معلوم ہوا ہے۔“ وہ پھر طنز نہ بچے نہیں بولا۔

”یہ تم کیا کہو اس کرتے چلے جا رہے ہو۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو؟“ صفیہ نے غصے میں کہا۔

”صنیں پورے ہوش و حواس سے بات کر رہا ہوں اور میں یہ سمجھتا بھی ہوں کہ تم سے اب بات کرنی چاہئے۔“ تیمور نے سرو سے لہجے میں کہا۔

”تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو جلدی بولا۔ میرے پاس فضول وقت کتنا ہے۔“ وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔

”نہ ایسے نہیں کہتے دوسرے کو بڑا بھی لگ سکتا ہے۔“ خیر پہلے تو میں تمہارے ساتھ نظر کھیل رہا تھا ایسا کھیل جو میں کئی دوسری لڑکیوں سے کھیلا رہا ہوں اور یہ کھیل اب بھی جاری ہے۔ تمہارے جھکی کئی خواہشوں کی ماری خود بخود اس کھیل میں شامل ہو جاتی ہیں اور میں۔۔۔“

تیمور کہہ رہا تھا کہ اس نے بات کا سٹے ہوئے کہا۔

”جتنے جاؤ گے یا کام کی بات کرو گے۔۔۔؟“

وہ ہڈیانی انداز میں بولی لیکن تیمور سنی ان سنی کرتے ہوئے کہتا چلا گیا۔

”اب میں تم سے خود کھینوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم کیا کر رہی ہو۔ میں تمہاری معافی سے بھی واقف ہوں اور وہ جو تم پر بس شروع کرنے جا رہی ہوا ہے مگھتر کے ساتھ۔۔۔“

”تو پھر تمہیں کیا تکلیف ہو رہی ہے؟“ وہ انتہائی غصے میں بولی۔

”تکلیف تو مجھے ہوتی ہے کیونکہ میرے پیسے ہی سے تم یہ کاروبار شروع کر رہی ہو۔ وہ تمہارا مگھتر جو دونوں میں امیر ہوا ہے یونہی نہیں ہو گیا۔ اسے یہ سمجھ ہی نہیں ہے کہ دولت لوٹ لینا کوئی بڑی بات نہیں لیکن اسے ہضم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو نچلے

ورہے کے فریب لوگ ہوتے ہیں۔" اس کے لہجے میں پھر سے طرہا گیا تھا۔

"دیکھو تم میرے ساتھ سیدھی بات کرو۔ آخر تم کتنا کیا چاہ رہے ہو؟" وہ ہنسنے لگا۔

"ہاں اب ہوگی کام کی بات۔ تو سنو۔ تمہارے منگیترنے مجھے انخواہ کرایا اور وہ کروڑ کی رقم تاوان کے طور پر حاصل کی۔ میں نہیں جانتا

کہ اس نے اس رقم کے کتنے حصے کیئے ہیں یا اب اس کے پاس کتنی رقم رہ گئی ہے لیکن میں ایک ایک پائی اس کے مطلق سے کالنے والا ہوں۔ وہ میرا اور اس کا معاملہ ہے لیکن تم اب وہی کرو گئی جو میں چاہوں گا۔" وہ غصے میں کہتا چلا گیا۔

"شکرا کیا کرو گے تم۔۔۔؟" اس نے اچھائی ہنر سے کہا حالانکہ وہی بطور پر ایک ذم سے بھری تھی۔

"جو میرا دل چاہا۔۔۔ میں جب چاہوں تمہیں اپنے فارم پہ بلاؤں گا۔ وہ جو پہلے تمہاری مرضی سے چاہتا تھا اب اپنی مرضی۔۔۔"

"کہو اس بند کرو تم میرے لیے ایک خدش زدہ شخص سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ہو کبھی تم۔۔۔ اور آئندہ اگر تم نے مجھے فون کیا تو مجھ

سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

صفیہ نے اچھائی غصے میں کہا اور فون بند کر دیا۔۔۔ وہ اس انکشاف پر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ یہ سوالیہ نشان اسکے ذہن میں تھا کہ وہاں

دنوں میں امیر کیسے ہو گیا اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ راتوں رات امیر ہونے والے جائز و حلال نہیں کرتے۔ اس میں کالک ضرور ہوتی ہے مگر دولت

کالی ہے یا سفید؟ اسے اس سے غرض نہیں تھی اس دولت ہونی چاہئے۔۔۔ تیمور یکدم پیچھے کیوں ہٹ گیا تھا اور وہاں اس سارے منظر پر اچھا تکب

کیسے چھا گیا؟ ان سوالوں کے جواب بھی اسے مل گئے۔ اگرچہ یہ سوال بنوڑا اپنی جگہ تھا کہ یہ سب اس نے کیسے کیا لیکن یہ حقیقت تھی کہ ایسا ہو گیا اور

اب جبکہ وہ اپنی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکی ہے تو تیمور اسے دھمکیاں دینے لگا تھا۔ اب کا ایک دوسرا پہلو بھی تھا کہ وہاں اس سے اس قدر محبت کرتا

ہے کہ اپنی جان تقبلی پر رکھ لے دیا اور اچھی محبت تھی یا اس کی نفرت کا رد عمل؟ اگر تیمور کی بات سچ ہے تو پھر وہ وہاں کیوں کو کبھی نہیں چھوڑے گا اور اگر وہاں

کے پاس دولت نہ رہی تو سب کچھ بکھرا جائے گا۔ یہی سوچ کر اس نے پریشانی کے عالم میں فوراً وہاں کے نمبر مٹانے کا رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا۔

"وہاں! مجھے بہت عجیب سی فون کال ملی ہے۔" اس نے حفاطہ انداز میں کہا۔

"کیا۔۔۔؟" وہ بولا۔

"کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ تم نے تیمور کو انخواہ کرایا اور وہ کروڑ حاصل کیئے۔ اب انہی سے تم کا وہاں رکھ رہے ہو اور جو تم راتوں رات۔۔۔"

"یہ ایک سازش ہے تم تمہارا موت۔۔۔" اس نے جمل سے کہا بھی صفیہ کے فون پر تیمور کی کال وینٹگ پر آ گئی۔

"کون لوگ سازش کر رہے ہیں؟" وہ تیزی سے بولی۔

"ان کا پتہ تو نہیں اب تک سارا معاملہ تم بھی کر لیتا۔ میں نے کہا تم پریشان نہیں ہونا۔ تم ایسی فون کا تر پڑا بھی دیکھنا نہ دیکھ

سنا ہی نہ کرو۔" وہاں نے عام سے انداز میں کہا۔

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے نہ نہ میرا دل تو بہت گھبرا رہا ہے۔" اس نے پھر توشیح زدہ لہجے میں کہا۔

"کہانا" نظر انداز کر دو اور وہی کرو جو تم کر رہی ہو۔" ہمایوں نے اسے تسلی دی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔"

اس نے تیمور کی کال دیکھ کر حیرتی سے کہا اور بھرفون بند کر دیا۔ تبھی تیمور کے نمبر سکرین پر ابھر آئے۔ اس نے چند لمبے دیکھا اور بھرفون رسیو کر لیا۔

"بولو کیا چاہتے ہو تم۔۔۔؟" صفیہ نے انتہائی غصے میں کہا۔

"یہی کہ نہیں وہ کہہ ڈنظر انداز کر سکتا ہوں اگر تم میری بات مانتی رہو نہیں جب چاہوں۔۔۔"

"تیمور! بہت ہو گئی نہیں آخری بار وارننگ دے رہی ہوں۔۔۔"

"تم مجھے کوئی وارننگ نہیں دے سکتی ہو وہ وہ اس لیے کہ فارم ہاؤس میں لگے ہوئے خفیہ کمرے وہ سب کچھ ریکارڈ کر چکے ہیں جو تم وہاں کرتے تھے۔ میری بات نہیں مانو گی تو تم بزنس وومن تو شاید نہ بن سکو لیکن کال گرل کے طور پر مشہور ہو جاؤ گی۔ ذرا سوچو کیا مارے گا یہ سب؟۔۔۔ موبائل کی دنیا میں یہ جرائم ایم ایس کی سہولت ہے ایسے کاموں کے لیے کتنی بڑی سہولت ہے۔ ہمارا تزمین ہے۔۔۔ خیر شاید تمہارا سگیترا جو تمہارا کزن بھی ہے آکھوں دیکھی کسی گل کر خاندان کی عزت بچالے۔ تم سے شادی کر لے لیکن دنیا جہنمیں حوٹا نہیں کرے گی۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"جھوٹ بول رہے تم؟" اس کو اسے ہو۔۔۔" وہ ذہنی انداز میں بولی لیکن اندر سے کانپ کر رہ گئی تھی۔ اگر یہ سب سچ ہوا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔

"نہیں جھوٹ نہیں بولنا۔ ابھی چند نمونوں کی رد واد جمیں بھیج رہا ہوں دیکھا اور انچوائس کرنا پھر سوچو۔۔۔ اپنا ہی سیل ایڈریس مجھے بھجواتے کچھ تمہیں دیکھنے کو ملے گا اور اب تم مجھے فون کرو گی۔"

اس نے انتہائی سرو لیگے میں کہا اور اچانک فون بند کر دیا۔ صفیہ ایک ڈم سے اپنے آپ ہی میں نہ رہی۔ یہ اچانک کیسی التا پڑ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ ہواؤں میں اڑتی ہوئی اچانک زمین کی طرف جا رہی ہے جہاں گرتے ہی چرچر ہو جاتا اس کا مقدر ہے۔ اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کا چہرہ اس کے سامنے آتا چلا گیا وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی انہیں کیسے یقین دوائے گی؟۔۔۔ تبھی اس کے فون نے اسے متوجہ کر لیا۔ اس نے جلدی سے فون اٹھایا اور اسے دیکھا۔ چند لمحوں کی لطم سے اس کے ہوش اڑ گئے تو ماسک ہو کر رہ گئی۔ اگر بھی لطم۔۔۔ وہ اس سے آگے نہ سوچ سکی۔

☆ ☆

ہمایوں اس وقت ذہنی دباؤ کی اس سطح پر تھا جہاں اسے کچھ بھی دسکتا تھا۔ اس کے دماغ کی کوئی فٹ پھٹ سکتی تھی یا نروس بریک ڈاؤن ہو سکتا تھا۔ وہ انتہائی مشکل سے اس پارک تک پہنچا تھا جو اس کے گھر کے راستے میں آتا تھا۔ اگرچہ پریشانی تو اسے پہلے ہی تھی وہ اس وقت سے سوچ کی سولی پر لٹکا ہوا تھا جب سینئر حقیقت نے حید کو اس کے سامنے لانے کے لیے کہا تھا۔ وہ کسی طور بھی حسیں کش نہیں کر سکتا تھا اس لیے حید کے ہارے میں سوچنے کی بجائے وہ بھی سوچنا رہا تھا کہ کوئی ایسا راستہ نکالے جس سے سارا معاملہ حل ہو جائے۔ اسے یہ بھی طرح معلوم تھا کہ حید کے ہارے میں

عشق تو ہے عشق بنا

اسے کہا اس لیے گیا ہے کہ وہ خود سامنے نہیں آنا چاہتے تھے بلکہ راز الٹا کرنے کا سارا بوجھ اور ذمہ داری اسی پر ڈال کر خود مریٰ الزمہ ہونا چاہتے تھے۔ تیمور کے اغواء سے چاہے جنید نے تاوان وصول کیا ہو یا نہیں لیکن اس کی اپنی زندگی میں بہت زیادہ انقلاب آ گیا تھا۔ وہ حالات جنہیں وہ محض خواب سمجھتا تھا حقیقت کا زہر پودھا رکھے تھے۔ اسے جو حاصل کرنے کی تمنا تھی دنوں میں اس کی دسترس میں آتا چلا گیا تھا۔ اسے یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ صفیہ سے منگنی کے بعد انہوں نے دو اور دو چار کر کے معاملہ کس طرح فوراً سمجھ لیا تھا۔ اسے یہ اچھی طرح احساس تھا کہ وہ چاہے جتنا جھوٹ بولتا رہے اور حقیقت جان گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے سینہ خلیق نے جلا لیا اور اجنبائی سرد لہجے میں کہا تھا۔

”ابتلاؤقت گزر جانے کے باوجود ابھی تک تم نے جنید کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔ کیا تم اس معاملے کو تنبیہ کی سے نہیں لے رہے

ہو؟“

”سر! میں کوئی فیصلہ تو نہیں دے رہا ہوں کہ اس نے تیمور کو اغوا کیا تھا یا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اجنبائی سفیدہ معاملہ ہے لیکن سراسر اصل مسئلہ یہ ہے کہ میرا بچھلنے والی دنوں سے اس کے ساتھ کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔ میں نے آپ کو بتایا بھی تھا کہ جب وہ چاہتا ہے تو رابطہ کرتا ہے۔ میں۔۔۔“

اس نے کہنا چاہا لیکن سینہ خلیق نے اسے نوکتے ہوئے پوچھا۔ ”اس کا کوئی رشتہ دار تو ہوگا؟“

یہی وہ سوال تھا جس سے وہ گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا اسی سوال پر اس کا اطمینان بھی ہو سکتا تھا۔ اگر وہ انکار کرتا ہے اور اس بارے میں معلوم ہوا تو پھر سب کچھ ایک لمحے میں ختم ہو جاتا جبکہ دوسری صورت میں۔۔۔ وہ اس سے آگے نہیں سوچ سکا لہذا اس نے رسک لینے ہی کی گمانی اور بڑے احتیاط سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔۔۔ اگر ہوگا بھی تو مجھے نہیں معلوم۔۔۔“

”بس میں سے تمہاری نیت کے بارے میں پتہ چل گیا ہے! ہاں! تم مجھ سے مسلسل جھوٹ بولتے چلے آ رہے ہو۔ میرے بھی ذرا رخ ہیں، انہوں نے کفرم کیا ہے کہ جنید کی بیوی ہے اور اسی شہر میں ہے اور تم اس سے واقف ہو۔ کیا میں غلط کبہ رہا ہوں؟“ اس کا لہجہ انتہائی غصے سے بھرا ہوا تھا۔

”میں نے کہا نا مجھے اس کے بارے میں نہیں معلوم۔۔۔ اس نے سختی سے تردید کر دی۔

”چلو مان لیا کہ تمہیں نہیں پتا ہے لیکن میں تمہیں فقط آج کی رات دیتا ہوں۔ ساری رات میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔۔۔ طلوع صبح تک اس کی بیوی ہمارے قبضے میں ہوگی تو وہ خود بخود سامنے آ جائے گا اور اگر تم ایسا نہ کر سکتے تو۔۔۔“ وہ غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔

”میں اگر اس کی بیوی کو تلاش کر بھی لوں تب بھی وہ اگر سامنے نہ آیا تو پھر۔۔۔؟“

”یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے تمہارا کام ختم ہو جائے گا پھر ہم جانیں یا وہ۔۔۔ اس نے قدرے نرم پڑتے ہوئے کہا۔

”دیکھیں سر! میں نہیں سمجھتا کہ اتنے کم وقت میں اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔“ ہالیوں نے سوہمی دہلیز کے سہارے ذرا سی مزاحمت

کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو! ہاں! تم میرے لیے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے ہو! میں چاہوں تو ابھی تشدد کے ذریعے تم سے سب کچھ اگلا لوں۔ میں نے تمہارا جھوٹ بھی نظر انداز کیا ہے تو اس لیے کہ تم اب تک میرے ایک مہرے کی ہی حیثیت رکھتے ہو ورنہ میں لٹو بیچو کی طرح تمہیں مسل کر رکھ دیتا۔ جس طرح کوئی حاکم کسی بڑے سیاستدان کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ میں چاہوں تو بکری چوری کے ازام میں جیل کے اندر ڈال دوں اور اس کی ضمانت بھی نہ ہوا! میں تمہیں ایک ہیچروٹ چوری کرنے کے ازام میں ابھی اندر کرنا سکتا ہوں۔ تم شاید نہیں جانتے! اب تک نجانے کتنے کاغذات! کتنی دستاویزات میرے پاس موجود ہیں جو تمہیں ساری زندگی کے لیے جیل میں سڑنے پر مجبور کر دیں گی لہذا جو کہتا ہوں! وہی کر! ورنہ کل سورج غلوغ ہونے کے بعد تمہارا استقبال تاریک ہو جائے گا۔۔۔ جاؤ! چلے جاؤ!"

سیٹھ حفیظ نے کچھ اس انداز میں حقیقی بات کی تھی کہ ہائیون نے یہی طرح چونک کیا۔ اُسے احساس تو تھا کہ جلی اپنے سارے داؤ نہیں سکتا تھا مگر اسے اس قدر محسن کشی کے لیے مجبور کیا جائے گا یا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ اگلیا ہی خستہ پنی حالت کے ساتھ وہاں سے نکلا تھا۔ اُسے ہر حال میں فیصلہ کرنا تھا کہ وہ کیا کرے؟۔۔۔ ایک طرف اُس کا خنسن تھا! جس نے اُسے یہاں تک پہنچا دیا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا! اُسے شرمیلا پھر اُس کی اپنی خواہشوں نے ہی اُسے یہ دن دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا! اُس کی خواہشیں ہی اُس کے گلے پڑی تھیں ورنہ وہ تو تھیک جا رہا تھا۔ یہ تیور اور صفی کا مسئلہ تھا جو اُس کے مستقبل کو تباہ کرنے کا باعث بن رہا تھا اور اب وہ پھنس چکا تھا۔ اُسے چند تک رسائی چاہئے تھی ورنہ اُسے پورا یقین تھا کہ وہ ایک دفعہ پھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا اور کوئی اُس سے پچھا بھی نہیں پائے گا۔ شاید بے گناہی اور مصومیت اپنی جگہ خود ایک قوت ہوتی ہے جو کسی نہ کسی طرح اپنا آپ منوالیتی ہے لیکن انسان جب جرم کرتا ہے تو خمیر بھی اس کا ساتھ نہیں دیتا! کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی حد تک احتیاط میں درازیں ضرور پڑ جاتی ہیں جن کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلتا ہے کہ ایک خوف من میں مراہیت کر جاتا ہے جو اُسے بہت قدم رہنے ہی نہیں دیتا۔ وہ چند کو نہ ہی خراب یا دکر رہا تھا وہ ہوتا تو کم از کم اُسے تھاکر کوئی مشورہ ہی کر لیتا۔ وہ اگر سیٹھ حفیظ سے ملنا سکتا تو اس جیسے کچھ اور لوگ بھی تو اُس کے پاس ہو سکتے تھے یا پھر کم از کم وہ محسن کشی کا مرتکب تو نہ ہوتا۔۔۔ راحیلہ کا چہرہ ہار ہار اُس کے سامنے آ رہا تھا۔ اس بے چاری نے کیا تصور کیا تھا جو وہ! اسے اُن لوگوں کے ہاتھوں میں دے دے؟ اُن سے کچھ بھی بچو نہیں تھا! وہ اس پر بے جا تشدد بھی کر سکتے تھے۔ اس سے ہٹ کر جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ بیٹیوں نے اُسے اس حال تک پہنچایا تو اُس کا دل و انسانیت ہی سے اٹھ جائے گا۔ اُس کا نقطہ ہی گناہ ہے کہ اُس کا تعلق جنید سے ہے۔ نہیں! میں کم از کم اسے اُن لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ وہ بے گناہ ہے! اس سارے معاملے میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

"تو پھر کیا کرو گے۔۔۔؟"

یہی سوال اُس کے ذہنی دہاؤ میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ پارک کے ایک تنہا گوشے میں بیٹھا مسلسل یہی سوچتا چلا جا رہا تھا۔ اچانک ایک خیال اُمید کی کرن کی مانند اُس کے ذہن میں آیا کہ اگر انہیں راحیلہ کے گھر کے بارے میں معلوم ہوتا تو وہ کبھی اس قدر اُس پر دباؤ نہ ڈالتے! فوراً جاتے اور اُسے قابو میں کر لیتے۔ تب انہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ جنید بھی وہیں ہے۔ وہ! سے درمیان میں ہی نہ لگتے۔ راحیلہ کو تو بلیو

عشق تھا بے عشق بنا

کرنے یا جنیڈ کو اپنے دام میں پھنسا لینے کے بعد ہی سب کچھ ناسے بتایا جاتا۔ تو انہیں جنیڈ اور راجیلہ کے گھر کے بارے میں نہیں معلوم ہوا۔ اب تک محفوظ ہیں۔ نہیں اگر ساری صورت حال سے راجیلہ کو آگاہ کروں اور وہ۔۔۔ اس کے ساتھ ہی بہت ساری سوچیں اس کے ذہن میں آتی چلی گئیں۔ اس نے جنیڈ سے اپنا فون نکالا۔ سم تھیل کی اور راجیلہ کے نمبر ڈائل کر دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی راجیلہ سے رابطہ ہو گیا۔

”ہاں ہاں میں بھائی! کیسے ہو۔۔۔ بڑے دنوں بعد فون کیا؟“ وہ خوشگوار لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

”میں ایک بہت بڑی الجھن میں پھنس گیا ہوں بلکہ۔۔۔ میں ہی نہیں جنیڈ اور تم بھی۔۔۔ خدا کے لیے میری جنیڈ سے بات کرو اور اس سے رابطہ بہت ضروری ہے۔“ وہ نہ بانی انداز میں کہتا چلا گیا۔

”خیر یہ تو ہے ہاں میں بھائی! آپ اچھے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟“ وہ تشویش سے بولی۔

”بات ہی کچھ ایسی ہے۔۔۔“ وہ اچھائی شکلہ لہجے میں بولا۔

”بھری کچھ تو پتہ چلے؟“ منیڈ نے اسی لہجے میں پوچھا۔

”میں تمہیں کہتا ہوں۔۔۔ جنیڈ کو تفصیل بتاؤں گا تو وہ اس کا کوئی نہ کوئی حل نکال لے گا۔“ وہ بولا۔

”اصل میں وہ یہاں ہیں ہی نہیں کسی دوسرے ٹکے میں ہیں۔۔۔ مجھے بتائیں بلکہ یہاں آ جائیں اطمینان سے بات کر لیتے ہیں۔“ راجیلہ نے کہا۔

”خیر میں آ رہا ہوں لیکن تم نے بہت احتیاط کرنی ہے۔ اگر ذرا سا بھی خطرہ محسوس کرو کسی اجنبی کو اپنے ارد گرد کھوٹو سامنے مت آنا بلکہ اس وقت تمہیں بہت خطرہ ہے۔“ دو ماہی کی ابتدا کو چھوٹے ہوئے بولا۔

”آپ گھبرائیں نہیں ہاں میں بھائی! آپ آئیں منیڈ بہر حال محتاط رہوں گی۔“

راجیلہ نے اسے ڈھارس دیتے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔۔۔ لاپٹی بھی کس قدر نصرت ہوتی ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ دوسرے اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں تو خوف کے عالم میں مچانے کیا کچھ کر بیٹھے لیکن سوچنا ہوا ہاں وہاں سے اٹھ گیا۔ اس نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر حال میں راجیلہ کو پھانے گا اس کے لیے چاہے اسے سب کچھ قربان کر دے۔ سینٹھ حقیقت کے پاس اگر کوئی بیک سیل کرنے کا مواد ہے تو اس نے کون سا صحاف کیا تھا۔ وہ ایک ایسا آدمی کے ساتھ پاک سے لگتا چلا گیا۔

☆ ☆

منیڈ ساری رات اور پھر سارا دن سوچوں میں ڈوبی رہی تھی۔ تیور کا یہ انداز بہت ہی صحیح تھا وہ ڈھکی ٹانگ کی طرح پھنکار رہا تھا۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ ڈھک مار دے۔ وہ نہ صرف اس کے ذہن سے بچتا چاہتی تھی بلکہ اس کا ذہن بھی نکال لیتا چاہتی تھی لیکن وہ پاگل تھی۔ ایسا سوچا تو جاسکتا تھا لیکن اس پر قطعاً عمل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے بہت زیادہ تجربہ، ذہانت اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سارے ستر بندے کو آتے ہوں جو اس کام کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔۔۔ شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ اس دوران اس نے کئی بار ہاں کو فون کیا تھا

لیکن ہر بار وہ تیلی من کر خاموش ہو جاتی۔ وہ اسے یہ بتا بھی نہیں سکتی تھی کہ تیور نے اسے کس طرح کی دھمکی دی ہے اور اس کے ثبوت میں کیا کچھ بھیج دیا ہے۔ تیور کے معاملے میں اسے جو کچھ بھی کرنا تھا خود ہی کرنا تھا یا تو اسے اپنا آپ پیش کر دینی اور جو وہ چاہتا وہی کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتی یا دوسری صورت میں وہ برٹس وومن کی بجائے کال گرل کے طور پر مشہور ہو جاتی جو اسے کسی صورت بھی منظور نہیں تھا۔ تو پھر کیا کرے؟ فیصلہ تو بہر حال اسے خود ہی کرنا تھا اس میں وہ ہمایوں کی مدد لے ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ انہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس کا فون بیچ اٹھا۔ سکرین پر تیور کے نمبر جملگا رہے تھے۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں منیسا ہوں تیور۔۔۔ تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" اس نے یوں کہا جیسے وہ مفید کے کسی بھی متوقع فیصلے کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ کیا فیصلہ کرے گی۔

"دیکھو تیور! تم بہت ہی گھناؤنی اور گھٹیا حرکت کر رہے ہو۔ منیسا نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہی تھا کہ تمہارے اصرار پر وہ دم باؤس چلی جاتی تھی مگر تم نے ان ملاقاتوں کو کیا رنگ دیا۔ منیسا ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کہ تمہارے گناہ کوئی بھی ہو سکتے ہو۔" وہ انتہائی غصے میں کتنی چلی گئی۔

"منیسا اس سے بھی بُرا ہوں۔ منیسا شاید بھول جاتا جس طرح اور بہت ساری لڑکیوں کو بھول چکا ہوں۔ ضروری نہیں کہ ہر لڑکی میری مرضی کے مطابق چلے لیکن تم نے اور تمہارے منگیترنے جو کچھ کیا وہ منیسا نہیں بھول سکتا میری جان! وہ ظہر یہ لہجے میں فرماتے ہوئے بولا۔

"جو کچھ تم نے کل کہا یا اب کہہ رہے ہو منیسا اس کے بارے میں بالکل نہیں جانتی۔ مجھے کچھ پتہ نہیں ہے تو پھر اس کی اتنی بڑی سزا مجھے کیوں دی جا رہی ہے؟۔۔۔ اصل میں تم یہ سب الزام لگا کر۔۔۔"

"منیسا یہ الزام نہیں ہے جرم کیا ہے تم دونوں نے اور اس کی سزا تو ملتی ہی چاہئے۔ کیا تمہارے ایسی موت کو تریب سے دیکھا ہے جس میں ایک ہی وقت میں بار بار مرنا پڑے۔ اس کی اذیت منیسا جانتا ہوں۔ کس طرح اس بندے نے مجھے ذلیل کیا۔ منیسا ریچرڈ وانس ایسی لیے نہیں کیا ہوں کہ ان بندوں کا سراغ لگا سکوں۔ پتہ نہیں منیسا نے کتنا پیسہ بنایا ہے اس مقصد کے لیے۔ منیسا تمہاری کو وہی ذلتی اذیت دینا چاہتا ہوں۔" وہ غصے میں کہتا چلا گیا۔

"تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔" اچانک مفید نے انتہائی اعلیٰ سے کہا۔

"کیوں نہیں کر سکوں گا؟ تمہارا منگیترن کس سدا حائے ہوئے شتے کی مانند اس جینیر نامی شخص کی پوسٹ مٹھا پھر رہا ہے۔ اس کے پاس فقط صبح تک کا وقت ہے پھر اس کے بعد وہ خنیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا۔ اس کے لیے مقدمات تیار ہو چکے ہیں۔ اگر شتے کی طرح دغا داری کرے گا تو شاید اسے معاف کر دیا جائے ورنہ منیسا خود اسے بھی ایک سزا دوں گا اور تم تو میری ہوئی جاؤ گی۔۔۔ ویسے اگر تم کہو تو منیسا تمہیں مستقل خود پر اپنے فارم ہاؤس میں رکھ لوں گا۔ وہاں تم۔۔۔"

"تیور! منیسا تم سے ملتا چاہتی ہوں ابھی اور اسی وقت۔۔۔ کہاں مل سکتے ہو؟" مفید نے انہی سے لہجے میں کہا۔

"ارے واہ! اتنی جلدی موم ہو گئی ہو۔۔۔ چٹو ٹھیک ہے۔ آسنے سامنے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" اس نے تہجد لگاتے ہوئے کہا۔

"منیں پو چھری ہوں کہاں مل سکتے ہو؟" وہ سنی آن سنی کرتے ہوئے بولی۔

"اس میں پو چھنی کی کیا بات ہے میری جان! میرے قدم پارکس پر آ جاؤ۔" وہ مگر ہنستے ہوئے بولا۔

"نہیں! اس وقت منیں وہاں نہیں آ سکتی۔ شہر کے کسی ریستوران کے پارے میں بتاؤ۔" وہ بولی۔

"تو اسی ریستوران میں آ جاؤ جہاں ہم اکثر ملتے تھے وہ تمہیں بہت پسند ہے!۔۔۔ اچھا ہے آسنے سامنے بیٹھ کر بات ہوگی تو شاید کوئی اچھا پہلو نکل آئے۔۔۔ کب تک بیٹھی رہی ہو؟" وہ خوشگواریت کے لہجے میں فتح مندانہ انداز لے لے بولا۔

"شاید تمہارے کھینچنے سے پہلے ہی وہاں بیٹھی جاؤں۔۔۔" منیہ نے کہا اور نون بند کر دیا۔

پھر منیہ نے کسی کو بھی نہیں بتایا اپنا پرس چیک کیا اور باہر کی جانب چل دی۔ زینتون بی بی ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا تو دہلائی۔

"ہاں منیں! کچھ دیر کے لیے باہر جا رہی ہوں۔ اگر زیادہ وقت ہو جائے تو پریشان نہیں ہوتا۔"

"پھر بھی جا کہاں رہی ہو؟" زینتون بی بی نے اس کے سوتے ہوئے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کہنا کسی کام سے جا رہی ہوں۔" وہ بولی اور باہر نکلتی چلی گئی۔

وہ شہر کا معروف ریستوران تھا جہاں ان دونوں کی اکثر ملاقاتیں رہا کرتی تھیں۔ منیہ اپنی کار میں اس ریستوران کے سامنے بیٹھی چکی تھی لیکن ابھی اس نے ریستوران کی جانب ٹرن نہیں لیا تھا سڑک پر ہی تھی کہ اس نے تیموز کی گاڑی دیکھی جو ٹرن لے چکی تھی اور کسی بھی لمحے پارکنگ کی جانب مڑنے والی تھی۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ آ گیا ہے۔ اس نے بڑے سکون سے گاڑی پارکنگ کی جانب موزوں۔ شاید وہ بھی اسی کا شکر تھا اس نے منیہ کو دیکھ لیا اور گاڑی سے باہر نکل کر بڑی پرشوق لٹکا ہونوں سے اسے دیکھنے لگا۔ منیہ نے اطمینان سے گاڑی پارکنگ میں لگائی اور اپنا پرس اٹھا کر باہر آ گئی۔ دونوں آسنے سامنے ہوئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تب تیمور نے مصنوعی ڈکھ سے کہا۔

"پہلے سے بہت زیادہ کمزور دکھائی دے رہی ہو۔۔۔ کچھ تانا مہرے ساتھ نہ ہونے کا غم تھا؟"

"کچھ بھی نہیں تھا۔۔۔ منیں تم سے حتمی بات کرنے آئی ہوں تیمور! تم میری زندگی سے نکل جاؤ! اس میں ہم دونوں ہی کا بھلا ہے۔"

منیہ نے بڑے ہی نرم لہجے میں کہا۔

"اب منیں جا ہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ بات میرے ہاتھ میں نہیں رہی تاکہ پاپا براہ راست اس سٹے میں دیکھی لے رہے ہیں۔۔۔ منیں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"لیکن تم مجھے کیوں بلیک میل کرنا چاہ رہے ہو! کیا یہ بھی تمہارے پاپا کی مرضی ہے؟" اس نے چوہکتے ہوئے پوچھا۔

"بھلاؤ تمہیں دھمکانے اور اسل نوکوں تک پہنچ جانے کی ایک کوشش ہے۔ ہم تو تمہیں بھی اس میں ملوث دیکھتے ہیں اور تم بھی کیونکہ اتنی

مضبوط پلاننگ وہی کر سکتا ہے جو بہت قریب رہا ہو۔۔۔ خیر آؤ۔۔۔ اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ مجھے ایک اہم فون کا انتظار ہے۔ جو مئی دو فون آ گیا مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔" اس نے عام سے انداز میں کہا۔

"اتنا اہم فون تھا تو گھر یہاں تک آئے کیوں۔۔۔ میں نے کہا نا میں تم سے حسیات کرنے آئی ہوں؟" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ فون تمہارے لیے بھی بڑا اہم ہے۔ تمہارے محبت کرنے والی رات ہی چند تک رسائی حاصل کرنی ہے اس نے فون کرنا ہے تو مجھے معلوم ہونا ہے۔۔۔ آؤ وہیں بیٹھ کر حسی بات کر لیتے ہیں۔"

اس نے یوں کہا جیسے صیبا اب اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ وہ اس کے ساتھ ایسا رویا بنائے ہوئے تھا جو کوئی قانع اپنے منقوح کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ صیبا نے بڑے اطمینان سے اپنا پرس کھولا اس میں سے ریوا اور نکال کر اس پر تان لیا۔

"تمہارا کیل ختم ہو گیا تیورا"

صیبا کے یوں کہنے پر تیمور نے ہنٹ کر دیکھا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں اکیلا نہیں ہوں میرے گارڈز میرے ساتھ ہیں۔۔۔ نیچے کروور نہ وہ تمہیں کوئی بار دیں گے۔۔۔"

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ صیبا کا ہنٹ کر رہ گئی اس نے جیسے تیمور کی بات ہی نہ سنی ہو یکدم دو قہر ہوئے کسی طرف سے انجانی کوئی صیبا کو لگی اور اس سے ٹرا ٹیکر ب گیا۔ دو گولیاں تیمور کے سینے میں جا لگی تھیں۔ دونوں ہی چمکا کر گرے۔۔۔ لہجوں ہی میں وہاں ہجوم اٹھا ہونا شروع ہو گیا۔

☆☆

ٹائپ ٹائپ فٹ

کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا اہل نوخیز اختر کا مقبول ترین ناول، جسے پاک و ہند کے قارئین نے سند قبولیت بخشی۔ آرو کا پہلا مکمل حراجیہ ناول، ہزار اومنی ہے کہ آپ اس ناول کو ایک بار شروع کر کے ختم کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ ٹائپ ٹائپ فٹ کہانی ہے ایک غریب گھر کے سادو لوہ نو جوان کی جسے حالات ایک ارب پتی لڑکی کا کرانے کا شوہر بنا دیتے ہیں۔ اس کا قدی شاوی سے پہلے اور بعد میں کمال عرف کمالے کی سزاہ لوتی اور حاتیں کمال کھاتی ہیں، جاننے کیلئے پڑھیے ٹائپ ٹائپ فٹ۔ اسے ناول سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

رات ابھی اتنی گہری نہیں ہوئی تھی۔ راحیلہ! تجھائی پریشانی کے عالم میں اٹھ رہی تھی۔ جنید کا نمبر ہی نہیں مل رہا تھا حالانکہ اس نے دوپہر کے وقت اس سے بات کی تھی۔ ممکن تھا کہ وہ اس سے بات ہی نہ کرتی لیکن وہاں کے فون نے اسے بُری طرح ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حالات اس قدر خطرناک ہو جائیں گے۔ اس نے وہاں کی بات بہت تھل سے سنی تھی۔ اسے احساس تھا کہ وہ فوراً جنید سے بات کرے گی اور پھر جو وہ کہے گا، اس پر عمل کرے گی۔ ایسے نازک حالات میں جبکہ وہاں بھی اس کی جانب آ رہا تھا جنید کا فون نہ ملنا اسے پریشان کر گیا تھا۔ اب اگر وہاں آ بھی جائے تو اسے خطرناک صورت حال کے بارے میں بتا بھی دے تو وہ کیا جواب دے پائے گی؟

”کیا بات ہے راحیلہ! تم اتنی پریشان کیوں ہو۔۔۔؟“

نسرین جھڑک نے اس سے پوچھا تو وہ چند لمحوں تک اس کی جانب دیکھتی چلی گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ وہاں کے بارے میں

اسے بتائے یا نہیں؟

”کچھ نہیں۔۔۔ تم آرام کرو۔“ وہ بولی مگر اس کا لہجہ بے معنی چھپانہ سا۔

”راحیلہ! یہ کیا بات ہوئی، کیا نہیں اتنا بھی اندازہ نہیں لگا سکتی کہ اس وقت تمہاری کیفیت کیا ہے۔۔۔ بولو بتاؤ مجھے کہ بات کیا ہے۔ کیوں اتنی پریشان ہو؟“ وہ نرم سے لہجے میں بولی۔

”وہاں آ رہا ہے اور اس کے پاس کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ کہ رہا ہے کہ میرے اور جنید کے لیے انتہائی خطرناک حالات ہیں۔۔۔ جنید کا فون بھی نہیں مل رہا، سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں۔“ وہ کہتی چلی گئی۔

”اوہ۔۔۔ تم کوشش جاری رکھو شاید بھائی کا فون مل جائے اور اگر وہاں آ بھی گیا تو بات سن لیں گے، تمہی سارے حالات کا بہتر پتہ چلے گا۔ آدمی ادھوری بات سے کیا معنوم ہوگا؟“

”کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو لیکن۔۔۔“

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اجنبی سے نمبر تھے اس نے چند لمحے سننے یا نہ سننے کے بارے میں فیصلہ کیا پھر فون سن لیا۔

”ہیلو۔۔۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔

”شکر ہے خدا کا تم نے فون سن لیا۔“ دوسری جانب سے جنید بول رہا تھا۔

”لیکن یہ نمبر اور میں کب سے۔۔۔“

”کچھ بھی مت کہو۔۔۔ فوراً یہاں سے نکلو۔ کچھ بھی مت لو اور میری نسرین سے بات کراؤ۔“ جنید نے تیزی سے کہا۔

”وہ میرے پاس کھڑی ہے۔“ اس نے کہا۔

”تو سمجھتاں کرو جلدی۔۔۔“

وہ تیزی سے بولا تو راحیلہ نے ہنسی کرنا شروع کر دیا۔

"جی جنید بھائی! کہیں۔۔۔؟" نسرن نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

"حالات ٹھیک نہیں ہیں لیکن تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ پریشان نہیں ہونا راحیلہ کی امی کا بہت خیال رکھنا۔ بہت جلد میں اور راحیلہ تمہیں آن ملیں گے۔ کیونکہ بنانے کی جلد از جلد ہر ممکن کوشش کرنا۔۔۔ اور راحیلہ! تم سنو۔ فوراً یہاں سے نکلو۔ منی سٹی میں ہوں تم گھر سے باہر نکل کر

مارکیٹ تک آؤ۔ فون بند نہیں کرنا سنیں تمہیں پک کر لیتا ہوں۔"

"آپ سٹی میں ہو۔۔۔؟" وہ حیرت سے بول۔

"سوال جواب بعد میں۔۔۔ تم فوراً نکلنا اپنی امی کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور ہاں نسرن! منی تم سے بعد میں رابطہ کرتا ہوں تم

نے ہر کسی کو بھی بتانا ہے کہ ہم دونوں یہاں رہتے تھے لیکن شادی کے بعد یہاں سے چلے گئے ہیں یعنی مومن وغیرہ کا کہہ دینا۔۔۔ اب چلو نکلو۔"

جنید نے کہا تو راحیلہ نے ایک لگاؤ نسرن پر ڈالی اس کے گلے لگ کر چند لمبے پونجی ری اور بھرتیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے مارکیٹ کی جانب چلی گئی۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہو سکتا ہے اس لیے وہ ایک سست چلتی چلی گئی۔ اس کا فون آن تھا وہ بتاتی جا رہی تھی کہ اس وقت وہ کہاں پر ہے۔ ہندی اسے سرخ رنگ کی مرسیڈیز دکھائی دی۔ جنید اسی میں تھا راحیلہ کے بیٹھے ہی گاڑی چل دی۔ ان کے خادو فقط ایک ڈرائیور تھا۔

"آپ سٹی میں تھے۔۔۔؟" وہ دیر سے بول۔

"نہیں۔۔۔ دوپہر کے وقت دوپہر میں تھا لیکن حالات ٹھیک نہیں تھے۔ یہ تو قسمت اچھی ہے کہ مجھے بروقت پہنچ گیا ورنہ ہمایوں اب

تک تمہیں ایسے لوگوں کے ہاتھ۔۔۔ خیر اس کا بھی پہنچ جائے گا۔"

"نہیں وہ غلط نہیں ہو سکتا ورنہ وہ مجھے فون کر کے بخارم نہ کرتا۔۔۔"

"کیا اس نے تمہیں فون کیا تھا؟"

اس نے حیرت سے پوچھا تو راحیلہ نے تفصیل بتادی۔

"اودہ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ خود بھی خطرے میں ہے۔ خیر نو دیکھنا ہوں۔"

اس نے کہا اس کا کہہ راحیلہ کا فون بج اٹھا۔

"کون ہے؟" جنید نے پوچھا۔

"ہمایوں۔"

"لاؤ سنیں بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون نیا اور بولا۔ "ہاں ہمایوں! کیا بات ہے؟"

"اودہ آپ۔۔۔ آپ فوراً وہاں سے نکل جائیں۔ کسی بھی لمحے۔۔۔"

”منیں وہاں نہیں ہوں ایک بہت عین محفوظ جگہ پر ہوں۔ منیں اس وقت تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو فوراً روپوش ہو جاؤ۔۔۔“

”منیں اگر مر رہی جاؤں؟“ جنید بھائی! تو کوئی غم نہیں۔ منیں بس محسن کشی کے التزام کے ساتھ منیں مرنا چاہتا تھا۔ اللہ کرے کہ آپ محفوظ رہیں۔ میری بولی خواہش ہے۔“ دو ایسے نامعاز میں بولا۔

”ٹھیک ہے منیں بعد میں فون کروں گا۔“

جنید نے کہا اور فون بند کر دیا۔

”یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔؟“ راحیلہ نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

”تفصیل کا وقت نہیں ہے۔ بس اتنا جان لو کہ جس نے جو کیا اسے بھرنا پڑے گا مجھے ہائیوں سے ہمدردی ہے۔ اس کی بھیجیتر جس کے لیے اس نے یہ سب کیا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ وہ قتل ہو گئی ہے۔“

”کیا۔۔۔ آپ کو کیسے پتا؟“

”نجانے میری جھنڈی جس کیوں مجھے یہ باور کرا رہی تھی کہ اگر مجھے کبھی نقصان ہوا تو وہ ہائیوں کی طرف ہی سے ہوگا۔ منیں نے کچھ بندے

اس کے اور اس کے سینٹر حیفظا کے ارد گرد چھوڑے ہوئے تھے۔ روپوش ہونا ان کی بھی بھجوری تھی۔ آج دوپہر کے وقت مجھے ساری کہانی معلوم ہوئی

کہ ہائیوں کس قدر زہنی تھے اس آچکا ہے۔ منیں پھر وہاں نہیں رہنا فوراً چلا آیا اور اب ہمیشہ کے لیے یہ ملک چھوڑ رہا ہوں۔۔۔ ہم ایئر پورٹ جا رہے ہیں باقی باتیں اٹھیمان سے جہاز میں بیٹھ کر بتاؤں گا۔ اب مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا۔۔۔“ جنید نے کہا اور فون کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس نے ایک نئی سم

ڈالی اور ہائیوں کے نمبر ملا دیے۔

”جی۔۔۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”میری بات غور سے سنا۔“

”آپ۔۔۔؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں منیں۔۔۔ غور سے سناؤ منیں قتل ہو چکی ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔؟“ وہ قہقہے ہوتے بولا۔

”منیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اپنے جذبات تو بوس رکھنا۔ ابھی پلٹ جاؤ تو بہ کاراستہ بروقت کھنا ہوتا ہے۔ لسن جو حذف ہیں بے

اس کی ہر ممکن مدد کرنا منیں زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ تمہارا یہ فون کہیں نہ کہیں شیپ ضرور ہو رہا ہوگا اس لیے۔۔۔“

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ پھر اٹھیمان سے ایک گہری سانس لیتے ہوئے راحیلہ کی جانب دیکھا تو راحیلہ نے اپنا سر اس کے

کاندھے سے ٹکا دیا۔

☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

وہ دونوں ایئر پورٹ کی قمارت کے اندر داخل ہوئے تو ایک جانب سے لوجوان سالکا ان کی جانب بڑھا، اس نے پاسپورٹ اور کاغذات ان کی طرف بڑھائے اور بتا کچھ کہے دوسری جانب چلا گیا۔ تب حید نے راحیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”نسرین کو فون کرو اور اسے سمجھاؤ کہ تمہاری بہت دل برداشتہ ہوگا۔ اگر وہ اس کے پاس آئے تو دلجوئی کرنا۔ ہاں ہاتھ بکھری۔“
”ہاں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ تمہاریوں کے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہوگی۔“

راحیلہ نے کہا اور نسرین سے ہاتھ کرنے لگی۔ چند منٹ تک وہ لوجوی مصروف رہی، مگر فون بند کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد ان کی پرواز کا اعلان ہونے لگا۔ انہوں نے قدم بڑھا دیئے۔

ایک نئے سکون زندگی ان کی منتظر تھی۔



ناش کے پتے

نہج کی بساط پر کھلی جانے والی خوبی بازی۔۔۔ ایک جنوبی قافل کا قصہ جو دنیا کے عظیم ترین قاتلوں کے درمیان اپنا نام سر فہرست رکھنا چاہتا تھا۔ ناش کے باون پتے اس کے مرکز نظر تھے۔ فی کس ایک پتے کے حساب سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ قانون کے مفاد معمولی سے سراغ کو بھی فراموش نہ کرتے ہوئے قافل تک پہنچنا چاہتے تھے۔ مگر قافل کی احتیاط پسندی اور فنکاری محافلوں کی راہ میں حائل تھی۔

سٹر سٹریٹسٹنی اور سسٹیس پھیلائے والے اس قافل کی دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ قافل آپ کے سامنے ہونے کے باوجود بھی ساتھ پرووں میں پوشیدہ ہے۔

ناش کے پتے ایک سنسنی خیز اور دلچسپ ترین ایڈیوڈیو سے بھرپور ناول ہے جسے کتاب گھر کے ایڈیٹر نے جاسوسی ناول سیکشن میں بہت جلد پیش کیا جائے گا۔